برکات آل رسول
ضیاء القرآن پبلی کیشنز
گنج بخش روڈ
لاہور

اہل بیت کرام اور خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فضائل و مناقب
پر مستند اور افراط و تفریط سے پاک کتاب

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم

تصنیف: امام علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی قدس سرہ العزیز
سابق وزیر انصاف، بیروت

ترجمہ: محمد عبد الحکیم شرف قادری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
گنج بخش روڈ
لاہور

کتاب	برکاتِ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ترجمہ الشرف المؤبد لآل محمد
تصنیف	علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی قدس سرہ
ترجمہ و تقدیم	مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری
کتابت	شاہ محمد چشتی سیالوی
پروف ریڈنگ	(۱) مولانا الحاج محمد منشا تابش قصوری
	(۲) راجا رشید محمود ایم۔اے
ناشر	ضیاء القرآن پبلیکیشنز
سال اشاعت	۱۹۹۶ء
تعداد	ایک ہزار
قیمت	۹۰ روپے

انتساب

بحضور سیّدی و مرشدی مفتیٔ اعظم پاکستان

علامہ ابو البرکات سیّد احمد قادری رضوی قدس سرہ العزیز

محمد عبد الحکیم شرف قادری

فہرست

صفحہ

صفحہ

یُوں کہا کرتے ہیں سُنّی داستانِ اہل بیت

از تبرکاتِ حضرت حسن رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

باغ جنت کے ہیں بہر مدح خوانِ اہلبیت
تم کو مژدہ نار کا اے دشمنانِ اہلبیت

کس زباں سے ہو بیانِ عز و شانِ اہلبیت
مدح گوئے مُصطفےٰ ہے مدح خوانِ اہلبیت

انکی پاکی کا خدائے پاک کرتا ہے بیاں
آیۂ تطہیر سے ظاہر ہے شانِ اہلبیت

انکے گھر میں بے اجازت جبریل آتے نہیں
قدر والے جانتے ہیں قدر و شانِ اہلبیت

رزم کا میداں بنا ہے جلوہ گاہِ حُسن و عشق
کربلا میں ہو رہا ہے امتحانِ اہلبیت

کس شقی کی ہے حکومت ہائے کیا اندھیر ہے
دن دہاڑے لٹ رہا ہے کاروانِ اہلبیت

تیری قدرت جانور تک آب سے سیراب ہوں
پیاس کی شدت میں تڑپے بے زبانِ اہلبیت

فاطمہ کے لاڈلے کا آخری دیدار ہے
حشر کا ہنگامہ برپا ہے میانِ اہلبیت

گھر لٹانا جان دینا کوئی تجھ سے سیکھ جائے
جانِ عالم ہو فدا اے خاندانِ اہلبیت

اہلبیت پاک سے گستاخیاں بے باکیاں
لعنۃ اللہ علیکم دُشمنانِ اہلبیت

بے ادب گستاخ فرقہ کو سنا دے اے حسن
یوں کہا کرتے ہیں سُنّی داستانِ اہلبیت

فدائے مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وسلم)

امام علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی قدس سرہٗ

دنیا دارِ فنا ہے جو پیدا ہوا اسے ایک نہ ایک دن یہاں سے رختِ سفر باندھنا ہے، کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو خود تو چلے جاتے ہیں لیکن اپنی یاد ہمیشہ کے لئے چھوڑ جاتے ہیں، یہ دلآویزی اور محبوبیت صرف ان بندگانِ خدا کے حصے میں آتی ہے جو اپنی زندگی اللہ تعالےٰ کے حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری، آپ کے جمال و کردار کے تذکرے اور آپ کے دینِ متین کی حفاظت و تبلیغ میں صرف کر دیتے ہیں، علامہ نبہانی قدس سرہٗ اسی قدسی گروہ کے ایک فرد تھے۔

استاذ الاساتذہ مولانا الحاج علامہ عطا محمد گولڑوی بندیالوی مدظلہ العالی نے ایک مرتبہ بیان فرمایا کہ شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی، امام احمد رضا بریلوی اور علامہ نبہانی کا وصف مشترک یہ تھا کہ انہوں نے اپنی پوری زندگی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں بسر کی اور تا حیات عشقِ رسولِ مقبول صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا درس دیتے رہے، دینِ اسلام کی خدمت ان کا سرمایۂ حیات تھا اور حدیث شریف کی تبلیغ و اشاعت ان کا وظیفۂ زندگی تھا۔

حضرت یوسف بن اسمٰعیل بن یوسف بن اسمٰعیل بن محمد ناصر الدین بن نبہانی رحمہم اللہ تعالیٰ فلسطین کی شمالی جانب واقع قصبہ اجزم میں جو کہ اس وقت حیفا کے حدود میں واقع ہے تقریباً ۱۲۶۵ھ/ ۱۸۴۹ء میں پیدا ہوئے۔ عرب کے ایک بادیہ نشین قبیلہ بنو نبہان کی نسبت سے نبہانی کہلاتے ہیں، قرآن پاک والد ماجد شیخ اسمٰعیل نبہانی سے پڑھا وہ اسی کے پیٹے میں تھے اس کے باوجود حواس بالکل صحیح سالم اور صحت بہت عمدہ تھی، اکثر اوقات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں صرف کرتے، پہلے وہ ہر روز تہائی قرآن پاک پڑھتے تھے پھر ہر ہفتے میں تین قرآن پاک ختم کیا کرتے تھے اور یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا کرم تھا۔

پھر علامہ نبہانی جامع ازہر مصر میں داخل ہوئے اور محرم الحرام ۱۲۸۳ھ سے رجب ۱۲۸۹ھ

تک تحصیل علم میں مصروف رہے، علامہ فرماتے ہیں میں نے وہاں ایسے ایسے محقق اساتذہ سے استفادہ کیا کہ اگر ان میں سے ایک بھی کسی ولایت میں موجود ہو تو وہاں کے رہنے والوں کو جنت کی راہ پر چلانے کے لئے کافی ہو اور تمام علوم میں لوگوں کی ضروریات کو تن تنہا پورا کر دے، چند اساتذہ کے نام یہ ہیں:۔

علامہ[۱] سید محمد دمنہوری شافعی (م ۱۲۸۶ھ) علامہ شیخ ابراہیم[۲] الزرو (م ۱۲۸۰ھ) علامہ شیخ احمد[۳] الاجہوری شافعی نابینا (م ۱۲۹۳ھ) علامہ[۴] شیخ حسن العدوی المالکی (م ۱۲۹۸ھ) علامہ[۵] شیخ سید عبدالہادی نجا الابیاری (م ۱۳۰۰ھ) علامہ شیخ شمس الدین محمد الانبابی الشافعی (اس وقت کے شیخ الازہر) علامہ[۶] شیخ عبدالرحمن الشربینی الشافعی، علامہ[۷] شیخ عبدالقادر الرافعی الحنفی الطرابلسی (شامی[۸] پر التحریر کے نام سے ان کا حاشیہ ہے) علامہ[۹] شیخ یوسف برقاوی حنبلی، شیخ[۱۰] المشائخ علامہ ابراہیم السقا الشافعی رحمہم اللہ تعالیٰ۔

علامہ نبہانی سب سے زیادہ اپنے استاذ علامہ ابراہیم السقا کے معترف اور مداح دکھائی دیتے ہیں ان سے شیخ الاسلام زکریا انصاری کی شرح تحریر اور شرح منہج اور ان پر علامہ شرقاوی اور بجیرمی کے حواشی پڑھے اور تین سال تک ان سے فیض یاب ہوئے انہوں نے علامہ نبہانی کو سند دیتے ہوئے ان القاب سے نوازا ہے:۔

الامام الفاضل والھمام الکامل والجھبذ اللوذعی الاھیب والالمعی الادیب ولدنا الشیخ یوسف بن الشیخ اسمٰعیل النبہانی الشافعی ایدہ اللہ بالمعارف ونصر لہ

اس سے معلوم ہوا کہ اساتذہ کی نظر میں علامہ کی کتنی قدر و منزلت تھی، دوسرا یہ بھی معلوم ہوا کہ علامہ مذہباً شافعی تھے۔

لہ یہاں تک کے حالات علامہ نبہانی قدس سرہ کے خود نوشت ہیں جو الشرف المؤبد لآل محمد ... آخر اور شواہد الحق کی ابتداء میں ملحق ہیں۔

جب حضرتِ علامہ نبہانی قدس سرہ کے علم و فضل کا چرچا ہوا تو بیروت میں محکمۃ الحقوق العلیا کے رئیس (وزیرِ انصاف) مقرر کر دیئے گئے ایک عرصہ تک اس منصب پر فائز رہے آخر عمر میں انہوں نے اپنے اوقات عبادت اور تصنیف و تالیف کے لئے وقف کر دیئے، ایک عرصہ مدینہ طیبہ میں قیام پذیر رہے۔

حضرتِ علامہ نبہانی قدس سرہ نے اپنی دیگر مصروفیات کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا، ان کی تمام تصانیف مفید ہیں اور مقبولیتِ عامہ کی سند حاصل کر چکی ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ ان کی تمام تصانیف حدیث شریف اور اس کے متعلقات سے وابستہ ہیں، حدیث شریف کے علاوہ انہوں نے ان موضوعات پر خامہ فرسائی کی ہے:۔

سیرتِ مبارکہ، علم الاسانید، اکابرِ علماء و مشائخ کا تذکرہ، درود شریف اور بارگاہِ رسالت میں پیش کئے جانے والے قصائد جو خود علامہ نے لکھے یا مذاہبِ اربعہ کے متقدمین اور متاخرین علماء نے لکھے، ان کی تصانیف کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ تمام کتابیں چھپ چکی ہیں بلکہ بعض کتابوں کے کئی کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔

حضرتِ علامہ نبہانی قدس سرہ نے سات سو پچاس اشعار پر مشتمل قصیدۃ الرائیۃ الکبریٰ لکھا جس میں دینِ اسلام اور دیگر ادیان کا تقابل پیش کیا ہے۔ بالخصوص عیسائیت کا تفصیلی رد کیا ہے کیونکہ عیسائی آئے دن دینِ اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے رہتے تھے، دوسرا قصیدہ الرائیۃ الصغریٰ پانچ سو پچاس اشعار پر مشتمل لکھا جس میں سنتِ مبارکہ کی تعریف و توصیف و بدعت کی مذمت کی اور ان اہلِ بدعت مفسدین کا بھرپور رد کیا جو اجتہاد کا دعویٰ کرتے ہیں اور خدا کی زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔

ان قصائد کو آڑ بنا کر بعض کفار اور منافقین نے سلطان عبدالحمید سلطان ترکی کے کان بھر کر علامہ نبہانی ان قصائد کے ذریعے تمہاری رعایا میں انتشار پھیلا رہے ہیں چنانچہ ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۲ء میں جب علامہ مدینہ طیبہ پہنچے تو انہیں شاہی حکم کے تحت نظر بند کر دیا گیا۔ علامہ فرماتے ہیں:۔

حُبِسْتُ فِي الْمَدِيْنَةِ مُدَّةَ اُسْبُوْعٍ لٰكِنْ بِالْإِكْرَامِ وَالْاِحْتِرَامِ [۱]

"مجھے مدینہ طیبہ میں ایک ہفتے کے لئے نظر بند کر دیا گیا لیکن عزت و احترام کے ساتھ"

قطبِ وقت حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی دامت ظلہ تعالیٰ خلیفہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ جو اس واقعہ کے شاہدین میں سے ہیں نے یہ واقعہ تفصیل سے بیان فرمایا اور مولانا الحاج محمد منشا تابش قصوری مدظلہ نے اسے قلمبند کیا، انہی کے الفاظ ملاحظہ ہوں :-

"ایک دفعہ سلطان عبد الحمید نے مدینہ منورہ کے گورنر بصری (پاشا) کو علامہ یوسف نبہانی کی گرفتاری کا حکم دیا، گورنر بصری علامہ کا انتہائی معتقد تھا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلطان کا حکم نامہ پیش کیا، علامہ یوسف نبہانی ملاحظہ فرماتے ہی گویا ہوئے:-

سَمِعْتُ وَقَرَأْتُ وَاَطَعْتُ

میں نے سنا، پڑھا اور اطاعت کی

گورنر بصری عرض کرنے لگا حضرت! گرفتاری تو ایک بہانہ ہے، گورنر ہاؤس تشریف لائیے آپ میرے ہاں بحیثیت مہمان ہی ہوں گے اس بہانے مجھے میزبانی کا شرف حاصل ہو جائے گا جو علماء و فضلاء اور مشائخ آپ سے ملاقات کے لئے آئیں گے وہ بھی میرے ہی مہمان ہوں گے آپ کے عقیدت مندوں پر گورنر ہاؤس کے دروازے ہر وقت کھلے رہیں گے آپ کا گورنر ہاؤس میں قیام قید نہیں محض سلطان کے حکم کی تعمیل کے لئے ایک حیلہ ہے۔

حضرت علامہ یوسف نبہانی عالمِ اسلام کی ممتاز شخصیت تھے ہم عصر علماء و مشائخ کے ان کے ساتھ گہرے مراسم تھے ان کی گرفتاری کی خبر جنگل کی آگ کی طرح بڑی تیزی سے عالمِ اسلام میں پھیل گئی، خاص و عام سراپا احتجاج بن گئے مگر علامہ یوسف

---

[۱] یوسف بن اسماعیل نبہانی، علامہ: الدلالات الواضحات: ص ۱۳۹

بالکل مطمئن، گھبراہٹ اور پریشانی کا نام تک نہیں تھا پھر بھی علماء و زعماء ملت نے ملاقات کے دوران علامہ سے کہا کہ اگر اجازت ہو تو ہم آپ کی رہائی کے لئے سلطان سے اپیل کرتے ہیں، علامہ نے فرمایا اگر آپ کو اپیل کرنا منظور ہے تو سلطانِ وقت کی بجائے سلطانِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں صلوٰۃ وسلام کے ساتھ یوں استغاثہ عرض کریں :-

صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ صَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّمَ صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَلَّتْ حِيْلَتِيْ اَنْتَ وَسِيْلَتِيْ اَدْرِكْنِيْ يَا سَيِّدِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔

حضرتِ قطب الوقت (مولانا ضیاء الدین مدنی دام ظلہ) نے فرمایا، چنانچہ ہم نے ابھی تین دن تک ہی اس درود شریف کے ساتھ استغاثہ پیش کیا تھا کہ سلطان عبد الحمید کے گورنر بصری کو پیغام ملا، حضرت الشیخ یوسف النبہانی کو باعزت بری کر دیا جائے [۱]۔

علامہ نبہانی فرماتے ہیں :-

"جب حکومت پر واضح ہو گیا کہ میں پورے خلوص کے ساتھ دینِ اسلام کی خدمت کر رہا ہوں اور دینِ متین اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے دفاع کر رہا ہوں تو میری رہائی کا حکم صادر کیا گیا اور حکومت کے ذمہ دار افراد نے گرفتاری پر معذرت کا اظہار کیا [۲]"

ان کی تصانیفِ عالیہ کی فہرست حسبِ ذیل ہے :-

---

[۱] محمد مختار تابش قصوری، مولانا: اغثنی یا رسول اللہ (مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء) ص ۱۵

[۲] یوسف بن اسماعیل نبہانی، علامہ: الدلالات الواضحات، ص: ۱۳۹

۱۔ الفتح الکبیر فی ضم الزیادات الی الجامع الصغیر، جامع صغیر اور اس کے حاشیہ "زیادۃ الجامع الصغیر" پر مشتمل ہے، یہ دونوں کتابیں چودہ ہزار چار سو چالیس حدیثوں پر مشتمل تھیں علامہ نبہانی نے انہیں حروف معجم کے مطابق مرتب کیا ہر حدیث کے بارے میں بتایا کہ یہ کس نے روایت کی ہے اور ان کا اعراب بھی بیان کیا، یہ کتاب مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبی و اولادہ مصر کی طرف سے تین جلدوں میں علامہ کے وصال کے بعد چھپی۔

۲۔ منتخب الصحیحین: تین ہزار دس حدیثوں پر مشتمل ہے اور اعراب و حرکات مکمل طور پر لگائے گئے ہیں۔

۳۔ قرۃ العینین علی منتخب الصحیحین، منتخب الصحیحین پر حاشیہ۔

۴۔ وسائل الوصول الی شمائل الرسول صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم۔

۵۔ افضل الصلوات علےٰ سید السادات صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

۶۔ الاحادیث الاربعین فی وجوب طاعۃ امیر المومنین۔

۷۔ النظم البدیع فی مولد الشفیع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۸۔ الہمزیۃ الالفیہ (طیبۃ الغرام) فی مدح سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم۔

۹۔ الاحادیث الاربعین فی فضائل سید المرسلین۔

۱۰۔ الاحادیث الاربعین فی امثال افصح العالمین۔

۱۱۔ قصیدہ سعادۃ المعاد فی موازنۃ بانت سعاد۔

۱۲۔ مثال نعل الشریف صلی اللہ علیہ وسلم

۱۳۔ حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

۱۴۔ سعادۃ الدارین فی الصلوٰۃ علےٰ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم۔

۱۵۔ السابقات الجیاد فی مدح سید العباد صلی اللہ علیہ وسلم

۱۶۔ خلاصۃ الکلام فی ترجیح دین الاسلام۔

۱۷۔ ہادی المرید الیٰ طرق الاسانید ثبتہ الجامع النافع۔

۱۸۔ الفضائل المحمدیۃ ترجمہا بعض السادات العلویۃ للغۃ الجاویہ۔

۱۹۔ الورد الشافی یشتمل علی الادعیہ والاذکار النبویۃ

۲۰۔ المزدوجۃ الغراء فی الاستغاثۃ باسماء اللہ الحسنیٰ۔

۲۱۔ المجموعۃ النبہانیۃ فی المدائح النبویہ واسماء رجالہا۔ (چار جلدوں میں)

۲۲۔ نجوم المہتدین فی معجزاتہ صلی اللہ علیہ وسلم، والرد علی اعدائہ اخوان الشیاطین۔

۲۳۔ ارشاد الحیاری فی تحذیر المسلمین من مدارس النصاری التی اہلکت دین المسلمین۔

۲۴۔ جامع الثناء علی اللہ وہو یشتمل علی جملۃ من احزاب اکابر الاولیاء۔

۲۵۔ مفرج الکروب، ویلیہ حزب الاستغاثات، ویلیہ احسن الوسائل فی نظم اسماء النبی الکمل

۲۶۔ ویلیہ کتاب الاسماء فیما لسیدنا محمد من الاسماء۔

۲۷۔ البرہان المسدد فی اثبات نبوۃ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ودلیل التجار الی اخلاق الاخیار

۲۸۔ والرحمۃ المہداۃ فی فضل الصلاۃ، وحسن الشرعۃ فی مشروعیۃ صلاۃ الظہر بعد الجمعہ، ورسالۃ

۲۹۔ التحذیر من اتخاذ الصور والتصویر، وتنبیہ الافکار لحکمۃ اقبال الدنیا علی الکفار

۳۰۔ سبیل النجاۃ فی الحب فی اللہ والبغض فی اللہ

۳۱۔ القصیدۃ الرائیۃ الکبریٰ فی مجموعۃ منہا سعادۃ الانام فی اتباع دین الاسلام،

۳۲۔ ومختصر ارشاد الحیاری۔

۳۳۔ الرائیۃ الصغریٰ فی ذم البدعۃ ومدح السنۃ الغراء۔

۳۴۔ جواہر البحار فی فضائل النبی المختار صلی اللہ علیہ وسلم (چار جلدوں میں)

۳۵۔ تہذیب النفوس فی ترتیب الدروس مختصر ریاض الصالحین للنووی

۳۶۔ اتحاف المسلم جعلہ خاصا بما ذکرہ صاحب الترغیب والترہیب من احادیث البخاری ومسلم۔

۳۷ - جامع کرامات الاولیاء، ومعہ رسالۃ لہ فی اسباب التالیف (دو جلدوں میں)

۳۸ - دیوان المدائح المسمی العقود اللؤلؤیۃ فی المدائح النبویۃ

۳۹ - الاربعین اربعین من احادیث سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم، وہو کتاب نفیس جامع۔

۴۰ - الدلالات الواضحات شرح دلائل الخیرات، ویلیہا المبشرات المنامیۃ۔

۴۱ - صلوات الثناء علی سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم۔

۴۲ - القول الحق فی مدح سید الخلق صلی اللہ علیہ وسلم۔

۴۳ - الصلوات الالفیۃ فی الکمالات المحمدیۃ۔

۴۴ - ریاض الجنۃ فی اذکار الکتاب والسنۃ۔

۴۵ الاستغاثۃ الکبریٰ باسماء اللہ الحسنیٰ۔

۴۶ - جامع الصلوات علی سید السادات۔

۴۷ - الشرف المؤبد لآل محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

۴۸ - الانوار المحمدیۃ مختصر المواہب اللدنیۃ

۴۹ - صلوات الاخیار علی النبی المختار صلی اللہ علیہ وسلم۔

۵۰ - تفسیر قرۃ العین من البیضاوی والجلالین۔

۵۱ - البشائر الایمانیۃ فی المبشرات المنامیۃ۔

۵۲ - الاسالیب البدیعۃ فی فضل الصحابۃ واقناع الشیعۃ۔

علامہ نبہانی راسخ العقیدہ سنی مسلمان اور سچے عاشقِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تھے، کسی شخص یا گروہ کو بارگاہ رسالت میں گستاخ اور بے ادب پاتے تو بے دھڑک اس کی تردید کرتے اور کسی طرح کی رو رعایت روا نہ رکھتے، ابن تیمیہ کے علم و فضل اور خدمات کے قائل ہونے کے باوجود اس پر سخت رد کیا، فرماتے ہیں :-

"مجھ ایسے چھوٹے سے طالب علم کا ابن تیمیہ اور اس کے دو شاگردوں ابن قیم اور ابن الہادی ایسے ائمہ کبار پر جرأت کرنا ایسا امر ہے کہ اگر اس کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نہ ہوتا تو میں کہتا کہ یہ امر قابل ملامت ہے اسی لئے میں ایک عرصہ تردّد اور پس و پیش میں مبتلا رہا یہاں تک کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا جب میں نے دیکھا کہ ان کی کتابیں پھیل رہی ہیں تو مجھے یہی مناسب معلوم ہوا کہ ان کے خلاف قدم اٹھایا جائے۔

اگر میں نے ان کے خلاف جرأت کی ہے تو انہوں نے حضور سید الانبیاء اور دیگر انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم اور اولیائے کرام کے حقوق پر جرأت کی ہے اور ان کی زیارت کرنے والے اور ان سے استعانت کرنے والے ایمان داروں پر جرأت کی ہے اور انہیں اس بناء پر گروہ مشرکین میں سے شمار کیا ہے ان کی جرأت دیدہ دلیری میری جرأت سے کہیں بڑی ہے ان میں کوئی نسبت ہی نہیں ہے[1]"

ایک جگہ خود یہ سوال اٹھایا ہے کہ ابن تیمیہ وغیرہ کی علمیت ان کے مخالفین کے نزدیک بھی مسلم ہے اگر ان کے نزدیک انبیاء و اولیاء کے مزارات کی زیارت کے لئے جمہور مسلمان کے سفر اور ان سے استعانت کا بطلان ثابت نہ ہوتا تو وہ انہیں مشرک قرار دینے کی جسارت نہ کرتے اور اس کا جواب یہ دیا :- "ائمہ بدعت اور اصحاب بدعت و ہوا بھی بڑے بڑے امام اور علماء ہوئے ہیں"

---

[1] یوسف بن اسماعیل نبہانی علامہ: شواہد الحق مطبوعہ مصطفی البابی حلبی مصر ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء

اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہی میں بھٹنے دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جانتے تھے کہ آپ کی امت میں دین کے معاملے میں اختلاف ہوگا اس لئے ہمیں حکم دیا کہ ہم سوادِ اعظم کا ساتھ دیں، سوادِ اعظم جمہور مسلمان ہیں یعنی مذاہبِ اربعہ (مذہب حنفی شافعی، مالکی اور حنبلی) کے متبعین اور ہمارے مشائخ صوفیہ اور اکابر محدثین امتِ محمدیہ بھی ہیں اور یہ سب ابن تیمیہ کی بدعات کے مخالف ہیں اور ان میں ایسے ایسے حضرات ہیں جن کا علم اس سے زیادہ، سمجھ زیادہ دقیق، ذوق زیادہ سلیم اور معرفت بہت ہی وسیع ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ سے اس وقت تک لاکھوں ایسے حضرات ہوئے ہیں جو علم و عمل میں من کل الوجوہ اس سے زیادہ فضیلت رکھتے ہیں، کیا وہ تمام بزرگ اور ساری امت مسلمہ سفرِ زیارت اور استعانت کے سبب گمراہ ہوگی، ابن تیمیہ اور گروہِ وہابیہ حق و ہدایت پر ہوگا؟ یہ ایسی بات ہے جسے کوئی نرا جاہل، بے عقل اور ذوقِ سلیم سے عاری ہی قبول کرے گا خصوصاً ان بدعات میں اس کی شدید اور فاش غلطی ظاہر ہے اور از قبیل خیالات و اوہام ہے، ائمہ اسلام کی آرا میں سے نہیں ہے"[1]

محمد بن عبد الوہاب نجدی کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

" وہ ابن تیمیہ کے پانچ سو سال بعد آیا اور اس کی بدعت کو زندہ کر کے ایسے فتنے اٹھائے کہ ان کے سبب شر اور بلاءِ عام ہوگئی خون کے سمندر بہا دیئے گئے اور اتنے مسلمانوں کی جانیں تلف کی گئیں کہ انکی تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے"[2]

علامہ نبہانی فرماتے ہیں:۔

---

[1] یوسف بن اسماعیل نبہانی، علامہ: شواہد الحق ص: ۱۵۰ [2] ایضاً ص ۵۶

"میں نے ۲ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ پیر کی شب خواب میں دیکھا کہ میں قرآن پاک کی آیاتِ مبارکہ بکثرت تلاوت کر رہا ہوں، گویا کوئی لکھوانے والا مجھے لکھوا رہا ہے مجھے اس وقت وہ آیات خصوصیت کے ساتھ یاد نہیں ہیں البتہ اتنا یاد ہے کہ ان میں بعض انبیائے کرام کے اوصاف، دشمنوں کے خلاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی امداد اور انہیں صبر کا حکم تھا خصوصاً سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا ذکر تھا بہت دیر تک میں ان آیات کو پڑھتا رہا اور اسی حالت میں بیدار ہو گیا، میں نے اس خواب کی تعبیر یہ نکالی کہ یہ ان متبعین محمد عبدہٗ مصری کی جماعت کی طرف اشارہ ہے، میں نے پانچ سو پچاس اشعار پر مشتمل قصیدۃ الرائیۃ الصغریٰ میں ان کی اور ان کے شیخ مذکور (محمد عبدہ) اس کے شیخ جمال الدین افغانی اور محمد عبدہ کے شاگرد (جریدہ المنار کے ایڈیٹر) اور ان سب سے زیادہ شریر رشید رضا کی مذمت کی ہے، میں نے اس قصیدہ کو صغریٰ (چھوٹا) اس لئے کہا ہے کہ میں نے اس سے ایک بڑا قصیدہ لکھا ہے جو سات سو پچاس اشعار پر مشتمل ہے اس میں ملتِ اسلامیہ کے اچھے اوصاف اور دوسری (موجودہ) ملتوں کے قبیح اوصاف بیان کئے ہیں نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں فریق میری عداوت اور اذیت میں متفق ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے شر سے محفوظ رکھا۔

میں نے اس خواب کا اشارہ ان اشرار کی طرف اس لئے سمجھا کہ اس خواب سے تین دن پہلے ان میں سے ایک شخص میرے گھر آیا اور ازراہ ہمدردی مجھے کہنے لگا کہ میں محمد عبدہ اور جمال الدین افغانی سے تعرض نہ کروں کیونکہ ان کی جماعت میرے قصیدہ کے سبب ناراض ہے اور مجھے اذیت دینا چاہتی ہے۔"[1]

---

[1] یوسف بن اسمٰعیل نبہانی علامہ: ضبط المدلالات لواضحات شرح دلائل الخیرات، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی مصر ۱۹۵۵ء، ص ۱۳۹

ان اقتباسات کے نقل کرنے سے مقصد یہ دکھانا ہے کہ علامہ نبہانی کس قدر راسخ العقیدہ تھے اور حق کی حمایت کرنے میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

حضرت علامہ نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کے ہم عصر تھے، یہ معلوم آپس میں ملاقات ہوئی یا نہیں البتہ امام احمد رضا بریلوی کی نادر روزگار تصنیف الدولۃ المکیہ پر علامہ نبہانی کی زوردار تقریظ موجود ہے، فرماتے ہیں :-

" سید عبدالباری سلمہ اللہ تعالیٰ (ابن سید امین رضوان مدنی) نے یہ کتاب الدولۃ المکیہ میرے پاس بھیجی میں نے اول سے آخر تک اس کا مطالعہ کیا اور اسے تمام دینی کتابوں میں بہت ہی نفع بخش اور مفید پایا اس کے دلائل بہت قوی ہیں جو جیسے امام اور علامہ اجل سے ہی ظاہر ہو سکتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے راضی رہے اور اپنی نوازشات سے انہیں راضی رکھے اور ان کی پاکیزہ امیدوں کو بر لائے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے توسل سے بارگاہِ الٰہی میں دعا ہے کہ وہ اس کتاب کے مصنف ایسے افراد زیادہ سے زیادہ پیدا فرمائے جو ائمۂ اعلام ہوں اسلام کے حامی ہوں کفار اور اہلِ بدعت کے رد میں مشغول رہیں، ایسے علماء عظیم مجاہد اور دین کی حدود کے محافظ ہیں[1] "۔

حضرت علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی قدس سرہ کا وصال بیروت میں ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۲ء ماہِ رمضان المبارک کی ابتداء میں ہوا، آپ کا آخر عمر تک یہ معمول رہا کہ باقاعدگی سے فرض ادا کرنے کے علاوہ کثرت سے نوافل ادا کرتے اور بارگاہ رسالت میں ہدیۂ درود وسلام پیش کرتے، عبادت اور اتباعِ سنت کا نور آپ کے چہرۂ مبارکہ پر جگمگاتا رہتا تھا[2]

---

[1] الدولۃ المکیہ مطبوعہ کراچی ص : ۲۷۸

[2] محمد حبیب اللہ بن مایابی الجکنی : مقدمہ شواہد الحق ص : ۱

حضرت حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرمایا:۔

"مجھے یقین ہے کہ حکیم ترمذی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکابر اولیاء میں سے تھے ان سے جو کچھ منقول ہوا اس کی دو ہی توجیہیں ہو سکتی ہیں:۔

۱۔ ان کے کسی مخالف یا اہلِ بیتِ کرام کا بغض رکھنے والے کسی شخص نے ان کی کتاب میں یہ اضافہ کر دیا ہے جیسا کہ بہت سے علماء و اولیاء کے ساتھ ایسا ہوا۔

۲۔ حضرت حکیم ترمذی غالی شیعوں کے قریب رہتے تھے جنہوں نے صرف اہلِ بیتِ کرام کی محبت کا التزام کر رکھا تھا اور بہت سے جلیل القدر صحابہ خصوصاً شیخین کریمین کی محبت ترک کر کے گمراہی اختیار کر رکھی تھی، حضرت حکیم ترمذی نے ان کا رد کیا اور بجوشِ تردید میں وہ کچھ کہہ دیا جو مذکور ہوا"

الشرف المؤبد تین مقاصد اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔

پہلا مقصد: آیۂ تطہیر، حدیثِ ثقلین اور حدیثِ امان کی تفسیر و تشریح میں۔

دوسرا مقصد: اہلِ بیتِ کرام کی فضیلتیں اور خصوصیات۔

تیسرا مقصد: ان کی محبت کا نفعِ عظیم اور ان کے بغض کا وبالِ شدید۔

خاتمہ: فضائلِ صحابہ میں کیونکہ بغضِ صحابہ کے ساتھ اہلبیتِ کرام کی محبت مفید نہیں۔

الشرف المؤبد کا عربی ایڈیشن مصطفےٰ البابی حلبی مصری کے اہتمام میں مطبع میمنیہ مصر سے ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء میں شائع ہوا تھا۔

مکرمی میاں زبیر احمد قادری رضا پبلیکیشنز لاہور نے رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ میں راقم الحروف سے اس کے ترجمہ کی فرمائش کی بحمدہ تعالےٰ فقیر نے اس کا ترجمہ کر دیا اور اس کا نام "برکاتِ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم" تجویز کیا، حواشی میں جا بجا اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کے اشعار درج کر دیئے ہیں چونکہ حضرت مصنف نے سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ اجمال کے ساتھ بیان کیا تھا اس لئے حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہٗ کی تصنیف

لطیف سوانح کربلا کا متعلقہ حصہ بھی شامل کر دیا گیا ہے۔

مولانا شاہ محمد قصوری نے اس کی کتابت کی، مولانا الحاج محمد منشا تابش قصوری اور کرمی دلبجا رشید محمود نے پروف ریڈنگ کی، ترجمہ، کتابت، تصحیح اور طباعت کے مراحل جس تیزی سے طے ہوئے ہیں اس سے بارگاہِ الٰہی میں اس کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مولائے کریم اس مجدہ الکریم ہم سب کے لئے اسے ذریعۂ نجات بنائے اور اہل اسلام کو اس کی برکتوں سے زیادہ سے زیادہ مالا مال فرمائے۔

محمد عبد الحکیم شرف قادری

رکن مجلس عاملہ پاکستان سنی رائٹرز گلڈ

جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

۴ ربیع الثانی ۱۴۰۰ھ

۲۱ فروری ۱۹۸۰ء

الشرف المؤبد لآلِ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم)

حضرت علامہ نبہانی قدس سرہ کی تمام تصانیف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبتِ صادقہ کی مظہر ہیں اسی لئے انہیں قبولیتِ عامہ دائمہ کی سند حاصل ہے "الشرف المؤبد" میں بھی یہ محبت و عقیدت پورے عروج پر دکھائی دیتی ہے۔

خود علامہ نے باعثِ تصنیف یہ بیان کیا کہ ۱۲۹۷ھ میں قسطنطنیہ میں بعض جہلاء نے اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بغض و عناد کا مظاہرہ کیا اور ان کے فضائل میں وارد آیات و احادیث کی تاویلیں شروع کیں، اسی اثناء میں انہیں حضرت محمد بن علی المشہور حکیم ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ (م ۲۵۵ھ) کی تصنیف نوادر الاصول مل گئی اس میں انہوں نے آیۂ تطہیر اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا کی تفسیر میں ایسے اقوال پیش کئے جن کا ظاہر جمہور علماء کے خلاف ہے انہوں نے کہا، اس آیت سے مراد امہات المومنین ہیں۔

نیز حدیث ثقلین اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَاَھْلَ بَیْتِیْ (الحدیث) کے متعلق کہا کہ یہ امر اہل بیت کے بارے میں ہے اور حدیث شریف اَلنُّجُوْمُ اَمَانٌ لِاَھْلِ السَّمَاءِ وَاَھْلُ بَیْتِیْ اَمَانٌ لِاَھْلِ الْاَرْضِ کے متعلق کہا کہ اس سے مراد ابدال ہیں اولاد اطہار مراد نہیں ہے۔[1]

اس صورت حال نے علامہ نبہانی کو بے چین کر دیا چنانچہ انہوں نے زیر نظر کتاب "الشرف المؤبد" تحریر فرمائی اور اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی عقیدت کا حق ادا کر دیا، اہلبیت کرام کے فضائل اور خواص بیان کئے اور مخالفین کے شکوک و شبہات کا قلع قمع کر دیا۔

---

[1] یوسف بن اسماعیل نبہانی، علامہ: الشرف المؤبد عربی ص ۴، ۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آلَ طٰہٰ یَا آلَ خَیْرِ نَبِیٍّ ‏ ‏ ‏ جَدُّکُمْ خِیْرَۃٌ وَاَنْتُمْ خِیَارُ

اَذْھَبَ اللّٰہُ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْـبَیْتِ قِدْمًا فَاَنْتُمُ الْاَطْھَارُ

لَمْ یَسَلْ جَدُّکُمْ عَلَی الدِّیْنِ اَجْرًا ‏ ‏ ‏ غَیْرَ وُدِّ الْقُرْبٰی وَنِعْمَ الْاِجَارُ

حُبُّکُمْ جَنَّـۃٌ لِکُلِّ فُؤَادٍ ‏ ‏ ‏ فِیْہِ حُبُّ الْاَصْحَابِ وَالْبُغْضُ نَارُ

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْکُمْ وَاَتَمَّ النُّــوْرَ فِیْکُمْ وَاِنْ اَبَی الْکُفَّارُ

(علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی قدس سرہٗ)

- اے حضرت طٰہٰ اور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آل پاک! آپ کے جدِ امجد بھی افضل ہیں اور آپ بھی افضل ہیں۔
- اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ نے آپ کو شروع ہی سے آلودگیوں سے محفوظ رکھا ہے لہٰذا آپ پاک اور صاف ہیں۔
- آپ کے جدِ امجد نے تبلیغ دین پر کچھ اجر طلب نہیں کیا البتہ رشتہ داروں کی محبت کا حکم دیا، بے شک آپ بہترین پناہ ہیں۔
- آپ کی محبت ہر مومن کے لئے گل و گلزار ہے جس میں صحابہ کی محبت ہے اور ان کا بغض آگ ہے۔
- اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو اور آپ میں نور مکمل فرمائے اگرچہ کفار انکار کریں۔

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا ‏ ‏ ‏ تو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانہ نور کا

جس مسلمان نے دیکھا انہیں اک نظر ‏ ‏ ‏ اس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام

(امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کو ہر پلیدی سے پاک کیا اور انہیں اپنی جناب سے بہت بڑی فضیلت عطا کی اور ارشاد فرمایا :-

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا۔

"اے اہلِ بیت ! اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے (ہر طرح کی) نجاست دور فرمائے اور تمہیں خوب پاکیزہ کر دے ۔"

صلوٰۃ وسلام نازل ہو ہمارے آقا و مولا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو بہترین قبیلے اور سب سے اعلیٰ کنبے سے مبعوث کئے گئے اور آپ کی شرافت و سیادت والی آل پاک اور آپ کے اصحابِ کرام پر جو امام و مقتدا ہیں ۔

فقیر یوسف بن اسمٰعیل نبہانی (اللہ تعالیٰ اس کی لغزشیں معاف فرمائے) کہتا ہے کہ امورِ دینیہ اور عقائدِ اسلامیہ میں سے اہم ترین عقیدہ یہ ہے کہ ہمارے آقا و مولا محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر فرشتے اور رسول سے افضل ہیں[1] اور آپ کے آباء تمام آباء سے اور آپ کی اولاد ہر اولاد سے اشرف و اعلیٰ ہے کیونکہ ان کا

[1] اس موضوع پر اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی کی تصنیف تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین ملاحظہ ہو۔

حسب ونسب نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے والبستہ ہے وہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہیں اور آپ ہی کی طرف منسوب ہیں اور تمام لوگوں سے زیادہ آپ کے (نسبی طور پر) قریب ہیں۔

اس میں بھی شک نہیں کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت ہر مسلمان پر فرض ہے خواہ وہ مقلد ہو یا مجتہد اور جس قدر یہ محبت کامل ہوگی، ایمان کامل ہوگا اور جس قدر یہ محبت ناقص ہوگی ایمان بھی ناقص ہوگا، جو شخص اس محبت کے بغیر ایمان کا دعویٰ کرے وہ بڑا جھوٹا اور منافق ہے، وہ حضرات جو نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے متعلق ہیں اور آپ سے نسبی رشتہ رکھتے ہیں مثلاً آپ کے آباءِ کرام اور آپ کی اولادِ امجاد ان کی محبت بھی آپ ہی کی محبت ہے۔

حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے آباءِ کرام کا زمانہ گزر گیا اور ان کے تذکرے باقی ہیں۔ اگر کوئی شخص حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی نسبت کے سبب ان سے محبت رکھے، اس کا دعویٰ مقبول ہے اور اس پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس کے دعوے کے باطل ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے اور اس کے دل کا معاملہ اللہ تعالےٰ کے سپرد کر دیا جائیگا۔

اولادِ اطہار اس امت کی برکت اور اس کے غموں کی سیاہی دور کرنے والی ہے لہٰذا ہر دور میں ان کی ایک جماعت موجود ہونی چاہیے جن کے طفیل اللہ تعالیٰ لوگوں سے بلائیں دور کرے، جس طرح ستارے آسمان والوں کے لئے باعثِ امن ہیں، اہلِ بیت زمین والوں کے لئے باعثِ امن ہیں، ان کا جو ہم زمان خوشنما الفاظ میں ان کی محبت کا دعوےٰ کرے اور اعمالِ صالحہ کے دلائل قائم نہ کرے تو اس کا دعویٰ فاسد ہے، باطل ہے اور زیورِ صحت سے عاری ہے، یہ بھی اس وقت ہے جب انہیں زبان وقلم سے اذیت نہ دے اور ہاتھ یا آنکھ سے ان کی تنقیص کی طرف

اشارہ نہ کرے اور اگر ایسی حرکتوں کے باوجود ان کی محبت کا دعوےٰ کرے تو وہ پاگل ہے اور اس کا دین وایمان فتنے کی زد میں ہے۔

باعثِ تصنیف

ایسی ہی صورتِ حال ۱۲۹۷ھ میں قسطنطنیہ میں جہلار کی ایک جماعت سے واقع ہوئی وہ لوگ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی آلِ پاک کی دشمنی کے کیچڑ میں لت پت ہیں، اپنی جہالت کی بنا پر معدنِ رسالت، مہبطِ وحی اور منبعِ حکمت اہلِ بیتِ نبوت کے فضائل میں وارد آیات واحادیث کی تاویل کرتے ہیں اور اپنی بیمار سمجھ اور مذموم رائے سے خلاف ظاہر پر محمول کرتے ہیں، اس کے باوجود ان کا گمان ہے کہ وہ اہلِ بیت کے محب اور عقیدت مند ہیں، انہیں خبر نہیں کہ وہ رسوائی کی ہر وادی میں سرگرداں ہیں۔

جب اللہ تعالےٰ نے ان کی گمراہی کی تکمیل کا ارادہ فرمایا تو انہیں حکیم ترمذی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب نوادر الاصول پر اطلاع بخشی جس میں انہوں نے آیہ کریمہ ا۔

اِنَّمَا یُرِیدُ اللّٰہُ لِیُذْہِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَہِّرَکُمْ تَطْہِیْرًا،

اور حدیث شریف :

اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَ اَھْلَ بَیْتِیْ،

اور حدیث شریف :

اَلنُّجُوْمُ اَمَانٌ لِاَھْلِ السَّمَآءِ وَاَھْلُ بَیْتِیْ اَمَانٌ لِاَھْلِ الْاَرْضِ،

کی تفسیر وتشریح ایسے اقوال سے کی ہے جن کا ظاہر جمہور علماء کے خلاف ہے، انہوں نے آیہ کریمہ کو ازواجِ مطہرات، امہات المؤمنینؓ کے ساتھ مختص قرار دیا اور جن مفسرین نے اس کے علاوہ تفسیر کی ان پر تشنیع کی، اس سے بھی زیادہ عجیب ان کا یہ دعویٰ ہے کہ پہلی حدیث، حدیثِ ثقلین میں اہلِ بیت سے مراد ائمہ اور فقہاءِ امت ہیں، اس سے بھی بڑھ کر عجیب وغریب بات یہ کہی کہ دوسری حدیث میں اہلِ بیت سے مراد ابدال ہیں نہ کہ اولادِ اطہار ان میں یہ فضیلت نہیں ہو سکتی۔

اگرچہ اس گفتگو کی نسبت اس امام کی طرف بعید ہے، غالب یہ ہے کہ یہ کسی مخالف کی الحاقی عبارت ہے، اگر بالفرض یہ ثابت ہو جائے کہ یہ سب کچھ انہوں نے ہی کیا ہے تو مجھے یقین ہے کہ ان کا مقصد اپنی کوشش کے مطابق احقاقِ حق تھا اور مجھے امید ہے کہ انہیں اس سبب سے عتاب لاحق نہیں ہوگا اور وہ اپنی نیک نیتی کی بنا پر ثواب سے محروم نہیں ہوں گے کیونکہ وہ امتِ مسلمہ کے رہنما اور مشہور امام ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے نفع پہنچائے، ممکن ہے انہوں نے جو کچھ کیا ہے اس کا کوئی معقول عذر ہو، دراصل کاتبِ تقدیر نے اسی طرح لکھا ہوا تھا، بہرحال جو کچھ ہونا تھا ہو چکا اور تقدیر کی اٹل تلوار چل چکی۔

ان رسوائے زمانہ لوگوں نے حضرتِ حکیم ترمذی کی عبارات کو حجت بنا کر اپنے کھوٹے سکے کو رائج کرنا اور اپنے فاسد عقائد کی عمدگی بیان کرنا شروع کردی اور ان عبارات کے بل بوتے پر اپنے عوام الناس بھائیوں کی مجلسوں میں بلند بانگ دعوے کرنے لگے اور یہ تأثر دینے لگے کہ اہلِ بیت کرام اور عام مسلمانوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جب ان کے مذموم عقائد عام ہوئے اور مخفی گمراہی کا راز طشت ازبام ہوا تو مجھے ساداتِ کرام میں سے ایک بزرگ ہستی نے ان کے باطل دعویٰ کی تردید اور ان کی کمزور بنیادوں کے استیصال کا حکم فرمایا جو میرے دلی جذبات کے

عین مطابق تھا۔

ان لوگوں کا دعویٰ واضح طور پر باطل ہے جس نے ایمان کی خوشبو بھی سونگھی ہے وہ بھی اس میں شک نہیں کرے گا، بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ باطل کے ابطال کی کیا ضرورت، یہ تو تحصیلِ حاصل ہے، در اصل یہ ناپسندیدہ امر ہے اور ناپسندیدہ امور کا انکار واجب اور مسلمانوں سے بدعت کا دور کرنا لازم ہے لہٰذا میں نے ائمہ اعلام کی کتابوں سے یہ کتاب جمع کی اور اس میں اہلِ بیتِ کرام کے فضائل سے متعلق کتاب وسنت اور سلف صالحین کے آثار کا کچھ حصہ نقل کیا صرف ان کے اقوالِ فاسدہ کے رد پر انحصار نہیں کیا تاکہ افادیت میں کوئی کمی نہ رہے، میں نے اس کا نام الشرف المؤبد لآلِ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم) رکھا۔ عرشِ کریم کے مالک سے دعا ہے کہ اس کتاب سے مجھے اور تمام مسلمانوں کو نفع عطا فرمائے اور مجھے قیامت کے دن حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی آلِ پاک کے محبین کے گروہ میں اٹھائے۔

اہلِ علم وفہم حضرات سے امید ہے کہ اس موضوع پر پوری طرح کلام نہ کرنے پر مجھے معذور رکھیں گے اور اگر انہیں کوئی لغزش دکھائی دے تو اسے دامنِ کرم سے ڈھانپ دیں گے کیونکہ قلمی لغزش سے کم ہی کوئی محفوظ رہتا ہے۔

میں نے یہ کتاب تین مقاصد اور ایک خاتمہ پر ترتیب دی ہے،

پہلا مقصد ایک آیت انما یرید اللہ اور دو حدیثوں انی تارک فیکم الثقلین اور اھل بیتی امان لامتی پر کلام جو اس کتاب کی ترتیب کا باعث ہے۔

دوسرا مقصد اہلِ بیتِ کرام کی وہ فضیلتیں اور شرفتیں جو اللہ تعالیٰ نے

صرف انہیں عطا فرمائی ہیں، کسی اور (امتی) کو نہیں دیں۔

تیسرا مقصد : اہل بیت کی محبت اور اس کا عظیم ثواب۔ ان سے عداوت اور اس کا خوفناک وبال۔

خاتمہ : صحابہ کرام کی فضیلت اور اس حقیقت کا اظہار کہ جب کسی صحابی کی دشمنی دل میں ہو تو اہل بیت کی محبت کچھ فائدہ نہ دے گی۔

پہلا مقصد

اوریہی ترتیبِ کتاب کا باعث ہے یعنی آیۂ تطہیر انما یرید اللّٰہ اور دو حدیثوں اِنِّی تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ اور اَھْلُ بَیْتِیْ اَمَانٌ لِاُمَّتِیْ کی تفسیر و توضیح ۔

اللہ تعالٰے کا ارشاد ہے :۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری رضی اللہ تعالٰے عنہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں :۔

"اے آلِ محمد! اللہ تعالٰے ارادہ فرماتا ہے کہ تم سے برائی اور فحش چیزوں کو دور رکھے اور تمہیں گناہوں کی میل کچیل سے پاک صاف رکھے"

ابو زید سے روایت ہے کہ اس رِجس سے مراد شیطان ہے ۔

امام ابنِ جریر طبری اپنی سند کے ساتھ حضرت سعید بن قتادہ سے راوی ہیں کہ انہوں نے فرمایا :

"اس آیت سے مراد اہلِ بیت ہیں جنہیں اللہ تعالٰے نے ہر برائی سے پاک کیا اور خصوصی رحمت سے نوازا ۔"

حضرتِ ابنِ عطیہ فرماتے ہیں :۔

" رجس کا اطلاق گناہ، عذاب، نجاستوں اور نقائص پر ہوتا ہے،
اللہ تعالیٰ نے یہ تمام چیزیں اہلِ بیت سے دور فرمادیں "

امام نووی نے فرمایا :-

" بعض نے رجس کا معنی شک لیا، بعض نے عذاب اور بعض نے
گناہ مراد لیے "

امامِ زہری نے فرمایا :-

" ناپسندیدہ چیز کو رجس کہتے ہیں خواہ وہ عمل ہو یا غیر عمل "

اس آیت میں اہل البیت سے مراد کون ہیں؟ اس سلسلے میں مفسرین کا اختلاف ہے، امام بغوی، خازن اور بہت سے دوسرے مفسرین کے مطابق ایک جماعت جنہیں حضرتِ ابو سعید خدری رضی اللہ تعالےٰ عنہ (صحابی) اور تابعین میں سے حضرتِ مجاہد و قتادہ رضی اللہ عنہم وغیرہم ہیں، اس طرف گئی ہے کہ اہلِ بیت سے مراد اہلِ عبا (چادر) ہیں یعنی نبی اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرتِ علی، حضرتِ فاطمہ، حضرتِ حسن اور حضرتِ حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہم۔

دوسری جماعت جس میں حضرتِ ابنِ عباس (صحابی) اور حضرتِ عکرمہ (تابعی) ہیں، کا موقف یہ ہے کہ اہلِ بیت سے مراد امہات المؤمنین ہیں کیونکہ ارشادِ ربانی یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ سے اِنَّ اللّٰہَ کَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا ؁ سلسلِ کلام ہے (جب یہ تمام کلام امہات المؤمنین سے متعلق ہے) تو درمیان میں ان سے غیر متعلق کلام کیسے آجائے گا؟

جو حضرات اہل بیتِ کرام مراد لیتے ہیں، انہوں نے جواب دیا کہ یہ استطراد اور اعتراض (جملہ معترضہ) ہے یعنی متناسب الاجزا رکلام کے درمیان اجنبی جملے کا آجانا جو کلامِ عرب میں عام واقع ہوتا رہتا ہے،

چند مثالیں ملاحظہ ہوں :-

۱- اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ

(بلقیس نے کہا) "بے شک بادشاہ جب کسی گاؤں میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تباہ کر دیتے ہیں اور وہاں کے معزز باشندوں کو ذلیل کر دیتے ہیں (اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وہ اسی طرح کرتے ہیں) اور میں انکی طرف تحفہ بھیجنے والی ہوں"

وکذٰلک یفعلون اللہ تعالےٰ کا کلام ہے جو جملہ معترضہ کے طور پر بلقیس کے کلام کے درمیان میں لایا گیا ہے۔

۲- فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ

"مجھے قسم ہے ستاروں کے غروب ہونے کی جگہوں کی اور بے شک یہ عظیم قسم ہے اگر تم جانو بتحقیق وہ قرآن کریم ہے"

اصل عبارت یوں ہے فلا اقسم بمواقع النجوم انہ لقراٰن، درمیانی حصہ جملہ معترضہ ہے اور وہ جملہ بھی اس طرح تھا وانہ قسم عظیم "لو تعلمون" معترضہ میں معترضہ ہے، قرآن عظیم اور کلام عرب میں اس کی مثالیں بہت ہیں۔

متعدد صحیح طریقوں سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ کے ساتھ حضرت علی، حضرتِ فاطمہ اور حضرات حسنین کریمین تھے، ان میں سے ہر ایک نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا، حضور کاشانۂ مبارک میں تشریف لائے حضرت علی اور حضرتِ فاطمہ کو قریب کیا اور اپنے سامنے بٹھایا اور حسنین کریمین کو ایک

ایک ران پر بٹھایا پھر ان پر چادر مبارک لپیٹی اور یہ آیت مبارکہ تلاوت کی :

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا

ایک روایت میں ہے :-

اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَآءِ اَهْلُ بَيْتِيْ فَاَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَ طَهِّرْهُمْ تَطْهِيْرًا

" اے اللہ! یہ میرے اہلِ بیت ہیں، ان سے نجاست دور رکھ اور اور انہیں خوب پاک فرما "

حضرتِ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، میں نے چادر اٹھائی تاکہ میں بھی ان کے ساتھ داخل ہو جاؤں تو حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے میرے ہاتھ سے چادر کھینچ لی، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں بھی آپ کے ساتھ ہوں تو آپ نے فرمایا : تم نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی ازواج میں سے خیر پر ہو۔

امام احمد اور امامِ طبرانی نے حضرتِ ابو سعید خدری رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا : یہ آیت پنجتن پاک کے بارے میں نازل ہوئی، میرے بارے میں علی حسنین کریمین اور فاطمہ کے بارے میں (رضی اللہ تعالےٰ عنہم)

متعدد حسن اور صحیح طریقوں سے مروی ہے کہ حضرتِ انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے نزول کے بعد صبح کی نماز کے لئے تشریف لے جاتے ہوئے حضرتِ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے کاشانۂ مبارکہ کے پاس سے گزرتے تو فرماتے :

اَلصَّلٰوةَ اَهْلَ الْبَيْتِ " اے اہلِ بیت! نماز پڑھو "

پھر آیۂ کریمہ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ تلاوت فرماتے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس آیت کے نازل ہونے کے بعد چالیس صبح تک حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کے دروازے پر تشریف لاتے اور فرماتے:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلصَّلٰوۃَ یَرْحَمُکُمُ اللّٰہُ

"اے اہلِ بیت! تم پر اللہ تعالٰی کی سلامتی، رحمت اور برکت ہو، نماز پڑھو، اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے۔"

پھر آیتِ مبارکہ انما یرید اللّٰہ تلاوت فرماتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ سات ماہ یہ معمول جاری رہا، ایک روایت میں آٹھ ماہ ہے اور یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے تصریح ہے کہ اس آیت میں اہلِ بیت سے مراد پنجتن ہیں۔

اس گروہ کا کہنا ہے کہ اگر امہات المؤمنین مراد ہوں تو لیذھب عنکم اور ویطھرکم مذکر کی ضمیریں نہ لائی جائیں بلکہ لیذھب عنکن ویطھرکن (مؤنث کی ضمیر کے ساتھ) کہا جاتا۔

جواب (پہلے گروہ کی طرف سے یہ ہے کہ) مذکر کی ضمیر لفظ اہل (اہل البیت) کے اعتبار سے ہے کیونکہ لفظ اہل مذکر ہے اسی لئے فرمایا عنکم اور یطھرکم۔

جمہور علماء فرماتے ہیں کہ آیتِ مبارکہ میں اہلِ بیت سے دونوں گروہ (امہات المؤمنین اور اولادِ اطہار) مراد ہیں تاکہ تمام دلائل پر عمل ہو جائے[1]

---

[1] حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ فرماتے ہیں: "خلاصہ یہ کہ دولت

مقریزی نے کہا اللہ تعالٰے کا ارشاد عنکم اور یطھرکم جمہور کی دلیل ہے اگر صرف امہات المؤمنین مراد ہوتیں تو عنکن اور یطھرکن فرمایا جاتا۔

ابنِ عطیہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ مجھے سمجھ آیا ہے وہ یہ ہے کہ امہات المؤمنین اس سے قطعاً خارج نہیں ہیں، اہلِ بیت امہات المؤمنین، حضرتِ فاطمہ، ان کے صاحبزادے (حسنین کریمین) اور شوہر حضرتِ علی، رضوان اللہ تعالٰے عنہم ہیں۔

امامِ نسفی فرماتے ہیں :۔

"اس میں دلیل ہے کہ امہات المؤمنین اہلِ بیت میں سے ہیں، عنکم اور یطھرکم میں مذکر کی ضمیر اس لئے استعمال کی کہ آل سے مراد مرد اور عورتیں دونوں ہیں"

یہی زمخشری، علامہ بیضاوی اور ابو السعود کا مختار ہے، معالم التنزیل میں بھی اسی طرح ہے۔

حضرتِ ام سلمہ رضی اللہ تعالٰے عنہا کی روایت میں ہے کہ میں نے عرض کی یارسول اللہ کیا میں ان میں سے نہیں ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں تم بھی ان میں سے ہو!

امام فخر الدین رازی نے کسی قدر گفتگو کے بعد فرمایا :۔

"اللہ تعالٰے نے عورتوں کو مخاطب فرمانے کے بجائے مردوں کا خطاب استعمال فرمایا لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ تاکہ اس میں

سرائے اقدس میں سکونت رکھنے والے اس آیت میں داخل ہیں کیونکہ وہی اس کے مخاطب ہیں چونکہ اہلِ بیتِ نسب کا مراد ہونا مخفی تھا اس لئے آں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس فعلِ مبارک سے بیان فرمادیا کہ مراد اہلِ بیت سے عام ہیں خواہ بیتِ مسکن کے اہل ہوں جیسے کہ ازواج یا بیتِ نسب کے اہل بنی ہاشم و مطلب ؛" (سوانح کربلا، مطبوعہ کراچی، ص ۴۹)

اہلِ بیت کے مرد اور عورتیں سب ہی داخل ہو جائیں۔ اہلِ بیت کے بارے
میں مختلف اقوال ہیں، بہتر یہ ہے کہ اہلِ بیت نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ
علیہ وسلم کی اولاد اور ازواج ہیں، حسنین کریمین انہی میں سے ہیں حضرت
علی بھی انہی میں سے ہیں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی صاحبزادی
کے ساتھ یکجا رہنے اور حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے گھر سے تعلق
کے سبب وہ اہلِ بیت میں سے ہیں۔"

امام ابنِ جریر نے اپنی تفسیر میں پندرہ مختلف روایتوں سے بیان کیا کہ آیت
میں اہلِ بیت سے مراد نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم، حضرتِ علی، حضرتِ فاطمہ اور
حضراتِ حسنین کریمین رضی اللہ تعالےٰ عنہم ہیں، بعد میں ایک روایت ذکر کی کہ ازواجِ
مطہرات مراد ہیں۔

میں نے امامِ جلیل خاتمۃ الحفاظ جلال الدین سیوطی کی تفسیر درِ منثور دیکھی جس میں
انہوں نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ابتداءً تین روایتیں بیان کی ہیں جن سے پتا
چلتا ہے کہ اس آیت میں اہلِ بیت سے مراد ازواجِ مطہرات ہیں، بعد میں مختلف
سندوں سے بیس روایتیں بیان کیں کہ اہلِ بیت سے مراد نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ
علیہ وسلم، حضرتِ علی مرتضیٰ، حضرتِ فاطمۃ الزہرا اور حسنین کریمین رضی اللہ تعالےٰ
عنہم ہیں۔

پہلی روایت ابنِ جریر، ابنِ منذر، ابن ابی حاتم، طبرانی اور ابنِ مردویہ نے
ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے بیان کی کہ نبی اکرم صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے گھر میں جائے استراحت پر تشریف فرما تھے، آپ نے خیبر کی
بنی ہوئی چادر زیبِ تن کی ہوئی تھی، اتنے میں حضرتِ فاطمہ ایک ہنڈیا لائیں جس میں
خزیرہ (قیمہ اچھی طرح پکا کر اس میں آٹا ڈال کر پکایا جاتا ہے) تھا، رسول اللہ صلی اللہ

تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے شوہر (حضرتِ علی) اور اپنے صاحبزادوں حضرات حسن و حسین (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) کو بلاؤ۔ حضرتِ خاتون جنت نے انہیں بلایا، وہ ابھی تناول فرما ہی رہے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر آیہ تطہیر نازل ہوئی اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ان سب کو چادر سے ڈھانپ لیا۔ اور دستِ مبارک باہر نکال کر آسمان کی طرف اٹھائے اور دعا کی :

" اے اللہ! یہ میرے اہلِ بیت اور حمایتی ہیں، ایک روایت میں ہے " وخاصتی " میرے خواص ہیں ان سے پلیدی دور رکھو اور انہیں پاک صاف فرما، یہ کلمات تین دفعہ کہے "

حضرتِ ام سلمہ فرماتی ہیں میں نے چادر اٹھا کر اپنا سر داخل کر لیا اور عرض کی یارسول اللہ! میں بھی آپ کے ساتھ ہوں تو آپ نے دو مرتبہ فرمایا :-

اِنَّکِ عَلٰی خَیْرٍ

" تم بھلائی پر ہو "

دوسری روایت امام ابن ابی شیبہ، امام احمد، امام مسلم، امام ابن جریر ابن ابی حاتم اور حاکم حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ایک صبح سیاہ بالوں کی گرم چادر زیبِ تن فرمائے ہوئے باہر نکلے، اتنے میں حضرات حسنین کریمین تشریف لے آئے، حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے انہیں اپنے ساتھ چادر میں داخل فرما لیا، پھر حضرت فاطمۃ الزہراء تشریف لائیں، انہیں اپنے ساتھ داخل کر لیا پھر حضرت علی مرتضیٰ تشریف لائے انہیں بھی اپنے ساتھ داخل فرما لیا پھر فرمایا :

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ

اَهۡلَ الۡبَيۡتِ وَ يُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِيۡرًا۔

تیسری روایت ابن ابی شیبہ، امام احمد، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، طبرانی، حاکم (انھوں نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا) اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرتِ واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی کہ رسولِ اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم حضرتِ فاطمۃ الزہرار کے ہاں تشریف لائے، آپ کے ساتھ حضرتِ علی اور حضرتِ فاطمہ کو اپنے سامنے قریب بٹھایا اور حضرات حسنین کریمین کو اپنی آغوش میں بٹھالیا، پھر ان سب کو دامنِ رحمت میں لے کر آیۂ تطہیر پڑھی انما یرید اللّٰہ الاٰیۃ اور دعا کی :۔

"اے اللہ! یہ میرے اہلِ بیت ہیں، ان سے پلیدی دور رکھاؤ انہیں پاک صاف فرمادے۔"

حضرتِ واثلہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں بھی آپ کے اہل میں سے ہوں، حضور نے فرمایا ہاں تم بھی میرے اہل میں سے ہو (حضرتِ واثلہ فرماتے ہیں) میرے لئے یہ امید کی بہت بڑی بات ہے۔

امامِ واحدی نے اپنی کتاب اسبابِ نزول میں اختلاف ذکر کیا ہے، اور دونوں طرح کی روایتیں بیان کی ہیں، ابتداءً انہوں نے یہ دو روایتیں نقل کی ہیں:۔

۱۔ عطیہ حضرتِ ابوسعید رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آیۂ تطہیر پنجتن کے بارے میں نازل ہوئی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرتِ علی، حضرتِ فاطمہ اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

۲۔ حضرت عطار بن ابی رباح فرماتے ہیں مجھے اس شخص نے بیان کیا جس نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے سنا اور پھر درمنثور کی سابقہ روایت بیان کی۔

پھر امام واحدی نے دو اور روایتیں بیان کیں کہ یہ آیت ازواجِ مطہرات کے حق میں نازل ہوئی، انہوں نے اپنی تفسیر میں تمام روایات پر عمل کرتے ہوئے اس آیت کو ہر دو فریق کی جامع قرار دیا۔

امام نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ یہ آیت فریقین کو شامل ہے اور تمام روایات بیان کیں البتہ حضرتِ ام سلمہ کی روایت میں ہے و انا منھم میں بھی ان میں سے ہوں تو فرمایا ہاں (تم بھی اہلِ بیت میں سے ہو) پھر حضرتِ مقاتل کا ارشاد نقل کیا کہ ازواجِ مطہرات اس آیت کے حکم میں داخل ہیں اور جب کسی جگہ مرد و زن اکٹھے ہو جائیں تو مذکر کو مؤنث پر غلبہ دیا جاتا ہے اسی لئے ارشاد فرمایا عنکم اور یطہرکم (یعنی مذکر کی ضمیر استعمال کی)۔

امام مقریزی نے فرمایا کہ مجھے جو کچھ سمجھ میں آسکا ہے، یہ ہے کہ یہ آیت تمام اہلِ بیت ازواجِ مطہرات اور ان کے ماسوا کو شامل ہے، یطہرکم میں مذکر کی ضمیر اس لئے استعمال کی کہ نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم، حضرتِ علی اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالےٰ عنہم ان میں داخل ہیں اور جب مذکر اور مؤنث کا اجتماع ہو تو مذکر غالب ہوتا ہے، ازواجِ مطہرات کا اہلِ بیت میں سے ہونا تو کلام کے سیاق و سباق ہی سے معلوم ہو رہا ہے۔

پھر امام نیشاپوری نے فرمایا حضرتِ ام سلمہ کی حدیث روایت کی گئی ہے فرماتی ہیں، میں نے اپنا سر چادر میں داخل کیا اور عرض کیا میں بھی ان میں سے ہوں، فرمایا ہاں۔

علامہ ابن حجر مکی الصواعق المحرقہ میں فرماتے ہیں:-

"آیت میں بیت سے مراد عام ہے جو بیتِ نسب اور بیتِ سکونت دونوں کو شامل ہے لہٰذا یہ آیت ازواجِ مطہرات کو بھی شامل ہے کہ وہ حضور کے کاشانۂ مبارکہ میں رہنے والی ہیں اور ذریتِ طاہرہ کو بھی شامل

ہے کہ وہ بیتِ نسب یعنی خاندان میں داخل ہیں)

امامِ ثعلبی نے فرمایا بعض حضرات نے کہا وہ بنو ہاشم ہیں، اس کی بنیاد یہ ہے کہ بیت سے مراد بیتِ نسب ہے لہذا حضرتِ عباس اور حضور صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے دوسرے (مسلمان) چچا اور چچا زاد بھائی اہلِ بیت میں سے ہوں گے، یہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالٰے عنہ کا قول ہے جیسا کہ تفسیر خازن وغیرہ میں ہے۔

اس سے بھی عام وہ ہے جو علامہ خطیب نے اپنی تفسیر میں فرمایا، وہ فرماتے ہیں:

" اہلِ بیت میں اختلاف ہے اور بہتر وہ ہے جو امام بقاعی نے فرمایا کہ اہلِ بیت وہ تمام حضرات ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم سے خصوصی وابستگی رکھتے ہیں، مرد، عورتیں، ازواجِ مطہرات، کنیزیں اور قریبی رشتہ داران میں سے جو انسان اقرب ہوگا اور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے خاص ربط اور تعلق رکھنے والا ہوگا وہ مراد ہونے کے زیادہ لائق ہے۔"

جب تو نے یہ جان لیا تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ جمہور مفسرین کے نزدیک آیتِ تطہیر اہلِ عبا اور امہات المؤمنین رضی اللہ تعالٰے عنہم اجمعین دونوں فریقوں کو شامل ہے۔

امام العارفین، شیخ الصوفیہ شیخ اکبر سیدی محی الدین ابن العربی رضی اللہ تعالٰی عنہ فتوحاتِ مکیہ کے انتیسویں باب میں فرماتے ہیں :-

" چونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عبدِ خالص ہیں، اللہ تعالٰے نے آپ کو اور آپ کے اہلِ بیت کو پاک صاف رکھا اور ان سے ہر عیب کو دور فرمایا کیونکہ عرب کے نزدیک رجس ہر عیب والی اور ناپسندیدہ چیز کو کہتے ہیں، اسی طرح فراء نے بیان کیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا لہٰذا ضروری ہے کہ ان کی طرف صرف وہی منسوب ہو جو پاک کیا گیا ہو کیونکہ ان کی طرف منسوب وہی ہے جو ان کے مشابہ ہے تو وہ اپنی طرف صرف اسی کو منسوب کریں گے جسے طہارت و تقدیس کا حکم حاصل ہوگا۔

بارگاہِ رسالت سے حضرتِ سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے یہ طہارت، حفاظتِ الٰہیہ اور تقدس کی گواہی ہے کہ ان کے بارے میں ارشاد فرمایا سلمان ہم میں سے، اہلِ بیت میں سے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اہلِ بیت کے لئے تطہیر اور پلیدی کے دور کرنے کی گواہی دی ہے اور جب ان کی طرف مقدس اور مطہر ہی منسوب ہو سکتا ہے اور اسے محض نسبت کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت حاصل ہے تو خود اہلِ بیت کے بارے میں تمہارا کیا گمان ہوگا، وہ تو مطہر ہیں بلکہ سراپا طہارت ہیں۔

پس یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بیت کو لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ شریک فرمایا ہے، گناہوں سے بڑھ کر کونسی میل کچیل ہو سکتی ہے؟ پس اللہ تعالیٰ نے مغفرت کے ذریعے اپنے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر اس چیز سے پاک رکھا جو ہمارے لحاظ سے گناہ ہے، اگر وہ چیز نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صادر ہو تو وہ حقیقۃً نہیں، محض صورت کے اعتبار سے ذنب ہوگی کیونکہ اس چیز پر نہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مذمت لاحق ہوگی اور

نہ شرعاً ہماری طرف سے، اگر اس کا حکم وہی ہوتا جو ذنب کا ہوتا ہے تو اس پر وہی مذمت لاحق ہوتی جو گناہ پر ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا صادق نہ رہتا۔

پس قیامت تک ساداتِ کرام، حضرتِ فاطمۃ الزہراء کی اولاد رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور جو اہلِ بیت میں سے ہے مثلاً حضرتِ سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کے حکمِ مغفرت میں داخل ہے پس وہ نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شرافت اور آپ پر اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی کی بدولت مقدس ومطہر ہیں، یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل وکرم ہے۔

اہلِ بیت کے لئے اس شرافت کا حکم آخرت میں ظاہر ہوگا کیونکہ وہ بخشے ہوئے اٹھائے جائیں گے، دنیا میں اگر ان میں سے کوئی لاحقِ حد جرم کرتا ہے تو اس پر حد جاری کی جائے گی جیسے کہ زانی یا چور یا شرابی نے حاکم کے پاس مقدمہ پہنچنے کے بعد توبہ کرلی مثلاً حضرتِ ماعز یا ان جیسے دیگر افراد تو اگرچہ اسے مغفرت حاصل ہے مگر اس پر حد جاری کی جائے گی، اس کی مذمت اور برائی جائز نہیں ہے۔

ہر مسلمان جو اللہ تعالیٰ اور اس کے نازل کردہ تمام امور پر ایمان رکھتا ہے اسے اس آیت کی بھی تصدیق لازم ہے لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا اور اہلِ بیت سے صادر ہونے والے تمام امور کے بارے میں اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرمادیا ہے لہٰذا کسی مسلمان کو

اور جب حضرتِ سلمان فارسی کے بارے میں صحیح حدیث وارد ہے تو
ان کے لئے بھی یہی درجہ ہے کیونکہ اگر حضرتِ سلمان فارسی کسی ایسے
امر کے مرتکب ہوں جسے ظاہر شریعت تشنیع قرار دیتی ، اور اس کے
کرنے والے کی مذمت کرتی ، تو اہلِ بیت کی طرف ایک ایسا شخص
بھی منسوب ہو جائے گا جس سے پلیدی دور نہیں کی گئی تو (معاذاللہ)
اہلِ بیت کے لئے بھی اس منسوب کی مقدار میں پلیدی ہو گی حالانکہ ان کا
مقدس و مطہر ہونا نص سے ثابت ہے۔"

(شیخِ اکبر کا کلام ختم ہوا)

شیخ اکبر نے تصریح فرما دی کہ قیامت تک ساداتِ کرام، اولادِ فاطمہ
رضی اللہ تعالےٰ عنہم اور ان کے موالی مثلاً حضرتِ سلمان فارسی رضی اللہ تعالےٰ عنہ
اس آیت کے حکم مغفرت میں داخل ہیں پس نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی فضیلت
اور آپ پر اللہ تعالےٰ کی خصوصی عنایت کی بدولت وہ پاک ہیں، اللہ تعالےٰ نے
خاص طور پر انہیں یہ اعزاز عطا فرمایا ہے، شیخ اکبر صوفیاء کے امام ہیں اور ان کا
ارشاد حجت کی حیثیت رکھتا ہے۔

ائمہ اعلام کے مذکورہ ارشادات کے بعد تو نوادر الاصول میں حکیم ترمذی
رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے قول کے ظاہر پر توجہ نہ دے جسے بعض جاہل اور رسوا لوگوں نے
اس امر کی دلیل بنایا ہے کہ آیتِ تطہیر اہلِ عبا کو شامل نہیں ہے ، ذیل میں انکی عبارت
نقل کی جاتی ہے، انہوں نے پہلے گمراہ اور مبتلائے فتنہ گروہ پر تشنیع کی اور میرا گمان
ہے کہ انہوں نے غالی شیعہ پر رد کیا ہے، پھر فرمایا :-

" اس گروہ نے آیتِ مبارکہ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ
عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا

کا مطلب یہ لیا کہ اہلِ بیت حضرتِ علی، حضرتِ فاطمہ اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں اور یہ آیت خاص ان کے لئے ہے حالانکہ اس خطاب سے پہلے اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ (تا) اَجْرًا عَظِیْمًا، پھر فرمایا یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ (تا) اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ، پھر فرمایا وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ یہ کلام ایک دوسرے کے ساتھ متصل اور مسلسل ہے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ پہلے اور پیچھے خطابات تمام ازواجِ مطہرات کے لئے ہوں اور درمیان میں کسی اور کے لئے خطاب ہو حالانکہ یہ کلام ایک ہی طریقے اور ایک ہی انداز پر ہے کیونکہ پہلے فرمایا لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ اس کے بعد فرمایا بُیُوْتِکُنَّ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ دوسرا کاف (بیوتکن) ازواجِ مطہرات کو خطاب ہو اور پہلا کاف (لیذھب عنکم) حضرتِ علی اور حضرتِ فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہما کے لئے خطاب ہو ان آیات میں ان کا ذکر ہی کہاں ہے؟

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ پھر عنکن (مونث کی ضمیر کے ساتھ) کیوں نہیں فرمایا عنکم (مذکر کی ضمیر کے ساتھ) کیوں فرمایا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مذکر کی ضمیر اس لئے لائی گئی ہے کہ یہ ضمیر اھل کی طرف راجع ہے اور لفظِ اہل مذکر ہے وہ اگرچہ مونث ہے لیکن ان کے لئے مذکر کی ضمیر استعمال فرمائی گئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ کی خدمت میں حضرتِ علی، حضرتِ فاطمہ اور

حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم حاضر ہوئے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چادر مبارک لی اور ان سب کے گرد لپیٹ دی پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ یہ میرے اہل ہیں، ان سے پلیدی دور رکھ اور انہیں پاک صاف فرما تو ان کے لئے یہ دعا، آیت نازل ہونے کے بعد ہے، آپ نے اس بات کو پسند کیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی اس آیت میں داخل فرما دے جس کے ساتھ ازواجِ مطہرات (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو خطاب کیا گیا ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ حضرت حکیم ترمذی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ کلام قابل قبول نہیں ہے، اس اعتبار سے نہیں کہ انہوں نے آیتِ مبارکہ کو ازواجِ مطہرات کے ساتھ مختص قرار دیا ہے کیونکہ اس میں تو دیگر ائمہ بھی ان کے ساتھ شریک ہیں اگرچہ وہ قلیل ہیں بلکہ اس اعتبار سے کہ اس آیت کو حضرتِ فاطمہ، حضرتِ علی اور حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مختص ماننے والوں پر شدید تشنیع کی ہے، اگر ان کی مراد غالی شیعہ ہیں جیسا کہ ان کے بیان کردہ مذموم اوصاف سے اندازہ ہوتا ہے اور ان کے بارے میں حسنِ ظن کا بھی یہی تقاضا ہے تو کوئی حرج نہیں، لیکن اس قول کی نسبت صرف غالی شیعہ کی طرف کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ صحابہ میں سے حضرتِ ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تابعین میں سے حضرتِ قتادہ اور مجاہد اس کے قائل ہیں اور مجاہد وہ ہیں جن کے متعلق امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب تجھے حضرتِ مجاہد کی تفسیر پہنچے تو وہی تیرے لئے کافی ہے۔

حضرتِ حکیم ترمذی کی عبارت میں غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ انہوں نے ان لوگوں پر بھی شدتِ غضب کا اظہار کیا ہے جو کہتے ہیں کہ آیتِ مبارکہ دونوں فریقوں

اہلِ عبار اور ازواجِ مطہرات کو شامل ہے حالانکہ ملبسین سے ترجمان چکے ہو کہ اہلسنت وجماعت کے جمہور مفسرین کا یہی مذہب ہے۔

آیۂ تطہیر کے دونوں فریقوں کو شامل ہونے کی ایک مناسب دلیل میرے ناقص ذہن میں آئی ہے اور وہ یہ کہ میں نے اس آیت کے ماقبل اور مابعد میں قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا (۲۸) وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِىْ بُيُوْتِكُنَّ غور کیا تو میں نے بائیس جگہ جمع مونث کی ضمیر پائی، بیس جگہ اس آیت سے پہلے اور دو جگہ اس کے بعد اور جمع مذکر کی ضمیر صرف دو جگہ ہے عنکم اور یطہرکم اگر صرف ازواجِ مطہرات مراد ہوتیں تو ان دو ضمیروں کا بائیس ضمیروں کے مطابق لانا بہتر ہوتا تاکہ کلام ایک طریقے پر ہو جائے یہ دو ضمیریں باقی ضمیروں سے مختلف صرف اس لئے ہیں کہ ان کی مراد باقی ضمیروں کی مراد سے مختلف ہے اور وہ اس طرح کہ یہ ازواجِ مطہرات کے ساتھ ساتھ اہلِ عبار کو بھی شامل ہیں جیسا کہ حدیث شریف سے ظاہر ہے۔

رہا یہ امر کہ لفظ اہل مذکر ہے تو اس کا زیادہ سے زیادہ مقتضٰی یہ ہے کہ لفظِ اہل کے اعتبار سے ضمیر مذکر لائی جاسکتی ہے جیسے کہ معنی کے اعتبار سے مؤنث کی ضمیر لائی جاسکتی ہے، اس جگہ جانب معنی کو ترجیح ہے کیونکہ ان دو ضمیروں سے پہلے اور پیچھے مونث کی ضمیریں لائی گئی ہیں۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر تانیث کی بجائے تذکیر کو اختیار کرنے کا کوئی اور ہی سبب ہوگا اور وہ یہ ہے کہ اہلِ عبار بھی اس خطاب میں داخل ہیں اور اہل میں اس معنی کے لحاظ سے داخل ہیں جس پر نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ناقابلِ تاویل نص فرمائی اور وہ یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاۤءِ اَهْلُ بَيْتِىْ فَاَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيْرًا۔

وہ حدیث جو اہلِ عبا کے داخل ہونے پر نص ہے، نقل کرنے کے بعد حکیم ترمذی نے عبارتِ سابقہ کے آخر میں کہا :-

"آیت کے نازل ہونے کے بعد یہ دعا ان کے لئے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے، آپ نے اس امر کو پسند کیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس آیت میں داخل فرما دے جس سے ازواجِ مطہرات کو خطاب کیا گیا ہے۔"

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے آیتِ تطہیر میں داخل نہیں فرمایا، نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآنِ پاک کی آیت میں ان کے داخلے کو کس طرح محبوب رکھیں گے؟

ہم یہ نہیں کہتے کہ آیت سے مراد صرف اہلِ عبا ہیں بلکہ اہلِ عبا ازواجِ مطہرات سمیت ہیں، اس پر واضح طور پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو ابنِ جریر، ابنِ منذر، ابنِ ابی حاتم طبرانی اور ابنِ مردویہ نے حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی، یہ روایت علامہ سیوطی کی تفسیر درِ منثور کے حوالے سے گزر چکی ہے اور وہ یہ ہے :-

"رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرتِ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں جائے استراحت پر تشریف فرما تھے، آپ نے خیبر کی بنی ہوئی چادر زیبِ تن کی ہوئی تھی، اتنے میں حضرتِ فاطمہ ایک ہنڈیا لائیں جس میں خزیرہ (قیمہ اچھی طرح پکا کر اس میں آٹا ڈال کر پکاتے ہیں) تھا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے شوہر (حضرتِ علی) اور اپنے صاحبزادوں حضرات حسنین کریمین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو بلاؤ، حضرتِ خاتونِ جنت نے انہیں

بلایا وہ ابھی تناول فرما ہی رہے تھے کہ آیتِ تطہیر نازل ہوئی اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ، نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سب کو چادر سے ڈھانپ لیا اور دستِ مبارک باہر نکال کر آسمان کی طرف اٹھائے اور دعا کی :

اے اللہ! یہ میرے اہلِ بیت اور حمایتی ہیں ، ایک روایت میں ہے میرے خواص ہیں ، ان سے پلیدی دور فرما اور انہیں پاک صاف فرما ، یہ کلمات تین مرتبہ کہے ،

حضرتِ ام سلمہ فرماتی ہیں میں نے پردہ اٹھا کر اپنا سر داخل کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں بھی آپ کے ساتھ ہوں ، فرمایا تم بھلائی پر ہو تم بھلائی پر ہو "

اس روایت سے پتا چلتا ہے کہ آیتِ تطہیر اہلِ عبا کے ساتھ خاص ہے ہاں امام بغوی نے معالم التنزیل میں حضرتِ ام سلمہ کی روایت میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں ان میں سے نہیں ہوں؟ فرمایا ہاں (تم ان میں سے ہو) امام مقریزی نے ان کی ایک روایت میں کہا :

"میں نے کہا میں بھی ان میں سے ہوں؟ تو فرمایا ہاں"

یہ دو روایتیں آیت کے ماقبل اور مابعد کے ساتھ دلالت کرتی ہیں کہ ازواجِ مطہرات بھی مرادِ آیت میں داخل ہیں ، اس وقت آیتِ تطہیر فریقین کو شامل ہوگی جیسے کہ جمہور مفسرین کا مذہب ہے ۔

تفصیلِ سابق سے ظاہر ہو گیا کہ آیتِ مبارکہ میں اہلِ بیت سے کون مراد ہیں؟ اس میں پانچ قول ہیں :-

۱۔ آیت فریقین کو شامل ہے، یہ جمہور کا قول ہے اور اسی پر اعتماد ہے۔

۲۔ اہلِ بیت سے مراد صرف اہلِ عبا ہیں، یہ صحابہ سے حضرتِ ابوسعید خدری اور تابعین میں سے حضرتِ مجاہد و قتادہ کا قول ہے۔

۳۔ صرف ازواجِ مطہرات مراد ہیں، یہ صحابہ میں سے حضرتِ ابن عباس اور تابعین میں سے حضرتِ عکرمہ کا قول ہے۔

۴۔ علامہ ابنِ حجر نے صواعقِ محرقہ میں ثعلبی سے نقل کیا کہ بنو ہاشم مراد ہیں اس بنا پر کہ بیت سے مراد بیتِ نسب ہے لہذا حضرتِ عباس اور دیگر چچا اور چچازاد بھائی بھی ان میں داخل ہوں گے، خازن میں ہے کہ یہ حضرت زید بن ارقم کا قول ہے۔

۵۔ خطیبِ شربینی نے بقاعی سے نقل کیا اور کہا کہ یہ اولیٰ ہے کہ اہلِ بیت وہ مرد، عورتیں، ازواج، کنیزیں اور قریبی رشتہ دار ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خصوصی تعلق رکھتے ہیں، ان میں سے جو انسان نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زیادہ قریب ہوگا اور خصوصی وابستگی رکھتا ہوگا، وہ مراد ہونے کے زیادہ لائق ہے۔

آیتِ مبارکہ میں تفصیلی کلام کرنے اور علمائے امت کے ارشادات نقل کرنے کے بعد ہم زیرِ بحث دو حدیثوں پر کلام کرتے ہیں۔

فصل

حدیثِ ثقلین پر گفتگو

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ یزید بن حبان فرماتے ہیں، حصین بن سبرہ اور عمرو بن مسلم حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب ہم بیٹھ گئے تو حصین نے عرض کیا اے زید! آپ نے بڑی بھلائی پائی ہے، آپ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی زیارت کی، آپ کی حدیث سنی، آپ کے ہمراہ جہاد کیا اور آپ کے پیچھے نماز پڑھی، آپ کو بہت بڑی فضیلت عطا کی گئی ہے، ہمیں نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے سنی ہوئی حدیث بیان فرمایئے، انہوں نے فرمایا :-

" رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ہمارے درمیان خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے، اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا کی، ہمیں پند و نصیحت فرمائی پھر فرمایا :

اے لوگو! میں انسان ہوں، قریب ہے کہ میرے رب کا بھیجا ہوا آئے اور میں اس کی اجابت کروں، میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، ان میں سے پہلی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور نور ہے، تم اسے لازم پکڑو اور مضبوطی سے تھام لو، قرآن پاک کے بارے میں ابھارا اور رغبت دلائی، پھر فرمایا (دوسری چیز) میرے اہلِ بیت ہیں، میں تمہیں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں خدا کی یاد دلاتا ہوں (دو دفعہ فرمایا) حصین نے حضرتِ زید سے عرض کیا، اہلِ بیت کون ہیں؟ ازواجِ مطہرات

اہلِ بیت نہیں؟ انہوں نے فرمایا وہ اہلِ بیت میں سے ہیں لیکن اہلِ بیت وہ ہیں جن پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد صدقہ حرام ہے انہوں نے پوچھا وہ کون ہیں؟ فرمایا حضرتِ علی، عقیل، جعفر اور حضرتِ عباس کی آل، انہوں نے پوچھا ان سب پر صدقہ حرام ہے؟ فرمایا ہاں۔"

امام مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے :-

"ہم نے عرض کیا اہلِ بیت ازواجِ مطہرات ہیں۔ انہوں نے فرمایا بخدا[1] نہیں، عورت ایک طویل عرصہ مرد کے ساتھ رہتی ہے، پھر مرد اسے طلاق دے دیتا ہے تو وہ اپنے باپ اور اپنی قوم کے پاس چلی جاتی ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہلِ بیت وہ آپ کے اصول اور عصبات (رشتے دار) ہیں جن پر آپ کے بعد صدقہ حرام ہے۔"

امامِ نووی نے شرح مسلم میں فرمایا :-

"یہ دو روایتیں بظاہر متخالف ہیں، امامِ مسلم کے علاوہ اکثر روایات میں معروف یہ ہے کہ انہوں نے فرمایا ازواجِ مطہرات اہلِ بیت میں سے نہیں ہیں، اس لحاظ سے پہلی روایت کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ بایں معنی اہلِ بیت میں سے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ رہائش پذیر ہیں، آپ نے ان کی کفالت کی، ان کے اکرام و احترام کا حکم فرمایا، ان کو گراں مرتبہ فرمایا اور ان کے حقوق کے بارے میں پند و نصیحت فرمائی لیکن اس زمرے میں داخل نہیں جن پر صدقہ حرام ہے لہٰذا دونوں روایتیں متفق ہیں۔"

اسی شرح مسلم میں ہے :-

"علماء نے فرمایا قرآنِ پاک اور اہلِ بیت کو ان کی عظمت اور جلالت

---

[1] اہلِ بیت دو قسم ہیں اہلِ بیتِ نسب جن پر صدقہ حرام ہے اور اہلِ بیتِ سکونت۔ اس عبارت کا مقصد یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات اہلِ بیتِ سکونت ہیں اور اہلِ بیتِ نسب نہیں ہیں ۱۲ شرف قادری

شان کی وجہ سے ثقلین کہا گیا ہے۔ نہایہ ابن اثیر میں ہے کہ ہر قیمتی اور نفیس چیز کو ثقل کہتے ہیں، ان دونوں کو تعظیم شان کی بنا پر ثقلین فرمایا ہے۔ قاموس میں ہے ثقل (پہلے دونوں حرف متحرک) ہیں ہر محفوظ اور نفیس شے کو کہتے ہیں، اسی معنی کے اعتبار سے حدیث میں ہے
اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابُ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ۔

صبان نے اسعاف الراغبین میں کہا اذکرکم اللہ فی اھل بیتی کا معنی یہ ہے کہ میں تمہیں اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالےٰ سے ڈراتا ہوں۔

ابن عسقلان نے شرح ریاض الصالحین میں کہا دو دفعہ یہ بات کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اہل بیت کے بارے میں تاکیداً وصیت فرمائی اور اس امر کا مطالبہ فرمایا کہ ان کی شان کا اہتمام کرنا، یہ وہ واجب مؤکد ہے جس کے پورا کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے اور اس پر ابھارا گیا ہے۔
امام احمد کی روایت میں ہے :-

"اِنِّیْ اُوْشِکُ اَنْ اُدْعٰی فَاُجِیْبُ وَاِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابُ اللّٰہِ حَبْلٌ مَّمْدُوْدٌ مِّنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلُ بَیْتِیْ وَاِنَّ اللَّطِیْفَ الْخَبِیْرَ اَخْبَرَنِیْ اَنَّھُمَا لَنْ یَّتَفَرَّقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فَانْظُرُوْا فِیْمَا تَخْلُفُوْنِیْ فِیْھِمَا
(قریب ہے کہ مجھے بلایا جائے تو میں تعمیل کروں اور میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں (۱) کتاب اللہ جو ایک رسی ہے آسمان سے زمین تک (۲) میری عترت اور اہل بیت، مجھے اللہ تعالےٰ نے خبر دی ہے

کہ یہ دونوں جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض پر مجھ سے ملاقات کریں، تم غور کرو کہ میرے بعد ان دونوں سے کیا معاملہ کرتے ہو)

حبل "ممدود" سے مراد اللہ تعالےٰ کا عہد ہے یا اللہ تعالیٰ کی رحمت و رضا تک پہنچانے کا سبب "

(یہ امام نووی کا کلام تھا)

حضرتِ جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی روایت میں ہے :-

اَیُّهَا النَّاسُ قَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَا اِنْ اَخَذْتُمْ بِہٖ لَنْ تَضِلُّوْا کِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِیْ اَهْلَ بَیْتِیْ۔

" اے لوگو! میں نے تم میں وہ چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم اسے اپناؤ گے تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے، قرآنِ پاک اور میری عترت، اہل بیت "

حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں کہا کہ حدیث میں اہل بیت سے مراد صرف ان کے ائمہ ہیں اور اس سلسلے میں طویل گفتگو کی، ان کی عبارت یہ ہے :-

اصل نمبر ۵۰ : کتاب اور عترت کو مضبوطی سے تھامنے کا بیان،

حضرتِ جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں :-

" میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو حج کے موقع پر عرفہ کے دن دیکھا، حضور اپنی اونٹنی قصواء پر تشریف فرما خطبہ دے رہے تھے، میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا اے لوگو! میں تم میں وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ جب تک تم اسے اپنائے رکھو گے، ہرگز گمراہ نہ ہوگے، قرآنِ پاک اور میری عترت اہل بیت "

حضرتِ حذیفہ بن اسید غفاری فرماتے ہیں :-

" جب رسولِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے

فارغ ہوئے تو خطبہ دیا اور فرمایا اے لوگو! مجھے اللہ تعالےٰ نے خبر دی ہے کہ نبی کی عمر پہلے نبی کی عمر کے نصف کی مثل ہوتی ہے، مجھے گمان ہے کہ مجھے عنقریب بلایا جائے گا تو میں تعمیل کروں گا، میں حوض پہ تمہارا پیشرو ہوں گا اور جب تم میرے پاس آؤ گے تو تم سے دو گرانقدر چیزوں کے بارے میں پوچھوں گا، تم دیکھو میرے بعد ان سے کیا معاملہ کرو گے؟ بڑی اور اہم چیز قرآنِ پاک ہے یہ ایک ایسا وسیلہ ہے کہ اس کی ایک طرف اللہ تعالےٰ کے دستِ قدرت میں ہے اور دوسری طرف تمہارے ہاتھ میں ہے، تم اسے مضبوطی سے تھام کر رکھو، گمراہ نہیں ہو گے اور اس میں تبدیلی نہیں کرو گے، دوسری اہم چیز میری عترت اور اہلِ بیت ہے، مجھے اللہ تعالےٰ نے خبر دی ہے کہ یہ دونوں جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض پر مجھ سے ملاقات کریں گے۔"

نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے انہیں بلایا، پھر یہ آیت تلاوت کی :-

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔

پس ان کی اولاد ان میں شامل ہے اور وہ برگزیدہ ہیں لیکن معصوم نہیں ہیں، عصمت صرف انبیاءِ کرام کے لئے ہے، دوسروں کے لئے امتحان ہے، امتحان اسی شخص کا ہوتا ہے جس کے لئے امور پوشیدہ رہیں جو امور کا معاینہ اور مشاہدہ کرے وہ امتحان سے آگے گزر گیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ "وہ دونوں جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ مجھ سے حوض پر ملاقات کریں گے" اور یہ ارشاد کہ "جب تک تم انہیں تھامے رہو گے، گمراہ نہیں ہو گے" ان کے ائمہ سادات کے بارے میں ہے دوسروں کے لئے نہیں، گناہ گار اور مخلوط عمل والا مقتدا نہیں ہے، ان میں گناہگار بھی ہیں اور مخلوط عمل والے بھی، کیونکہ وہ انسانی خواہشات سے مبرا نہیں ہیں اور نہ ہی انبیاء کی طرح معصوم ہیں، اسی طرح قرآنِ پاک، اس میں ناسخ بھی ہے اور منسوخ بھی، تو جس طرح اس کے منسوخ کا حکم مرتفع ہے اسی طرح ان میں سے جو غیر صالحین ہیں وہ لائقِ اقتدار نہیں ہیں، ہمیں ان میں سے صرف علماء اور فقہاء کی اقتداء لازم ہے اس علم اور فقہ کی بنا پر جو اللہ تعالےٰ نے ان کے سینوں میں رکھی ہے نہ کہ اصل اور نسب کی بنا پر، جب یہ علم اور فقاہت کسی دوسرے میں موجود ہو گی تو ہمیں اس کی اقتداء لازم ہے جیسے کہ ان کی اقتداء لازم ہے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ

ہم میں سے ہمارے امر کا والی وہی ہو گا جو اللہ تعالےٰ اور اس کے حبیبِ پاک صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے امورِ شرعیہ ضروریہ کو سمجھے گا جہاں تک ہمیں سمجھ آئی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اہلِ بیت کی طرف اس لئے اشارہ فرمایا کہ جب اصل پاک ہو گا تو وہ امورِ ضروریہ کے سمجھنے میں معین و مددگار ہو گا، اصل کی پاکیزگی، حسنِ اخلاق کی موجب ہے اور حسنِ اخلاق دل کی صفائی اور نزاہت کا سبب ہے

جب دل پاک صاف ہوگا تو نور زیادہ روشن ہوگا اور سینہ زیادہ منور اور تاباں ہوگا اور یہ امر امورِ شرعیہ ضروریہ کے جاننے کے لئے معاون ہوگا"

(حکیم ترمذی کی عبارت بلفظہٖ ختم ہوئی)

میں کہتا ہوں ان کا یہ کہنا کہ یہ حدیث صرف ائمہ سادات کے بارے میں ہے، قابلِ تسلیم نہیں ہے بلکہ یہ حدیث اہلِ بیت کے عوام وخواص، گناہگار اور نیکوکار، امام اور مقتدی سب کو شامل ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد "وہ دونوں جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض پر مجھ سے ملاقات کریں گے" کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اہلِ بیت تمام تر پابندی کے ساتھ قرآنِ پاک کے تمام احکام پر عمل کریں گے حتّٰی کہ حضرتِ حکیم ترمذی کا یہ اعتراض وارد ہو کہ ان میں گناہگار بھی ہیں اور مخلوط عمل والے بھی ہیں بلکہ یہ تو ان کی تعظیم وتکریم پر برانگیختہ کرتا ہے اور ان کے لئے بشارت ہے کہ وہ دینِ اسلام سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جائیں گے، ان کے حوض پر وارد ہونے تک کتاب اللہ تعالٰی سے جدا نہ ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے اور دینِ اسلام سے وابستہ رہنے کی دلیل، قرآنِ پاک کی یہ آیت ہے:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔

آپ اس سے پہلے جان چکے ہیں کہ رجس تمام نقائص اور گناہوں کو شامل ہے جن میں سے بدترین قسم کفر ہے، پس اہلِ بیت وہ جماعت ہے جسے بارگاہِ الٰہی سے طہارت ونظافت عطا کی گئی ہے لہٰذا ان کے دین میں خلل اور عقائد میں فساد پیدا نہیں ہوگا۔

سوال:- آپ کی یہ دلیل حکیم ترمذی کے نزدیک مقبول نہیں ہے کیونکہ وہ تو

آیت کو امہات المؤمنین کے ساتھ خاص مانتے ہیں۔

جواب :۔ ہاں اگرچہ ان کی یہی رائے ہے مگر انہوں نے اس مقام پر اور اس سے پہلے ثابت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے حضرتِ علی، حضرتِ فاطمہ اور حضراتِ حسنین کریمین رضی اللہ تعالےٰ عنہم کو بلایا اور آیتِ تطہیر تلاوت کی اور انہوں نے اس جگہ یہ بھی کہا کہ :

" ان کی اولاد بھی ان کے حکم میں سے ہے، پس وہ برگزیدہ ہیں"

اور اسی جگہ انہوں نے فرمایا :

" یہ نزولِ آیت کے بعد نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی دعا ہے آپ نے اس امر کو محبوب جانا کہ اللہ تعالےٰ انہیں اس آیت میں داخل فرمائے"

تو ضروری ہے کہ ان کا یہ عقیدہ ہو کہ اہلِ بیت کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا مقبول ہو، جب اس طرح ہے تو جمہور کے مختار کے مطابق اہلِ بیت یقیناً اس آیت کے حکم میں اولاً و بالذات داخل ہیں اور حکیم ترمذی کی رائے پر آخراً اور بالعرض (بعد از دعا) لہذا ثابت ہو گیا کہ وہ حوض پر وارد ہونے تک نہ دینِ اسلام سے منحرف ہوں گے اور نہ کتاب اللہ سے جدا ہوں گے، اس کی دلیل اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے :

وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيكَ رَبُّكَ فَتَرۡضَىٰٓ

" اے حبیب! تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے"

امام قرطبی نے حضرتِ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس آیت کی تفسیر نقل کی ہے کہ

" حضورِ اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی رضا یہ ہے کہ آپ کے اہلِ بیت میں سے کوئی جہنم میں نہ جائے"

حدیث شریف میں اس کے دلائل بہت ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا :-

" بے شک فاطمہ نے اپنی پاکدامنی کی حفاظت کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کی اولاد کو آگ پر حرام فرمایا۔"

حاکم نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :-

" میں نے اپنے رب کریم سے دعا کی کہ میرے اہل بیت میں سے کسی کو آگ میں داخل نہ فرمائے تو اس نے میری دعا قبول فرمالی۔"

مقصد ثانی میں اس کی زیادہ تفصیل آئے گی۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

كُلُّ سَبَبٍ وَّ نَسَبٍ يَنْقَطِعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا سَبَبِيْ وَنَسَبِيْ۔

" قیامت کے دن ہر تعلق اور رشتہ داری منقطع ہو جائے گی سوائے میرے تعلق اور رشتہ داری کے۔"

اس حدیث سے ایک لطیف دلیل میرے ذہن میں آئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت کرام کفر سے محفوظ اور معصوم ہیں کیونکہ اگر ان کے لئے کفر کا جواز باقی ہو تو نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے اس استثناء کا کیا جواز رہ جاتا ہے کیونکہ کفر تعلق اور رشتہ داری کو سب سے بڑا کاٹنے والا ہے لہذا قیامت کے دن اہل بیت کے نسب کا نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے متصل رہنا، ان کے دین سے جدا نہ ہونے کی یقینی دلیل ہے۔

نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد :

" میں نے تم میں وہ چیز چھوڑی ہے کہ اسے اپنائے رکھو گے تو گمراہ نہیں ہوگے، کتاب اللہ اور میری عترت، اہلِ بیت "

کے مطابق دونوں میں سے ہر ایک کو اس کے شایانِ شان اپنایا جائے گا، قرآنِ پاک کو اپنانا تو یہ ہے کہ اس کے احکام پر عمل کیا جائے، اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانا جائے اور اہلِ بیت کے اپنانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے استحقاق کے مطابق ان سے محبت و عنایت کا سلوک کیا جائے، ان کی تعظیم و تکریم اور عزت افزائی کی جائے لہٰذا یہ حدیث تمام اہلِ بیت کو شامل ہے خواہ وہ نیک ہوں یا گنہگار، اس وقت حکیم ترمذی نے اپنے طور پر حدیثِ پاک کا مطلب سمجھ کر جو اشکال قائم کیا تھا ختم ہو جائے گا جس کی بنا پر انہوں نے حدیث کو اہلِ بیت کے ساتھ خاص قرار دیا تھا۔

اس کی تائید دیگر روایات سے بھی ہوتی ہے، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سابقہ روایت میں ہے :-

وَاَنَا تَارِکٌ فِیْکُمْ ثَقَلَیْنِ اَوَّلُهُمَا کِتَابُ اللّٰهِ فِیْهِ الْهُدٰی وَالنُّوْرُ فَخُذُوْا بِکِتَابِ اللّٰهِ وَاسْتَمْسِکُوْا بِهٖ فَحَثَّ عَلٰی کِتَابِ اللّٰهِ وَرَغَّبَ فِیْهِ ثُمَّ قَالَ وَاَهْلُ بَیْتِیْ اُذَکِّرُکُمُ اللّٰهَ فِیْ اَهْلِ بَیْتِیْ اُذَکِّرُکُمُ اللّٰهَ فِیْ اَهْلِ بَیْتِیْ۔

" میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، ان میں سے پہلی کتاب اللہ ہے جس میں ہدایت اور نور ہے، تم کتاب اللہ کو پکڑو اور مضبوطی سے تھامے رکھو چنانچہ آپ نے کتاب اللہ کے بارے میں پُر زور رغبت دلائی، پھر فرمایا میں تمہیں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں

خدا کی یاد دلاتا ہوں، میں تمہیں ان کے بارے میں خدا کی یاد دلاتا ہوں"

اب دیکھئے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے باعتبار ہدایت کے اپنے بعد کتاب اللہ کے ساتھ خاص فرمایا اور اس کی حکمت یہ بیان فرمائی کہ فِیْہِ الْھُدٰی وَ النُّوْرُ (اس میں ہدایت اور نور ہے) پھر اہلِ بیت کا ذکر فرمایا اور تاکیدی وصیت کے طور پر مکرر ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں خدا کی یاد دلاتا ہوں تاکہ ان کی عزت و تکریم کا اہتمام کیا جائے۔ ان میں سے کسی ایک کی تخصیص نہیں فرمائی نیز حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد بھی توجہ طلب ہے' جب حضرت حصین نے ان سے پوچھا کہ اہلِ بیت کون ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد جن پر صدقہ حرام ہے، یہ ہمارے مقصود میں نص ہے (کیونکہ صدقہ تو اہلِ بیت کے ہر فرد پر حرام ہے)

اسی طرح حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت جسے حضرت حکیم ترمذی نے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:۔

• جب تم میرے پاس آؤ گے تو میں تم سے دو چیزوں کے بارے میں پوچھوں گا، غور کرو کہ میرے بعد تم ان دونوں سے کیا معاملہ کرتے ہو؟ بڑی اور اہم چیز کتاب اللہ ہے وہ ایسا وسیلہ ہے جس کا ایک کنارہ اللہ تعالٰی کے دستِ قدرت میں ہے اور دوسرا کنارہ تمہارے ہاتھ میں ہے، تم اسے مضبوطی سے پکڑے رہو، تم نہ گمراہ ہو گے اور نہ تبدیلی کے مرتکب ہو گے' اور دوسری اہم چیز میری عترت اور اہلِ بیت ہے، مجھے اللہ تعالٰی نے اطلاع دی ہے کہ یہ دونوں جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض پر مجھ سے آملیں گے"

نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد:

"ثقلِ اکبر کتاب اللہ ہے، وہ ایک ایسا وسیلہ ہے جس کی ایک طرف اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں اور دوسری طرف تمہارے ہاتھ میں ہے۔"

اس کے بعد یہ فرمایا :

"تم اسے مضبوطی سے تھامے رہو، نہ گمراہ ہو گے اور نہ تبدیلی کرو گے۔"

یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہدایت حاصل کرنے اور گمراہی سے بچنے کے لئے تھامنا قرآنِ پاک کے ساتھ خاص ہے اور اس کا سبب یہ بیان فرمایا :-

"یہ ایسا وسیلہ ہے جس کا ایک کنارہ دستِ قدرت میں اور دوسرا کنارہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔"

جب قرآنِ پاک کے بارے میں گفتگو مکمل فرمائی تو اہلِ بیت کے بارے میں گفتگو کا آغاز فرمایا، اگر دونوں کو تھامے رہنے سے مقصد ہدایت ہوتا جیسا کہ حکیم ترمذی نے سمجھا اور عترتِ طاہرہ کے بعض افراد کو داخل کیا اور بعض دوسرے افراد کو خارج کر دیا تو ضروری تھا کہ یہ جملہ :

فَاسْتَمْسِكُوْا فَلَا تَضِلُّوْا

"مضبوطی سے تھامے رہو، گمراہ نہیں ہو گے"

اہلِ بیت کے ذکر کے بعد لایا جاتا یا اس جگہ دوبارہ ذکر کیا جاتا،

ظاہر ہو گیا کہ ان احادیث میں نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عترت اور اہلِ بیت تمام وہ حضرات ہیں جن پر صدقہ یعنی زکوٰۃ حرام ہے جیسے حضرتِ زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتاب اللہ کے ساتھ ان کا ذکر تعظیمِ شان اور ان کی تعظیم و تکریم کا تاکیدی حکم فرمانے کے لئے کیا،

(رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

حکیم ترمذی کی عبارت کا یہ حصہ عجیب وغریب ہے جس میں فرماتے ہیں
کہ جب یہ علم اور فقاہت دوسروں میں موجود ہو تو ہمیں سادات کی طرح
ان کی اقتدا بھی لازم ہوگی۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عترت پاک دوسروں کے برابر ہے کیونکہ ان کے نزدیک اہل بیت کے اصل کی تو کچھ فضیلت ہی نہ ہوئی، فضیلت تو علمیت اور فقاہت کی ہے جو سادات اور ان کے سوا میں پائی جاتی ہے لہذا ان احادیث میں عترت اور اہل بیت سے امت مسلمہ کے علماء و فقہاء مراد ہوئے، کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہی مراد تھی؟ بخدا ہرگز نہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قریبی رشتہ دار ہی مراد لئے ہیں، وہ عالم ہوں یا غیر عالم، متقی ہوں یا غیر متقی، رہے فقہاء اسلام اور علماء اعلام تو وہ امت کے مقتدا اور تاریکی میں ہدایت کے چراغ ہیں لیکن یہ الگ وصف ہے، اہل بیت خود ان احادیث کے خطاب میں داخل ہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قرابت کی رعایت اور عمومی طور پر ان کی تعظیم شان کے لئے بلکہ وہ تمام لوگوں سے اس کے زیادہ مستحق ہیں (مطلب یہ کہ علماء علم کی وجہ سے اور اہل بیت حضور کی قرابت کی وجہ سے مستحق تعظیم ہیں)

تنبیہ

یہ خطبہ جس میں دو گرانقدر چیزوں، قرآن پاک اور اہل بیت کے بارے میں وصیت ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع سے فارغ ہو کر صحابہ کے جم غفیر کے سامنے علی رؤس الاشہاد ارشاد فرمایا، مدینہ طیبہ سے حج کی ادائیگی کے لئے آپ کے ہمراہ ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ کرام تشریف لائے تھے، مکہ مکرمہ سے شریک ہونے والے اور یمن سے تشریف لانے والے اس کے

علاوہ تھے، یہ اجماع اس وقت کے اعتبار سے امتِ مسلمہ کا سب سے بڑا حصہ تھا، حضرتِ صدیقِ اکبر اور ان کے علاوہ جلیل القدر صحابہ، علماء، فقہاء سبھی موجود تھے اور اس میں بھی شک نہیں کہ ان میں سے بہت سے صحابہ، اہلِ بیت کے اکثر و بیشتر حضرات سے علم و فقاہت میں زیادہ تھے، کیا اس اجماع میں کسی نے بھی یہ سمجھا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اس خطبہ میں اپنے رشتہ داروں اور دیگر صحابہ کو یہ وصیت فرمائی کہ اہلِ علم کی تعظیم کرنا اور یہ کہ حضور کی عترت اور اہلِ بیت حضرتِ ابوبکر، حضرتِ عمر، حضرتِ زید بن ثابت، حضرتِ ابی، حضرتِ معاذ، حضرتِ عبداللہ بن سلام اور ان جیسے دیگر حضرات مہاجرین اور انصار کے علماء ہیں یا انہوں نے یہی سمجھا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے انہیں اور ان کے ماسوا علماء، صحابہ کرام اور تمام امت کو وصیت فرمائی ہے کہ میرے رشتہ داروں کی رعایت کرنا، ان کی شان کا اہتمام کرنا اور یہ کہ حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار ہی آپ کے اہلِ بیت ہیں، جس نے بھی سمجھا یہی معنی ہی سمجھا، پہلا معنی کسی نے بھی نہ سمجھا۔

حضرتِ حکیم ترمذی کے دعویٰ میں یہ بات رہ گئی کہ انہوں نے فرمایا :-

"عترت سے مراد ان کے ائمہ ہیں کیونکہ ہمیں انہی کے علم اور فقاہت کی اقتداء لازم ہے جیسے کہ علم اور فقاہت کسی اور میں پائی جائے تو ہمیں ائمۂ اہلِ بیت کی طرح ان کی اقتداء لازم ہوگی۔"

پس ان کی رائے میں اعتماد علم پر ہے، اصل پر نہیں حالانکہ شرائط مفقود ہونے کے سبب صدیوں سے اجتہاد منقطع ہے اور دنیا بھر کے تمام اہلِ سنت احکامِ فقہیہ میں صرف ائمہ اربعہ کی اقتداء کرتے ہیں اور عقائد امام ابوالحسن اشعری اور امام ابومنصور ماتریدی کی پیروی کرتے ہیں، اہلِ بیت میں پہلے زمانوں میں

اگرچہ بہت سے صاحبِ مذاہب ائمہ مجتہدین ظاہر ہوئے ہوں گے لیکن ان کے مذاہب کی ترتیب وتدوین اور شہرت نہیں ہوئی، اربابِ مذاہب کے تشریف لیجانے سے وہ مذاہب بھی ختم ہو گئے۔

مذہب اہلِ سنت کے مخالف جن مذاہب کو بعض گمراہ فرقے ائمہ اہلِ بیت کی طرف منسوب کرتے ہیں، باطل اور جھوٹے ہیں، اہلِ بیتِ کرام جو ان احادیث کا محل مورد ہیں، ان کے لئے ان احادیث میں کچھ حصہ نہیں رہے گا اور وہ بکسر خارج ہو جائیں گے اور اس کا بطلان کسی پر مخفی نہیں۔

سوال : حکیم ترمذی نے عترت کی تفسیر اہلِ بیت کے مجتہدین سے نہیں کی بلکہ ان کے علماء مراد لئے ہیں اور وہ ہر زمانے میں بے شمار ہیں۔

جواب : انہوں نے جو اوصاف ذکر کئے ہیں کہ وہ علم وفقاہت کی وجہ سے دوسروں کے امام اور مقتدا ہوں مجتہدین کے سوا کسی پر صادق نہیں آتے، کیونکہ علم اور فقاہت میں انہیں کی اقتدا کی جا سکتی ہے، آخری زمانوں میں جو اہلِ بیت کے علماء پائے گئے ہیں وہ مذاہبِ اربعہ میں سے کسی نہ کسی کے مقلد ہی ہوئے ہیں لہٰذا دوسروں کے لئے مقتدا نہ ہوں گے۔

حکیم ترمذی کا یہ ارشاد :

" رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بہ ظاہر ان کی طرف اشارہ فرمایا کیونکہ جب اصل پاکیزہ ہو تو وہ ضرورت کے امور کے سمجھنے میں مددگار ہو گا۔ (الیٰ آخرہ)

نفیس کلام ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ذکر اہلِ بیت کا کیا ہے اور مراد علماءِ امت ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے لئے ممکن تھا کہ صراحۃً اس طرح فرما دیتے کہ میں تم میں

دوگرانقدر چیزیں چھوڑے جارہا ہوں، کتاب اللہ اور علمارِ امت، تاکہ سننے والا بآسانی مراد کو جان لیتا بالخصوص اس اجتماعِ عظیم میں جس میں سمجھدار اور کم فہم ہر طرح کے افراد موجود تھے۔

افادہ

جب ہم گزشتہ بعض ادوار کے علمارِ امت کے حالات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں عجمی اور آزاد شدہ علمار کی تعداد عرب اور قریش سے زیادہ دکھائی دیتی ہے، اس کی حکمت (اللہ تعالےٰ زیادہ جانتا ہے) یہ تھی کہ ان حضرات نے جب دیکھا کہ قریشی اور عربی حسب ونسب کی شرافت میں ہم سے آگے ہیں تو انہوں نے کوشش کی کہ عزت میں ان کے مرتبے تک پہنچ جائیں، ان تک پہنچنے کے لئے انہیں علم کے سوا کوئی وسیلہ نہ ملا، چنانچہ انہوں نے خوب کوشش کی یہاں تک کہ علم سے اپنا مقصود پالیا اور انتہار کو پہنچے، مزید براں ایک سبب یہ تھا کہ عرب علم حاصل کرتے تھے، جب وہ علمی مقام حاصل کر لیتے تو مختلف کام ان کے سپرد کر دئے جاتے، وہ ان میں دلچسپی لیتے لہذا باقاعدگی سے تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکتے تھے۔

بعض زمانوں میں عام طور پر ایسا ہی ہوا ورنہ تم جانتے ہو کہ ائمہ اربعہ جو اپنے زمانے سے اس وقت تک اور اس وقت سے قیامت تک امتِ محمدیہ کے عرب وعجم کے مقتدا ہیں، ان میں سے تین عرب تھے، امامِ مالک، امامِ شافعی اور امامِ احمد بن حنبل رضی اللہ تعالےٰ عنہم اور ان میں سے ایک غیر عربی ہیں، امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ، بہرحال یہ امتِ مرحومہ ہے، اس کا معبود ایک ہے، نبی ایک ہے، عربوں میں بھلائی پائی جائے یا عجمیوں میں وہ دوسرے فریق تک پہنچ جاتی ہے، جب دین ایک ہے تو اختلافِ جنس میں کیا حرج ہے؟

فائدہ

نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا ارشاد:

لَوْ کَانَ الْعِلْمُ بِالثُّرَیَّا لَتَنَاوَلَہٗ قَوْمٌ مِّنْ اَبْنَاءِ فَارِسَ۔

"اگر علم ثریا کی بلندی پر ہو تو ابناءِ فارس کی ایک جماعت اسے حاصل کرلے گی۔"

بعض حضرات نے اسے امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ پر محمول کیا ہے۔

امام مناوی نے فرمایا:۔

"اس میں اس جماعت کی فضیلت ہے اور ان کے علوِ ہمت کی طرف اشارہ ہے۔"

معجم البلدان میں ہے:۔

"جب عرب مشرق کا ذکر کرتے تو اسے فارس سے تعبیر کرتے ہیں، حدیث شریف میں اہلِ خراسان مراد ہیں کیونکہ جب تم اس کا مصداق فارس میں تلاش کروگے تو کہیں بھی نہ پاؤگے البتہ تمہیں یہ صفت اہلِ خراسان میں مل جائے گی، وہ بخوشی اسلام میں داخل ہوئے، ان میں علماء و فضلاء بھی ہیں، محدثین اور عباد بھی ہیں، اگر تم ہر شہر کے محدثین کا شمار کرو تو تمہیں نصف مقدار اہلِ خراسان کی ملے گی، راویوں کی اکثریت خراسان ہی سے تعلق رکھتی ہے، اہلِ فارس کا فرقہ جو ختم ہوگئے ان کے اخلاف قابلِ ذکر اور صاحبِ شرافت نہ رہے۔"

(معجم البلدان کی عبارت ختم ہوئی)

نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا ارشاد :-

لَوْ كَانَ الْإِيْمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا (وفی روایۃ) مُعَلَّقًا بِالثُّرَيَّا۔

" اگر ایمان ثریا کے پاس ہوتا (اور دوسری روایت کے مطابق) ثریا سے معلق ہوتا "

اس سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالےٰ عنہ مراد ہیں جیسا کہ سیدی شیخ اکبر نے فتوحات میں اور بہت سے علماء نے فرمایا۔

فصل

نبی اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کا ارشاد :۔

اَهْلُ بَيْتِي اَمَانٌ لِأُمَّتِي

"میرے اہلِ بیت میری امت کے لئے امان ہیں"

حکیم ترمذی رضی اللہ تعالٰے عنہ نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا :۔

"نبیِ اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے اہلِ بیت وہ ہیں جو آپ کے بعد آپ کے طریقے پر گامزن ہوئے اور وہ ہیں صدیقین اور ابدال جن کے متعلق حضرتِ علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا،

"ابدال شام میں ہوں گے۔ وہ چالیس مرد ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک جب وفات پا جاتا ہے تو اللہ تعالٰے اس کی جگہ ایک اور مرد مقرر فرما دیتا ہے۔ ان کی برکت سے بارش عطا کی جاتی ہے، دشمنوں پر فتح دی جاتی ہے اور زمین والوں سے بلا دفع کی جاتی ہے۔"

یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے اہلِ بیت ہیں اور اس امت کے لئے امان ہیں جب وہ وصال فرما جائیں گے تو زمین میں فساد برپا ہو جائے گا اور دنیا خراب ہو جائے گی۔

اہلِ بیت نسب چند وجوہ سے مراد نہیں لئے جا سکتے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب میرے اہلِ بیت چلے جائیں گے تو میری امت

کو وہ چیز آئے گی جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ یہ کیسے متصور ہے کہ آپ کے اہلِ بیت چلے جائیں، ان میں سے کوئی بھی باقی نہ رہے حالانکہ وہ حد شمار سے زیادہ ہیں، اللہ تعالےٰ کی برکت ان پر ہمیشہ ہے اور اس کی رحمت ان پر سایہ فگن ہے۔ نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "میرے تعلق اور نسب کے علاوہ ہر تعلق اور نسب منقطع ہو جائے گا۔"

۲۔ آپ کے اہلِ بیت نسب بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب ہیں، وہ اس امت کے لئے امان نہیں ہیں، حتیٰ کہ وہ چلے جائیں تو دنیا ختم ہو جائے۔

۳۔ بعض اوقات دوسروں کی طرح ان سے بھی فساد پایا جاتا ہے، ان میں متقی بھی ہیں اور غیر متقی بھی، تو وہ کس بناء پر زمین والوں کے لئے امان ہوں گے؟

معلوم ہوا کہ اہلِ بیت سے مراد وہ ہیں جن سے دنیا قائم ہو گی اور وہ ہر دور میں ان کے اہلِ علم اور ہدایت کے رہنما ہیں، جب وہ رخصت ہو جائیں گے تو زمین کا تحفظ ختم ہو جائے گا اور بلائیں عام ہو جائیں گی۔

سوال اگر کوئی کہے کہ تمام اہلِ بیت نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی عزت و حرمت اور آپ کی قرابت کی بدولت زمین والوں کے امان بن گئے ہیں؟

جواب نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی عزت و حرمت بہت عظیم ہے، زمین میں ذریت طاہرہ سے بھی بڑی چیز موجود ہے اور وہ کتاب اللہ ہے ہم حدیث شریف میں اس کا ذکر نہیں پاتے، پھر عزت و حرمت اہلِ تقوےٰ کے لئے ہے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت، نبوت کی فضیلت اور اللہ تعالےٰ کے اعزاز و اکرام کے سبب سے ہے۔"

اس کی دلیل میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی روایت ہے۔ انھوں نے فرمایا:۔

"رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم حضرت فاطمہ کے پاس تشریف لائے۔ ان کے پاس آپ کی پھوپھی حضرت صفیہ تشریف فرما تھیں نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا "اے عبد مناف! اے بنی عبد المطلب! اے فاطمہ بنتِ محمد! اے رسول اللہ کی پھوپھی صفیہ! اپنی جانیں اللہ تعالےٰ سے خرید لو، میں تمھیں اللہ تعالےٰ سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کر سکتا، میرے مال سے جتنا چاہو مانگ لو، جان لو کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ میرے قریب متقی ہوں گے، اگر تم قرابت کے ساتھ ساتھ متقی بھی ہو تو یہ بات اچھی ہے، ایسا نہ ہو کہ لوگ میرے پاس اعمال لائیں اور تم دنیا کو اپنی گردنوں پر اٹھائے ہوئے میرے پاس آؤ کہ تم مجھے پکارو اور میں اعراض کر دوں، تم پھر بلاؤ تو میں چہرہ پھیر لوں، تم کہو یا رسول اللہ! میں فلاں بن فلاں ہوں تو میں کہوں کہ میں نسب کو پہچانتا ہوں لیکن عمل کو نہیں پہچانتا، تم میری اور اپنی رشتہ داری کی طرف لوٹ جاؤ۔"

یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے اعلانیہ فرمایا:۔

"تم میں سے میرے دوست وہ نہیں جو ابن فلاں ہیں، تم میں سے میرے دوست وہ ہیں جو متقی ہیں جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں (عبارت حکیم ختم)"

میں کہتا ہوں اصحاب سنن کی ایک جماعت متعدد صحابہ کرام سے راوی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"تم میں میرے اہل بیت کی مثال سفینۂ نوح (علیہ السلام) جیسی ہے، جو اس میں سوار ہوا نجات پا گیا اور جو پیچھے رہا ہلاک ہو گیا۔ ایک روایت میں ہے غرق ہو گیا۔ ایک اور روایت میں ہے جہنم میں داخل ہوا۔"

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا:۔

"میرے اہل بیت کو اپنے درمیان وہ جگہ دو جو جسم میں سر کی اور سر میں آنکھوں کی جگہ ہے اور سر آنکھوں ہی سے ہدایت پاتا ہے"۔

حاکم نے روایت کی اور اسے شیخین کی شرط پر صحیح قرار دیا:۔

"ستارے زمین والوں کے لئے غرق سے امان ہیں اور میرے اہل بیت میری امت کے لئے اختلاف سے امان ہیں جب عرب کا کوئی قبیلہ ان کی مخالفت کرے گا آپس میں اختلاف کا شکار ہو جائیگا اور ابلیس کے گروہ میں سے ہو جائے گا"۔

اصحاب سنن کی ایک جماعت راوی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"ستارے آسمان والوں کے لئے امان ہیں اور میرے اہل بیت میری امت کے لئے امان ہیں"۔

ایک روایت میں ہے:۔

"میرے اہل بیت زمین والوں کے لئے امان ہیں جب میرے اہل بیت رخصت ہو جائیں گے انھیں وہ نشانیاں آئیں گی جن سے انھیں ڈرایا جاتا تھا"

امام احمد کی روایت میں ہے:۔

"جب ستارے چلے جائیں گے تو آسمان والے چلے جائیں گے اور جب میرے اہل بیت چلے جائیں گے تو زمین والے چلے جائیں گے"۔

بہر حال اس کا معنی یہ ہے کہ زمین میں ان کا وجود اہل زمین کے لئے عموماً اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کے لئے خصوصاً عذاب سے امان ہے، ان میں سے صرف صالحین مراد نہیں ہیں کیونکہ یہ فضیلت و شرافت نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی نسبی

قرابت کی بناء پر ہے قطع نظر اس کے کہ ان کے اوصاف محمود ہیں یا نہیں۔

علامہ صبان نے اسعاف الراغبین میں فرمایا:۔

اس مطلب کی طرف اللہ تعالیٰ کا ارشاد اشارہ کرتا ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ

" ان میں آپ کی موجودگی کے باوجود اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دینے والا نہیں"

آپ کے اہل بیت امان ہونے میں آپ کے قائم مقام ہیں کیونکہ وہ حضور سے ہیں اور حضور ان سے ہیں جیسے کہ بعض روایات میں وارد ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم)

اس سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ اصل ظاہر اوصاف کا اعتبار کئے بغیر مراد ہے۔

اس بارے میں اس سے بھی زیادہ صریح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

" تمام لوگوں سے پہلے وفات پانے والے قریش ہیں اور قریش میں سے پہلے وفات پانے والے میرے اہل بیت ہیں۔ اس روایت میں اَوَّلُ النَّاسِ هِلَاكاً ایک روایت میں هِلَاكاً کی جگہ فَنَاءً ہے اور اَهْلُ بَيْتِي کی جگہ بنو ہاشم ہے"۔

امام مناوی اور دوسرے شارحین حدیث نے فرمایا:۔

" ان کا وصال فرمانا ان علامات میں سے ہے جو قیامت کے قریب ہونے پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ قیامت شریر لوگوں پر قائم ہوگی یعنی وہ تو خیار ناس میں سے ہیں"

یہ حدیث گویا اس حدیث (اَمَانٌ لِاَهْلِ الْاَرْضِ) کی تفسیر ہے اور حدیث کی بہترین تفسیر وہ ہے جو حدیث سے ہو۔ اس سے حکیم ترمذی کے اس دعوے کا بطلان ظاہر ہوگیا کہ اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ کے اہل بیت سے مراد ابدال اور صدیقین ہیں۔

حکیم ترمذی کا پہلا شبہ

یہ کیسے متصور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام اہل بیت دنیا سے رخصت ہو جائیں گے اور ان میں سے کوئی باقی نہ ہے حالانکہ وہ شمار سے باہر ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت ان پہ دائم اور اس کی برکت ان پر سایہ فگن ہے۔

جواب

اس کے تصور میں نہ کوئی مانع ہے اور نہ حرج ہے خصوصاً جب کہ دوسری حدیث سابق میں تصریح ہے کہ "تمام لوگوں سے پہلے قریش کی وفات ہوگی اور قریش میں سے پہلے میرے اہل بیت کی وفات ہوگی" یہ بھی ان کے لئے اللہ تعالےٰ کی رحمت ہے کیونکہ ثابت ہو چکا ہے کہ قیامت صرف شریر لوگوں پر قائم ہوگی اور وہ تو خیار ناس میں سے ہیں اسی لئے وہ تمام لوگوں سے پہلے وفات پائیں گے ان کے بعد قریش وفات پائیں گے کیونکہ قریش فضیلت، مرتبہ اور نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے قرب میں ان سے بعد ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے رحمت اور اعزاز ہے (پھر جب قیامت کے آنے پر بے شمار انسان فوت ہو جائیں گے تو اہل بیت کی وفات میں کون سا استحالہ ہے؟ ۱۲ اشرف)

حکیم ترمذی نے فرمایا کہ حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

"میرے تعلق اور رشتے کے علاوہ ہر تعلق اور رشتہ منقطع ہو جائے گا"

منقطع ہونے کا مطلب اولاد کا ختم ہو جانا مراد نہیں، یہ تو قیامت کے دن سے مخصوص ہے جیسے کہ روایات صحیحہ میں صراحت ہے، انقطاع کا معنی یہ ہے کہ اس وقت رشتے داریوں سے فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکے گا جیسے کہ اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا:-

لَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ (ان کے درمیان رشتہ داریاں نہ ہوں گی)

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے سبب اور نسب کا استثنار فرمادیا کہ ان کا نفع دنیا و آخرت میں منقطع نہیں ہوگا، سبب وہ تعلق ہے جو نکاح کی بنا پر ہو اور نسب وہ رشتے داری

جو ولادت کی بنا پر ہو۔ اس کی تائید وہ صحیح حدیث کرتی ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"ان لوگوں کا کیا حال ہے جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رشتے داری قیامت کے دن فائدہ نہ دے گی، ہاں میری رشتے داری دنیا و آخرت میں متصل ہے۔"

دوسرا شبہہ نبی اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نسب کے لحاظ سے اہل بیت بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب ہیں اور وہ تو اس امت کے لئے امان نہیں ہیں حتیٰ کہ جب وہ ختم ہو جائیں گے تو دنیا ختم ہو جائیگی۔

جواب اہل بیت کے اس امت بلکہ زمین والوں کے لئے امان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا زمین میں موجود ہونا اس بات کی علامت ہے کہ ابھی دنیا کا خاتمہ قریب نہیں ہے جب وہ وفات پا جائیں گے تو دنیا والوں کے سامنے قیامت کے قائم ہونے اور دنیا کے خاتمے کی وہ علامات آ جائیں گی جن سے انہیں ڈرایا گیا تھا جب تک ان میں اہل بیت موجود رہیں گے وہ اس بات سے امن میں رہیں گے۔

تیسرا شبہہ دوسروں کی طرح بعض اوقات ان میں بھی فساد پایا جاتا ہے ان میں متقی بھی ہیں غیر متقی بھی، تو وہ کس بنا پر زمین والوں کے لئے امان بن گئے؟

جواب وہ کسی عمل یا سابقہ نیکی کی بنا پر زمین والوں کے لئے امان نہیں بنے بلکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عنصرِ طاہر کی بنا پر وہ امان ہیں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں ازل میں مختص فرما دیا اور جس کی بنا پر انہیں ایسی فضیلتیں عطا فرمائیں جو کسی دوسرے میں نہیں پائی گئیں اور آئندہ بھی کسی اور میں

ہرگز نہ پائی جائیں گی، ان میں سے یہ ایک فضیلتِ جلیلہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت سے معدنِ رسالت، مہبطِ وحی اہلِ بیتِ نبوت کو عطا کی گئی جو حدِ قیاس سے باہر ہے اور اس میں کوئی دوسرا انسان ان کے ساتھ شریک نہیں ہے۔ یہ دو جواب پہلے شبے کے جواب سے معلوم ہو جاتے ہیں، اسے اچھی طرح سمجھ لو یہ دونوں واضح ہو جائیں گے۔

چوتھا شبہہ نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذریتِ طاہرہ سے زیادہ عزت والی چیز زمین میں موجود ہے اور وہ قرآنِ پاک ہے، حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

جواب نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ذریتِ طاہرہ کی عزت کا ذکر فرمایا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے ساتھ قرآنِ پاک کا بھی ذکر فرمائیں، اگرچہ قرآنِ پاک کی عزت زیادہ ہے، حدیثِ ثقلین میں ان کے ساتھ قرآنِ پاک کا ذکر موجود ہے لیکن ہر حدیث میں دونوں کا ایک ساتھ ذکر لازم نہیں ہے کسی نے یہ دعوے نہیں کیا کہ اہلِ بیت کی عزت قرآن سے زیادہ ہے یا برابر ہے حتیٰ کہ اس پر یہ اعتراض کیا جائے، اہلِ بیتِ کرام اس فضیلت میں قرآنِ پاک سے زائد نہیں ہیں کیونکہ قیامت قائم ہونے سے پہلے قرآنِ پاک بھی اٹھا لیا جائے گا۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے :۔

"قرآنِ پاک اٹھائے جانے سے پہلے پڑھو کیونکہ قیامت اسی وقت قائم ہوگی جب قرآنِ پاک اٹھا لیا جائیگا۔ عرض کیا گیا، اے ابو عبدالرحمن! (حضرت ابنِ مسعود کی کنیت) قرآن شریف کس طرح اٹھا یا جائے گا حالانکہ ہم نے اسے اپنے سینوں اور مصاحف میں محفوظ کر لیا ہے؟ فرمایا، اس پر ایک رات گزرے گی تو وہ نہ یاد رہے گا نہ پڑھا جائے گا۔

ظاہر ہے کہ حضرتِ ابن مسعود نے یہ بات اپنی رائے سے نہیں کہی کیوں کہ اس میں رائے

کا دخل نہیں ہے (لہٰذا یہ حکماً مرفوع حدیث ہے) پس یہ قرآن پاک جب تک زمین والوں میں رہے گا ان کے لئے عذاب اور دنیا کے خاتمہ سے امان ہے۔ ذرّیتِ طاہرہ اس سے زائد وصف سے موصوف نہیں کی گئی۔

پانچواں شبہہ یہ عزت متقین کے لئے ہے، اس کی دلیل حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرتِ فاطمہ کے پاس تشریف لے گئے، ان کے پاس حضور کی پھوپھی حضرتِ صفیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تشریف فرما تھیں، نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ نے فرمایا، اے بنی عبدمناف! اے بنی عبدالمطلب! (الی آخرہ)

جواب محب طبری نے اس کا شافی جواب دیا ہے جو امامِ مناوی نے کبیر میں اور علامہ صبان نے اسعاف میں نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم از خود کسی کے نفع وضرر کے مالک نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے اقارب بلکہ تمام امت کو شفاعتِ عامہ اور خاصہ سے نفع پہنچانے کا مالک بنا دے گا، پس آپ ایسی چیز کے مالک ہوں گے جس کا مالک آپ کو آپ کا مولا تعالےٰ بنا دے گا۔ امام بخاری کی ایک روایت میں اس کی طرف اشارہ ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

وَلٰكِنْ لَكُمْ رَحِمٌ سَأَبُلُّهَا بِبَلَالِهَا أَيْ سَأَصِلُهَا بِصِلَتِهَا

"لیکن تمہارے لئے ایسی رشتہ داری ہے جس کے ساتھ میں صلہ رحمی کروں گا"۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد:۔

لَا أُغْنِيْ عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا

"میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کر سکتا، فائدہ نہیں دے سکتا"۔

کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنے طور پر بغیر اس شفاعت اور مغفرت کے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ

نے مجھے معزز فرما دیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رشتہ داروں سے یہ خطاب ڈرانے، عمل کی رغبت دلانے اور اس بات پر ابھارنے کے لئے فرمایا کہ تم دوسرے لوگوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کے خوف و خشیت کے زیادہ مستحق ہو۔ علامہ صبان نے فرمایا کہ یہ اس وقت کا خطاب ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ابھی اس امر سے آگاہ نہیں فرمایا تھا کہ آپ کی نسبت فائدہ دینے والی ہے۔

علاوہ ازیں جس طرح حکیم ترمذی نے حدیث کی وضاحت کی ہے لغت عربیہ اس کی تائید نہیں کرتی، کیا کوئی شخص اہل بیت کے لفظ سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس سے ابدال مراد ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں، اس کلام کا کوئی مخاطب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت نسب کے سوا کوئی معنی نہیں سمجھے گا، جیسے کہ لغت عربیہ کا تقاضا ہے جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان ہے۔ حضرات ابدال (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور ہمیں ان سے نفع عطا فرمائے) کی فضیلت، بلندی مرتبت اور اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قرب ایسے امور ہیں جن میں کسی ایماندار کو شک نہیں ہو سکتا لیکن وہ خود اس پر راضی نہیں ہوں گے کہ انہیں وہ حلۂ کرامت پہنایا جائے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عترت طاہرہ کو پہنایا ہے، وہ اس سے بعید ہیں بہت ہی بعید!

مجھے اس بات کا یقین ہے کہ حضرت حکیم ترمذی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکابر اولیاء میں سے تھے اور یہ بھی جزم کے قریب ہے کہ جو کچھ ان سے مذکور ہوا وہ دو صورتوں میں سے ایک پر محمول ہے:۔

۱۔ یہ زیادہ قریب ہے کہ یہ سب ان کے یا اہل بیت کرام کے کسی دشمن نے ان کی کتاب میں اضافہ کر دیا ہے جیسے کہ بہت سے علماء و اولیاء مثلاً شیخ اکبر سیدی محی الدین بن عربی اور عارف محقق سیدی شیخ عبد الوہاب شعرانی وغیرہما کے ساتھ ہوا۔

۲۔ حکیم ترمذی غالی شیعوں کے پاس رہتے تھے جنہوں نے اہل بیت کرام کی جانب کا

التزام کر کے حد سے تجاوز کیا اور بہت سے جلیل القدر صحابہ خصوصاً حضرتِ ابوبکر و عمر رضی اللہ
تعالیٰ عنہم سے کنارہ کش ہو کر گمراہ ہوئے جھضرتِ حکیم نے ان پر رد کیا اور تشنیع کی جیسے
کہ ان کی عبارات سے ظاہر ہے اور جو کچھ انھوں نے اہلِ بیت کی شان میں ذکر کیا اس
کا باعث یہی تھا، اس کے باوجود اپنے کلام میں اہلِ بیتِ کرام کے اوصافِ جمیلہ بیان
کئے اور ان کے فضائلِ جلیلہ بیان کئے جیسے کہ ان کی اور ان جیسے اکابر کی شان ہے رضی اللہ
تعالےٰ عنہ۔

مجھے امید ہے کہ میں نے جو کچھ کیا اللہ تعالےٰ مجھے اس پر ثواب عطا فرمائے گا
اور جو کچھ تحریر کیا اس پہ مجھے ندامت لاحق نہیں ہوگی کیونکہ مقصد خیر ہے، جو کچھ میں کہتا ہوں
اللہ تعالےٰ اس کا وکیل ہے۔

دوسرا مقصد

اہلِ بیتِ کرام کی شرافت و فضیلت اور وہ خصوصیات جو اللہ تعالیٰ نے انہی کو عطا فرمائیں

اس کتاب میں اول و آخر جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ اہلِ بیت کرام کی ایسی خصوصیات ہیں جن میں کوئی ان سے نزاع کرنے والا نہیں اور کوئی ان خصوصیات کی ان سے نفی نہیں کر سکتا لیکن ان میں سے بعض اضافی خصوصیتیں ہیں یعنی ان لوگوں کے لحاظ سے جن میں یہ نہیں پائی جاتیں مثلاً ان کا یقینی طور پر جنتی ہونا اور ان کا آگ پر حرام ہونا کیونکہ یہ امر ان صحابہ کرام کے لئے بھی ثابت ہے جنہیں جنت کی بشارت دی گئی جیسے عشرہ مبشرہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم اور جیسے کہ ان کے دشمن پر لعنت کرنا اور اسے نفاق سے اور بعض احادیث کے مطابق کفر سے موصوف کرنا، ایسے امور صحابہ کے دشمنوں کے بارے میں بھی وارد ہیں،

میں اس مقصد میں ان کے وہ خصائص ذکر کروں گا جو ان کے علاوہ کسی دوسرے میں ہرگز نہیں پائے جاتے۔

ان کی بعض خصوصیات ہیں :-

پہلی خصوصیت | زکوٰۃ کا حرام ہونا [1]

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے، امامِ اہلِ سنت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی قدس سرہ کا رسالہ مبارکہ الزہر الباسم فی حرمۃ الزکوٰۃ علیٰ بنی ہاشم۔

امامِ نووی نے شرح مسلم میں فرمایا :-

" زکوٰۃ، نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم آپ کی آل یعنی بنو ہاشم اور بنو مطلب پر حرام ہے، یہ امام شافعی اور ان کے ہم خیال علماء کا مذہب ہے، بعض مالکی بھی اسی کے قائل ہیں، امامِ ابو حنیفہ اور امامِ مالک نے فرمایا وہ صرف بنو ہاشم ہیں۔ قاضی عیاض نے فرمایا، بعض علماء فرماتے ہیں وہ تمام قریش ہیں، اصبغ مالکی نے فرمایا وہ بنی قصی ہیں۔

امامِ شافعی رحمہ اللہ تعالےٰ کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بنو ہاشم اور بنو المطلب ایک ہی ہیں اور ذوی القربیٰ کا حصہ ان میں تقسیم فرمایا البتہ نفلی صدقہ کے بارے میں امام شافعی کے تین قول ہیں :-

(۱) اصح قول یہ ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے حرام ہے اور آپ کی آل کے لئے حلال ہے۔

(۲) نبیِ اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے بھی حرام ہے اور آپ کی آل کے لئے بھی حرام ہے۔

(۳) دونوں کے لئے حلال ہے۔

بنو ہاشم اور بنی المطلب کے آزاد شدہ غلاموں کے لئے زکوٰۃ حرام ہے یا نہیں؟ اس میں ہمارے اصحاب شافعیہ کے دو قول ہیں :

(۱) اصح یہ ہے کہ حرام ہے۔

(۲) حلال ہے۔

امامِ ابو حنیفہ، باقی علماء کوفہ اور بعض مالکیہ نے حرمت کا قول کیا ہے

امامِ مالک اباحت کے قائل ہیں، ابنِ بطال مالکی نے دعویٰ کیا کہ اختلاف صرف بنو ہاشم کے آزاد شدہ غلاموں میں ہے، دوسروں کے آزاد شدہ غلاموں کے لئے بالاتفاق حلال ہے حالانکہ اس طرح نہیں ہے، ہمارے اصحابِ شافعیہ کے نزدیک اصح یہ ہے کہ بنو ہاشم اور بنو المطلب کے آزادہ شدہ غلاموں کے لئے حرام ہے، ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ''

علامہ صبان اسعاف میں فرماتے ہیں :۔

'' امامِ مالک اور امام ابو حنیفہ صرف بنو ہاشم کے لئے زکوٰۃ کی حرمت کے قائل ہیں، امامِ شافعی اور امامِ احمد بنو ہاشم اور بنو المطلب کے لئے حرام ہونے کے قائل ہیں، امامِ ابو حنیفہ سے ایک روایت ہے کہ بنو ہاشم کے لئے مطلقاً حلال ہے، امامِ ابو یوسف کے نزدیک ان کا ایک دوسرے کو زکوٰۃ دینا حلال ہے، اکثر حنفیہ، شافعیہ اور امامِ احمد کے نزدیک انہیں نفلی صدقہ لینا جائز ہے، یہی امامِ مالک سے روایت ہے، ان سے ایک روایت یہ ہے کہ زکوٰۃ لینا جائز ہے نفلی صدقہ لینا جائز نہیں کیونکہ اس میں ذلت زیادہ ہے ''

کشف الغمہ میں ہے :۔

'' حضرتِ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکثر صدقہ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ لوگوں کی میل ہے اور محمد اور آلِ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم) کے لئے حلال نہیں ہے۔ حضرتِ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن حضرتِ حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے صدقے کی

ایک کھجور اٹھائی اور منہ میں ڈال لی، نبی اکرم صلے اللہ تعالے علیہ وسلم نے فرمایا اسے پھینک دو، تمہیں پتا نہیں کہ ہم صدقہ نہیں کھایا کرتے؛ نبی اکرم صلے اللہ تعالے علیہ وسلم، بنی ہاشم اور بنو المطلب کو فرماتے تمہارے لئے مالِ غنیمت کے پچیسویں حصے میں اتنا حصہ ہے جو تمہیں کفایت کر جائے گا۔

حضرتِ انس رضی اللہ تعالے عنہ فرماتے ہیں؛ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ذوی القربیٰ کا حصہ بنو ہاشم اور بنو المطلب میں تقسیم فرمایا کرتے تھے، بنو نوفل اور بنو عبد شمس میں تقسیم نہیں فرماتے تھے اور فرماتے تھے بنو ہاشم اور بنو المطلب ایک ہی ہیں۔

حضرتِ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرتِ ابو رافع حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! صدقہ پہ مقرر کردہ آپ کے فلاں عامل نے مجھے کہا ہے کہ میں اس کا معاون بن جاؤں وہ اس میں سے مجھے بھی حصہ دے گا، رسول اللہ صلی اللہ تعالے علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ ہمارے لئے حلال نہیں ہے اور قوم کے آزاد شدہ غلام بھی انہی کے حکم میں ہوتے ہیں؛"

امامِ مناوی نے فرمایا :-

"حدیث شریف اِنَّمَاهِیَ اَوْسَاخُ النَّاسِ کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ لوگوں کی میل کچیل ہے کیونکہ وہ ان کی آلودگیوں کو پاک کرتا ہے اور ان کے اموال اور نفوس کو صاف کرتا ہے ارشادِ ربانی ہے :-

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا۔

"ان کے مالوں سے صدقہ لیجئے، اس صدقہ کے ذریعے انہیں پاک صاف کیجئے"۔

صدقہ میل آلود پانی کی طرح ہوا لہذا ان کے لئے حرام ہے خواہ اسے وصول کرنے پر ملے یا اس کے بغیر یہاں تک کہ ان کا ایک دوسرے کو صدقہ دینا بھی جائز نہیں ہے، جس شخص نے اس کا استثنار کیا ہے اس نے بہت دور کی بات کہی ہے۔

آلِ پاک میں سے کسی نے حضرتِ فاروقِ اعظم یا کسی اور سے صدقے سے اونٹ طلب کئے تو انہوں نے فرمایا ایک موٹا تازہ آدمی گرمی کے موسم میں جسم کا فلاں فلاں حصہ دھوئے تو کیا آپ اس پانی کو پینا پسند کریں گے؟ اس پر انہوں نے ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا آپ مجھے ایسی بات کہتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا صدقہ لوگوں کی میل کچیل ہے جسے لوگ ادا کرتے ہیں"۔

لی کبیر سیدی شیخ عبدالوہاب شعرانی رضی اللہ تعالے عنہ البحر المورود میں فرماتے ہیں:

"جب حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالے عنہما نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھے صدقہ وصول کرنے پر مقرر فرمائیں تو آپ نے انہیں فرمایا خدا کی پناہ کہ میں تمہیں لوگوں کے گناہوں کے دھونے والے صدقہ پر مقرر کروں۔

بعض ائمہ لغت نے فرمایا وسخ کا استعمال پاخانہ اور اس کے ماسوا پر ہوتا ہے لیکن نبی اکرم صلی اللہ تعالے علیہ وسلم حتی الامکان قبیح چیز کا

ذکر اشارہ و کنایہ میں فرماتے تھے۔

اے بھائی! تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ صدقہ دینے والے کی کمائی کے مطابق میل کی قباحت میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے، اگر صدقہ دینے والا سود خوار ہے یا معاملات میں دھوکہ دہی سے کام لیتا ہے تاجروں سے ظلماً مال لیتا ہے یا رشوت لیتا ہے تو اس کے صدقہ کا حکم پاخانہ یا پیپ جیسا ہے اور اگر معاملہ میں دیانتدار ہے لیکن وہ ایسے ظالموں اور حاکموں کے پاس فروخت کرتا ہے جو ان امور کے مرتکب ہوتے ہیں تو اس کے صدقہ کا حکم پیشاب اور خون کی طرح ہے، اسی پر قیاس کرو کم از کم مرتبہ یہ ہے کہ تھوک کی طرح ہو۔"

علامہ طیبی نے فرمایا :-

" یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ پھر صدقہ کو بعض امتیوں کے لئے کیونکر حلال فرمایا؟ حالانکہ کمالِ ایمان کی علامت یہ ہے کہ اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند کی جائے جو اپنے لئے پسند ہو کیونکہ ان کے لئے صدقہ عام حالات میں جائز نہیں فرمایا بلکہ حالتِ ضرورت میں جائز فرمایا ہے، بہت سی حدیثوں میں مانگنے سے منع فرمایا ہے، محتاط آدمی کے لئے لازم ہے کہ اسے مردار کی طرح جانے، ہاں جو شخص مجبور ہو اور حد سے تجاوز نہ کرے اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔"

علامہ طیبی کا یہ فرمانا کہ بہت سی حدیثوں میں مانگنے سے ممانعت وارد ہے، ان میں سے ایک حدیث یہ ہے :-

" حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے حنین کے مالِ غنیمت میں سے سوال کیا، آپ نے انھیں

ایک سو اونٹ عطا فرمائے ، انہوں نے پھر سوال کیا تو ایک سو اونٹ اور عنایت فرمائے ، انہوں نے پھر سوال کیا تو ایک سو اونٹ اور عطا فرمادئے پھر انہیں فرمایا اے حکیم! یہ مال دلکش اور میٹھا ہے جس نے اسے نفس کی سخاوت کے ساتھ لیا ، اس کے لئے اس میں برکت دی جائے گی اور جس نے خواہشِ نفس سے لیا ، اس کے لئے اس میں برکت نہیں دی جائے گی اور وہ اس شخص کی طرح ہوگا جو کھاتا ہے مگر سیر نہیں ہوتا اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے۔

حضرتِ حکیم نے پہلے سو اونٹ لے لئے اور باقی چھوڑ دئے اور عرض کیا یارسول اللہ! اس ذاتِ اقدس کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ، میں آپ کے بعد کسی سے کوئی چیز نہیں مانگوں گا یہاں تک کہ میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں چنانچہ وہ اسی پر عمل پیرا ہے ، حضرتِ ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما انہیں عطیہ پیش کرتے مگر وہ انکار فرمادیتے (رضی اللہ تعالٰی عنہم)

عارفِ شعرانی فرماتے ہیں :-

" میں نے دیکھا کہ ایک شخص سیدی علی خواص کی خدمت میں کچھ مال لایا ، شیخ کی آنکھوں میں تکلیف تھی ، اس کے باوجود وہ بیٹھے ہوئے کھجور کے پتے بٹ رہے تھے ، اس شخص نے کہا حضرت! یہ دراہم لے لیجئے اور گھر والوں کے اخراجات میں استعمال کیجئے اور یہ بٹائی چھوڑ دیجئے ، شیخ نے وہ مال واپس کر دیا اور فرمایا بخدا! جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو ، میں آنکھوں کی تکلیف کے باوجود بٹائی میں مصروف ہوں میرے لئے اس کمائی سے بھی کھانا اچھا نہیں ہے تو میں تمہاری

کمائی سے کس طرح کھالوں، اس شخص نے کہا حضرت آپ جیسا آدمی اپنے
کاروبار میں کسی قسم کے کھوٹ سے کام نہیں لیتا تو آپ اپنی کمائی سے کھانے
کو کیوں ناپسند رکھتے ہیں؟ فرمایا: یہ صحیح ہے کہ یہاں کھوٹ نہیں ہوتا
(لیکن یہ بھی تو دیکھو) کہ میں کس کے پاس بیچتا ہوں۔ تمام فقہا، تاجر اور دکاندار
وغیرہم جب ان کے پاس کوئی ظالم یا قاضی کوئی چیز خریدنے آتا ہے تو وہ
اسے واپس نہیں کرتے بلکہ اس کے پیسوں پر انتہائی مسرت کا اظہار کرتے
ہیں، جب ہم ظالم و جائر لوگوں سے پیسے لیں گے تو ہم برابر ہوں گے کیونکہ
ان کے پاس جو مال ہے وہ بعینہٖ ہم نے لے لیا ہے۔ اس شخص نے کہا
سیّدی! یہ بات میرے گوشۂ خیال میں نہ تھی، چنانچہ انھیں اسی حال پر
چھوڑ کر یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ اے اولیاء اللہ! آپ صحیح معنوں میں خدا رسیدہ ہیں"
حضرت شیخ کی یہ باریک بینی اس بات کا تقاضا نہیں کرتی کہ دوسروں کو بھی صدقہ کے
قبول کرنے سے روک دیا جائے کیونکہ صدقہ لینا جائز ہے یہاں تک کہ نفل صدقہ اہل بیت
کرام کے لئے بھی جائز ہے جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے
کہ وہ حرام مال سے ہے، صدقہ مباح ہونے کے باوجود اس لائق ہے کہ بلا ضرورت اس
سے اعراض کیا جائے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں غور کرو، تمھیں
معلوم ہو جائے گا:۔

اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی

"اوپر والا ہاتھ (دینے والا) نچلے ہاتھ (لینے والے) سے بہتر ہے"
نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آل پر صدقہ مفروض کی حرمت ثابت ہو چکی ہے،
قول صحیح کے مطابق نفلی صدقہ اگرچہ ان کے لئے جائز ہے لیکن ان کے نفوس شریفہ
اسے پسند نہیں کریں گے، ان میں بہت کم ایسے ہوں گے جو اپنی ایمانی قوت اور

دوررس بصیرت کی بنا پر یہ سمجھیں گے کہ ان کا صدقہ قبول کرنا دینے والے پر احسان ہے۔ ایسی صورت میں جن کے پاس مال نہیں ہے وہ کیسے زندگی بسر کریں گے؟

کیا تم نے نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہیں سنا جو آپ نے انہیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"تمہارے لئے مال غنیمت کے پچیسویں حصہ میں اتنا حصہ ہے جو تمہیں کفایت کرے گا۔"

پچیسواں حصہ ان کا حق ہے، اس کے بدلے ان کے لئے مسلمانوں کے بیت المال (اللہ تعالےٰ اسے آباد رکھے) میں اتنا حصہ ہے جو انہیں کافی ہو اور مقصد تو صرف کفایت ہی ہے، مقصد یہ نہیں ہے کہ ان کے پاس مال بکثرت ہو کیونکہ اس سے نبی اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس طرح کے ارشادات مانع ہیں:۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا

"اے اللہ! آلِ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا رزق قوتِ لایموت بنا"

امام شعرانی فرماتے ہیں:۔

"مالِ دنیا کے کم ہونے کی نعمت، کثرتِ مال کی نعمت سے بڑی ہے کیونکہ یہ انبیاء، واصفیاء کا طریقہ ہے، اگر مال کی قلت افضل اور زیادہ ثواب والی نہ ہوتی تو نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم یہ دعا نہ کرتے کہ اے اللہ! آل محمد کی روزی قوت لایموت بنا اور قوت اتنی روزی کو کہتے ہیں جس سے صبح وشام کچھ نہ بچے، تو جس چیز کو نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اپنے لئے اور اپنے اہل بیت کے لئے پسند فرمائیں اس سے زیادہ کامل اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی"۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اور اہل بیت کے دشمن کے لئے اس کے برعکس دعا فرمائی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:۔

"اے اللہ جو مجھ سے اور میرے اہل بیت سے بغض رکھے اسے مال اور عیال کی کثرت دے۔" (دیلمی)

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں :۔

"ان کے لئے یہ کافی ہے کہ ان کا مال زیادہ ہو تو ان کا حساب لمبا ہوگا ۔ اور یہ کہ ان کے اہل وعیال زیادہ ہوں تو ان کے شیاطین زیادہ ہوں گے۔"

اس سے یہ اشکال نہ ہو کہ حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے لئے بھی ایسی ہی مال کی فراوانی کی دعا فرمائی تھی کیونکہ ان کے لئے یہ نعمت ہے جس کے ذریعے وہ بہت سے امور مطلوبہ تک رسائی حاصل کرسکیں گے بخلاف اعداء کے۔ (ان کے حق میں یہ زحمت ہے)

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اہل بیت کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم تمام انسانوں سے حسب ونسب میں افضل واعلیٰ ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

"اللہ تعالےٰ نے تمام مخلوق کو دو قسموں میں تقسیم کیا تو مجھے بہتر قسم میں بنایا۔"

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے :۔

فَاَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ مَآ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ۔

"میں اصحاب یمین (دائیں جانب والوں) میں سے ہوں اور ان سے افضل ہوں۔ پھر اللہ تعالےٰ نے دو قسموں کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔" اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے :۔

فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ

مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَۃِ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ۔

"برکت والے کیا ہی برکت والے ہیں، نحوست والے کیا ہی نحوست والے ہیں اور سابقین تو سبقت والے ہی ہیں۔"

تو میں سابقین سے ہوں اور ان سے افضل ہوں، پھر تین حصوں کو قبیلوں میں تقسیم کیا تو مجھے بہترین قبیلے میں بنایا۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے :۔

وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔

"تمھیں شاخیں اور قبیلے بنایا تاکہ ایک دوسرے سے واقفیت حاصل کرو۔ بے شک اللہ تعالےٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔"

تو میں اولاد میں سے سب سے زیادہ متقی ہوں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ معزز ہوں اور یہ بات ازراہ فخر نہیں ہے۔

پھر اللہ تعالےٰ نے قبیلوں کو کنبوں میں تقسیم کیا اور مجھے بہترین کنبے میں بنایا، اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے :۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

"اللہ تعالےٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے قبیلہ کنانہ کو منتخب فرمایا، کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم

میں سے مجھے منتخب فرمایا۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے :-

"اللہ تعالےٰ نے مخلوق پیدا فرمائی تو اس میں سے بنی آدم کو منتخب فرمایا پھر بنی آدم سے عرب کو عرب سے مضر کو مضر سے قریش کو قریش سے بنی ہاشم کو پھر بنی ہاشم سے مجھے منتخب فرمایا تو میں بہترین لوگوں سے بہترین لوگوں کی طرف منتقل ہوتا رہا۔

امام احمد اور محاملی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے جبرائیل امین نے فرمایا :-

"میں نے زمین کے مشرق و مغرب الٹ ڈالے لیکن میں نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے افضل کسی کو نہیں پایا، اور میں نے زمین کے مشرق و مغرب چھان ڈالے مگر مجھے بنی ہاشم سے زیادہ فضیلت والے کسی باپ کے بیٹے نہیں ملے۔" حافظ ابن حجر نے فرمایا اس حدیث میں صحت کے انوار جگمگا رہے ہیں۔

حضرت جعفر صادق اپنے والد ماجد حضرت محمد باقر رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے راوی ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا :-

"میرے پاس جبرائیل امین تشریف لائے اور کہا یا رسول اللہ! مجھے اللہ تعالےٰ نے بھیجا، میں زمین کے مشرق و مغرب، نرم زمین اور پہاڑوں میں پھرا تو میں نے عرب سے افضل کوئی خاندان نہیں پایا پھر مجھے حکم فرمایا تو میں عرب میں پھرا مجھے مضر سے افضل کوئی قبیلہ نہیں ملا، پھر مجھے حکم دیا میں

لہ امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں ؎

یہی بولے سدرہ والے چمن جہاں کے تھالے   سبھی میں نے چھان ڈالے ترے پایہ کا نہ پایا   تجھے یک نے یک بنایا

مضر میں پھر اتو میں نے کنانہ سے افضل کوئی قبیلہ نہ پایا پھر مجھے حکم دیا میں کنانہ میں پھرا تو میں نے قریش سے بہتر کوئی قبیلہ نہ پایا پھر مجھے حکم دیا میں قریش میں پھرا تو میں نے بنی ہاشم سے بہتر کوئی قبیلہ نہ پایا پھر مجھے ان میں سے کسی کے منتخب کرنے کا حکم دیا تو میں نے اپ سے افضل کسی کو نہ پایا۔

امام احمد نے جید سند حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم منبر شریف پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا:۔

"میں کون ہوں؟ صحابہ نے عرض کیا آپ اللہ تعالےٰ کے رسول ہیں فرمایا میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں، اللہ تعالےٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اسے دو گروہوں میں تقسیم کیا اور مجھے بہترین گروہ میں فرمایا، قبیلوں کو پیدا فرمایا تو مجھے بہترین قبیلے میں فرمایا، انہیں کنبوں میں تقسیم فرمایا تو مجھے بہترین خانوادے میں فرمایا۔"

نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"قیامت کے دن میں اپنی امت میں سب سے پہلے اپنے اہل بیت کی شفاعت کرونگا، پھر قریش میں سے درجہ بدرجہ زیادہ قرب رکھنے والوں کی، پھر انصار کی پھر یمن والوں کی جو مجھ پر ایمان لائے اور میرے متبع ہوئے پھر باقی عرب کی، پھر عجمیوں کی شفاعت کرونگا اور میں جس کی پہلے شفاعت کروں گا وہ زیادہ فضیلت والا ہے۔"

(یہ حدیث طبرانی اور دارقطنی نے مرفوعاً روایت کی)

یہ صحیح حدیثیں اور مرفوع نصوص دلالت کرتی ہیں کہ اہل بیت تمام لوگوں سے حسب و نسب میں افضل ہیں اور اس پر یہ مسئلہ مبنی ہے کہ نکاح میں ان کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔ متعدد آئمہ نے اس کی تصریح کی ہے، امام سیوطی خصائص کبریٰ میں فرماتے ہیں:۔

"نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ کوئی مخلوق نکاح میں آپ کے اہلِ بیت کا ہمسر نہیں ہے۔" [۱]

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تعلق اور نسب کے علاوہ ہر تعلق اور نسب منقطع ہو جائے گا جیسے کہ صحیح حدیث میں وارد ہے، وہ حدیث مقصدِ اول میں گزر چکی ہے۔

روایتِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرتِ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے لئے حضرتِ علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو حضرتِ ام کلثوم بنت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کا پیغام دیا، حضرتِ علی نے ان کی کم سنی کا عذر پیش کیا اور یہ کہ میں ان کا نکاح اپنے بھائی حضرتِ جعفر کے صاحبزادے سے کرنا چاہتا ہوں۔ حضرتِ فاروقِ اعظم نے اصرار کیا، پھر منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور فرمایا:۔

"اے لوگو! میں نے حضرتِ علی سے ان کی صاحبزادی کے بارے میں اس لئے اصرار کیا ہے کہ میں نے نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ قیامت کے دن میرے تعلق، نسب اور رشتۂ ازدواج کے علاوہ ہر تعلق، نسب اور رشتۂ ازدواج منقطع ہو جائے گا۔"

حضرتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں حضرتِ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[۱] امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں "سیدزادی اگر کسی مغل پٹھان یا شیخ انصاری سے بے رضائے ولی نکاح کرے گی، نکاح ہی نہ ہوگا، جب تک بہ سبب علم دین مکافات ہو کر کفاءت نہ ہو گئی ہو، یوں ہی اگر غیر اب وجد بہ شرائط معلومہ نابالغہ کا ایسا نکاح کر دیں وہ بھی باطل و مردود محض ہے۔"
(اراءۃ الادب لفاضل النسب مطبوعہ مکتبہ قاسمیہ، حیدرآباد، ص ۶)

کے پاس بھیجا۔ جب آپ نے انہیں دیکھا تو احتراماً اٹھ کھڑے ہوئے، انہیں اپنے پاس بٹھایا اور محبت و شفقت سے پیش آئے اور ان کے لئے دعا کی، جب وہ واپس آنے لگیں تو انہیں فرمایا اپنے والدِ ماجد سے کہنا کہ میں راضی ہوں۔

جب وہ گھر آئیں تو حضرتِ علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے پوچھا کہ انہوں نے تمہیں کیا کہا؟ تو انہوں نے تمام صورتِ حال بیان کی اور ان کا پیغام بتایا، حضرتِ علی نے ان کا نکاح حضرتِ فاروقِ اعظم سے کر دیا، ان سے حضرتِ زید پیدا ہوئے جو جوان ہو کر فوت ہوئے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) (ملخصاً)

علامہ طیبی نے فرمایا :-

" نسب کا مطلب ہے آباء کی طرف سے ولادتِ قریبہ کا تعلق، صہر وہ رشتہ داری ہے جو نکاح سے پیدا ہو اور سبب بھی اسی طرح کا تعلق ہے جو شادی سے پیدا ہوتا ہے "

اس حدیث اور اس جیسی دوسری حدیثوں سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف انتساب کا بہت فائدہ ہے۔

دوسری حدیثوں میں جو آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اہلِ بیتِ کرام کو خوفِ خداوندی، تقویٰ اور طاعتِ الٰہی پر ابھارا اور فرمایا کہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کر سکتا وہ اس کے منافی نہیں ہے کیونکہ آپ از خود کسی کے نفع و ضرر کے مالک نہیں ہیں لیکن اللہ تعالےٰ آپ کو اقرباء کے نفع کا مالک بنا دیگا، آپ کے اس ارشاد کہ " میں تمہیں کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتا " کا مطلب یہ ہے کہ محض اپنے طور پر شفاعت یا مغفرت کے ذریعے اللہ تعالےٰ کے معزز فرمائے بغیر فائدہ نہیں دے سکتا، ان سے یہ خطاب مقامِ تخویف کی رعایت سے فرمایا۔

فائدہ : جو شخص نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوا سے

نہیں کہ جو کچھ ذکر ہوا اس پر کلی اعتماد کرلے[1] اور علم و عمل کی ضرورت محسوس نہ کرے، کیونکہ یہ تمام اس کے لئے ہیں جو فی الواقع نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے تعلق رکھتا ہو اور آپ کے اہلِ بیت میں سے ہو، اور اس کا یقین کیسے ہو سکتا ہے؟ کیونکہ ہو سکتا ہے کچھ عورتوں سے لغزش ہوئی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض اصول نے منسوب ہونے میں غلط بیانی کی ہو، اگرچہ یہ احتمال خلافِ ظاہر ہے (لیکن اسے بالکل نظر انداز نہیں کیا جا سکتا) علاوہ ازیں اہلِ بیت کے اکابر سے منقول ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شدید خشیت، اس کے عذاب کے عظیم خوف اور معمولی سی کوتاہی پر بکثرت افسوس کرنے کے خوگر تھے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

چوتھی خصوصیّت

صحابہ کرام کے زمانے میں اصطلاح یہ تھی کہ اشراف (سادات) کا اطلاق صرف اہلِ بیت پر کیا جاتا تھا، دوسروں پر نہیں، پھر یہ لقب حسنی اور حسینی سادات کے ساتھ مخصوص ہو گیا۔

علامہ سیوطی رسالہ زینبیہ میں فرماتے ہیں:۔

"صحابہ کرام کے زمانہ میں شریف (سیّد) کا اطلاق ہر اس فرد پہ کیا جاتا تھا جو اہلِ بیتِ کرام میں سے ہو خواہ حسنی حسینی ہو یا علوی، حضرتِ محمد بن حنفیہ کی اولاد میں سے ہو یا ان کے علاوہ حضرتِ علی مرتضیٰ کی اولاد میں سے، نیز حضرتِ جعفر کی اولاد ہو یا حضرتِ عقیل کی یا حضرتِ عباس

---

[1] علامہ ابن حجر مکی قدس سرہ فرماتے ہیں "تمام لوگوں پر عموماً اور اہلِ بیت پر خصوصاً چند امور کی رعایت لازم ہے (۱) علوم شرعیہ کے حاصل کرنے کا اہتمام کرنا کیونکہ علم کے بغیر نسب کا (کامل) فائدہ نہیں ہے۔ (۲) آباء پر فخر نہ کرنا اور علوم دینیہ حاصل کئے بغیر محض ان پر اعتماد نہ کرنا کیونکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ تم میں سے بارگاہِ الٰہی میں زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔
(الصواعق المحرقہ، ص ۱۸۱)

کی، جب مصر میں فاطمی حضرات مسند آرائے خلافت ہوئے تو انہوں نے شریف (سید) کا اطلاق حضرتِ حسن وحسین کی اولاد کے ساتھ خاص کر دیا، مصر میں آج تک یہ اصطلاح جاری ہے۔"

میں کہتا ہوں کہ اس وقت یہ اصطلاح شرق و غرب کے بلادِ اسلامیہ میں مشہور ہے، جب عربی میں شریف کا لفظ بولا جائے گا تو اس سے حسنی یا حسینی سید مراد ہوں گے۔ بہت سے شہروں میں یہ اصطلاح بھی عام ہے کہ سید کا لفظ بھی صرف حسنی اور حسینی سادات پر بولا جاتا ہے۔ جب یہ لفظ بولا جائے گا تو ان کے سوا کوئی مراد نہیں ہوگا۔ یہ اہلِ حجاز کے ماسوا کی اصطلاح ہے، اہلِ حجاز کی اصطلاح یہ ہے کہ شریف کا استعمال حسنی سادات کے لئے اور سید کا استعمال حسینی سادات کے لئے کرتے ہیں تاکہ ان دونوں میں فرق واضح ہو جائے۔

علامہ ابنِ حجر مکی فرماتے ہیں :-

"اگر کوئی چیز اشراف کے لئے وقف کی گئی یا ان کے لئے وصیت کی گئی تو ان میں حضراتِ حسنین کریمین کی اولاد کے علاوہ کوئی داخل نہ ہوگا کیونکہ وقف اور وصیت کا دار و مدار شہر کے عرف پر ہے اور مصر وغیرہ کا عرف یہ ہے کہ اشراف کا استعمال صرف حضراتِ حسنین کریمین کی اولاد کے لئے ہوتا ہے، حجاز کا لبعد والاعرف تم پہچان چکے ہو۔"

ان کے ساتھ سبز عمامہ کے مختص ہونے کی اصلیت یہ ہے کہ مصر کے بادشاہ الاشرف شعبان بن حسین نے ۷۷۳ھ میں ان کی عزت و تکریم کے لئے یہ اہتمام کیا کہ صرف ان کی پگڑی پر سبز علامت لگائی جائے تاکہ شریف اور غیر شریف کا امتیاز ہو جائے، پھر اس علامت میں توسیع کی گئی کہ تمام پگڑی سبز پہنی جانے لگی۔ اس بارے میں ادباء نے شعر کہے۔

جابر بن عبداللہ اندلسی کہتے ہیں :-

" لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد کے لئے علامت مقرر کی ہے ،

علامت تو اس شخص کے لئے ہوتی ہے جو مشہور نہ ہو ،

ان کے چہروں میں نورِ نبوت کی چمک دمک ،

شریف کو سبز علامت سے بے نیاز کر دیتی ہے ۔"

شمس الدین محمد بن ابراہیم دمشقی کہتے ہیں :-

" اشراف کی علامت کے لئے پگڑیوں کے کنارے سبز ریشم سے قرار پائے ہیں ۔"

سلطان اشرف نے از راہِ شرافت انہیں اس سے مختص کیا ہے تاکہ انہیں دوسروں سے ممتاز کر دے ۔ اس رنگ کے اختیار کرنے کا سبب ممکن ہے یہ ہو کہ یہ رنگ تمام رنگوں سے افضل ہے یا اس لئے کہ قیامت کے موقف میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اسی رنگ کا حلہ پہنایا جائے گا یا اس لئے کہ جنتیوں کے لباس کا یہی رنگ ہو گا ۔ (اسعاف)

امام سیوطی فرماتے ہیں :-

" اس علامت کا پہننا مباح بدعت ہے ، جو شخص اسے استعمال کرنا چاہے ، وہ شریف ہو یا غیر شریف ، اسے منع نہیں کیا جائے گا ، شریف یا غیر شریف کو اس کے ترک کا حکم نہیں دیا جائے گا ، کوئی بھی ہو اسے اس علامت سے منع کرنا امرِ شرعی نہیں ہے کیونکہ لوگوں کا نسب ثابت اور معروف ہے ، اس علامت کے پہننے کا شرعی حکم وارد نہیں ہے لہٰذا اباحت و ممانعت میں شریعت کی پیروی کی جائے گی ۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا

ہے کہ اشراف اور غیر اشراف میں امتیاز کے لئے یہ علامت مقرر کی گئی ہے، اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے تائید حاصل کی جا سکتی ہے :-

یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنَاتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ۔

" اے غیب کی خبر دینے والے ! اپنی بیویوں ، بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو فرما دیجئے کہ اپنی اوڑھنیاں اپنے جسموں سے ملا کر رکھیں، یہ اس کے قریب ہے کہ پہچانی جائیں تو انہیں اذیت نہ دی جائے ۔"

بعض علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ علماء کا مخصوص لباس ہونا چاہئے تاکہ پہچانے جائیں اور علم کی بنا پر ان کی تعظیم کی جائے، یہ اچھا طریقہ ہے ۔"

علامہ صبان نے فرمایا :-

" جس آیت سے سبز علامت پہننے پر تائید حاصل کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سبز علامت کا پہننا شرافت کے لئے مستحب ہے اور اسی پر اعتماد ہونا چاہئے، ان کے غیر کے لئے مکروہ ہے کیونکہ واقع میں جس کی اولاد ہے اسے سبز علامت پہن کر زبانِ حال سے اپنی نسبت اس کے غیر کی طرف کر رہا ہے اور یہ ممنوع ہے، اور اس سے ڈرایا گیا ہے ۔ اس زمانے میں اس علامت پر اکتفاء

نہیں کیا گیا بلکہ تمام عمامہ کا رنگ سبز کر دیا گیا ہے اور اس کا حکم بھی وہی ہے جو اس علامت کا ہے۔"

یہ ان شہروں میں ظاہر ہے جن کے باشندے اس اصطلاح پر قائم ہیں کہ سبز عمامے اشراف سے مختص ہیں مثلاً مصر دوسرے شہروں مثلاً قسطنطنیہ میں یہ اصطلاح نہیں ہے کیونکہ ان شہروں میں سبز علامت اشراف میں سے ہونے پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ وہاں علماء، طلباء اور عمامہ استعمال کرنے والے عام طور پر سبز عمامہ استعمال کرتے ہیں، بعض اوقات میں کم اور سردیوں میں بکثرت استعمال کرتے ہیں کیونکہ اس میں میل ظاہر نہیں ہوتی بلکہ کاروباری اور تاجر قسم کے لوگ بھی اسی سبب سے سبز عمامے بکثرت استعمال کرتے ہیں۔

اسی طرح لفظِ سیّد اُن کے نزدیک اشراف کے ساتھ خاص نہیں ہے، تم صرافہ بازار میں جا کر کوشش کرو کہ تمہیں کوئی ایسی مُہر دکھائی دے جس پر سیّد نہ لکھا ہو تو شاید ہی تمہیں ایسی مہر نظر آئے، سوائے اس شخص کے جو سیّد شریف صحیح النسب ہو یا دیندار اور باحیا آدمی ہو، اشراف اپنی مہروں میں لفظِ سیّد نہیں لکھتے اس خوف سے کہ ان کے نسب میں اشتباہ واقع نہ ہو جائے کیونکہ دوسرے لوگ اس وقت کثرت سے لفظ سیّد کا استعمال کرنے لگے ہیں اسی لئے تم اکثر اشراف خاص طور پر حجاز کے اشراف کو دیکھو گے کہ اسی حکمت کے تحت وہ سبز عمامے نہیں پہنتے کیونکہ تمیز زائل ہو چکی ہے اور پیتل، سونے سے مخلوط ہو گیا ہے، اشراف اپنے نسب سے معروف ہیں نہ کہ القاب سے، وہ خاندانی طور پر مشہور ہیں نہ کہ کپڑوں سے، اس شخص نے بڑی غلطی کی جس نے یہ سمجھا کہ شرافت رنگوں سے ہے یا سیّد کہنے سے، اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے اپنی حد پہچانی اور وہاں ٹھہر گیا اور جس نے اپنا مقام پہچانا اور اس سے آگے نہ بڑھا،

کیونکہ جھوٹ کا انجام مختصر ہے اور صاحب بصیرت پر کھنے والے پر کھوٹا مخفی نہیں رہ سکتا۔

پانچویں خصوصیت

یہ ہے کہ ان پر ان میں سے نقیب (سرپرست) مقرر کئے جاتے ہیں، در اصل یہ نقابت اس لئے مقرر کی گئی ہے کہ کہیں ان پر ایسا شخص مسلط نہ ہو جائے جو نسب میں ان کا ہمسر نہ ہو اور شرافت میں ان کے برابر نہ ہو، اس کے لئے ان میں سے وہ شخص مقرر کیا جائے گا جو اعلیٰ گھرانے کا فرد ہو، فضیلت میں زیادہ ہو اور بہترین رائے کا مالک ہو تاکہ اس میں سرداری اور سیاست کی شرطیں مجتمع ہوں اور دیگر حضرات اس کی سرداری کی بنا پر جلد اس کی اطاعت کریں اور ان کے معاملات اس کے حسنِ انتظام سے درست ہو جائیں۔

جو شخص نقیب بنے گا اسے بارہ حقوق لازم ہوں گے :-

۱۔ ان کے انساب کی حفاظت کرے گا جو شخص سید نہیں مگر سید کہلاتا ہے یا جو شخص سید ہے لیکن لوگ اسے سید ہونے کی حیثیت سے نہیں جانتے، ان کی نشاندہی کرے گا۔

۲۔ ان کے انساب اور شاخوں کی شناخت رکھے گا اور جدا جدا ان کا نام رجسٹر میں درج کرے گا۔

۳۔ ان کے ہاں جو لڑکا یا لڑکی پیدا ہو گی اسی طرح جو اُن میں سے فوت ہو گا، اس کے بارے میں واقفیت رکھے گا اور اس کا اندراج کرے گا۔

۴۔ انہیں ان کے نسب کی شرافت اور اصل کی عمدگی کے مطابق آداب سکھائیگا تاکہ لوگوں کے دلوں میں ان کی عزت زیادہ سے زیادہ ہو اور رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی عزت ان میں محفوظ ہو۔

۵۔ انہیں حقیر ذرائعِ معاش اور خبیث مطالب سے منع کرے گا تاکہ ان میں سے کسی کو کم مرتبہ نہ جانا جائے اور کسی پر زیادتی نہ کی جائے۔

۶۔ انہیں گناہوں اور حرام کاموں کے ارتکاب سے منع کرے تاکہ جس دین کی انہوں نے امداد کی تھی، اس کے حق میں وہ زیادہ غیرت مند ہوں اور جن ناپسندیدہ چیزوں کو انہوں نے ختم کیا تھا، ان سے نہایت درجہ بیزار ہوں اس طرح کوئی زبان ان کی مذمت نہ کر سکے گی اور کوئی انسان ان کی برائی نہ کر سکے گا۔

۷۔ انہیں اپنی شرافت اور نسبی فضیلت کی وجہ سے عوام پر مسلط ہونے اور حد سے بڑھنے سے روکے کیونکہ اس سے ناپسندیدگی، بغض، اجنبیت اور دُوری پیدا ہوگی، انہیں تالیفِ قلوب اور دلداری کے طریقے سکھائے تاکہ ان کی طرف لوگوں کا میلان بڑھے اور ان کے لئے دلوں کی صفائی میں اضافہ ہو۔

۸۔ حقوق کے حصول میں ان کا مددگار ہو تاکہ وہ بے بس نہ ہو جائیں اور ان پر کسی کا حق ہو تو ان سے حق دلائے تاکہ وہ حقداروں کا حق روک کر نہ رکھیں، ان کی امداد کرنے سے وہ اپنا حق حاصل کر لیں گے اور ان سے حق دلانے سے وہ منصف بن جائیں گے، سیرت و کردار کا اچھا پہلو دوسرے کا حق دینا اور اپنا حق حاصل کرنا ہے۔

۹۔ بیت المال سے ان کے حقوق کے حصول میں ان کا وکیل ہوگا۔

۱۰۔ ان کی عورتیں چونکہ دوسری عورتوں پر شرافت رکھتی ہیں، ان کے انساب کی حفاظت اور ان کی عزت و حرمت کے پیشِ نظر انہیں غیر کفو میں نکاح کرنے سے منع کرے گا۔

۱۱۔ ان میں سے غیر محتاط افراد کو طریقِ راستی سکھلائے گا اور اگر ان میں سے کسی سے لغزش سرزد ہو جائے تو اسے پند و نصیحت کے بعد معاف کر دیگا۔

۱۲۔ اس بات کی کوشش کرے گا کہ وہ اپنے اصول کی حفاظت اور اولاد کی

نشو ونما سے واقفیت حاصل کریں اور شرائط واوصاف کے مطابق ان کی اولاد (رشتے ملنے کے لحاظ سے) ان میں تقسیم کرے گا۔

ان کے علاوہ نقیبِ عام میں پانچ چیزوں کا اضافہ ہوگا :-

۱- ان کے اختلافات میں فیصلہ کرے گا۔

۲- ان کے یتیموں کی ملکیت میں جو کچھ ہوگا اس کی سرپرستی کرے گا۔

۳- اگر ان سے کوئی جرم سرزد ہو تو ان پر حد قائم کرے گا۔

۴- ان کی بیوہ عورتوں کا نکاح کرے گا جن کا کوئی ولی نہیں ہے یا ولی ہے لیکن اس نے انہیں روک رکھا ہے۔

۵- ان میں سے جو فاترالعقل ہے یا کبھی صحیح اور کبھی فاترالعقل ہے، اس پر پابندی عائد کردیگا۔

(یہ امام ماوردی کی کتاب الاحکام السلطانیہ کے ایک حصے کا خلاصہ ہے)
گذشتہ ادوار میں سادات کرام کے نقیب اسی طرح با اختیار ہوتے تھے لیکن اس وقت نہ تو ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کی جاتی ہے اور نہ ہی وہ کسی کے فائدے اور نقصان کے مالک ہیں۔

چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں سے بے عمل کی تعظیم و توقیر مطلوب ہے، اور یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ ان کا گناہ بخشا جائے گا اور اللہ تعالےٰ ان کی تقصیرات سے ضرور درگزر فرمائے گا اگرچہ اس طرح ہو کہ اللہ تعالےٰ انہیں موت سے پہلے خالص توبہ کی توفیق عطا فرمادے۔

ارشادِ ربانی ہے :-

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔

اور نبی اکرم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا :-

" اے بنی عبدالمطلب ! میں نے اللہ تعالٰے سے تمہارے لئے تین چیزوں کی دعا کی ہے :

۱۔ تمہارے باعمل کو ثابت قدمی عطا فرمائے۔

۲۔ تمہارے بے راہ کو ہدایت عطا فرمائے۔

۳۔ تمہارے بے علم کو علم عطا فرمائے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کا یہ ارشاد گزر چکا ہے :

"بے شک فاطمہ نے اپنی پاکدامنی کی حفاظت کی تو اللہ تعالٰے نے انہیں اور ان کی اولاد کو آگ پر حرام فرما دیا ۔"

اس کے علاوہ دیگر احادیث گزر چکی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یقیناً عذاب میں مبتلا ہوئے بغیر جنت میں جائیں گے لہذا اس جگہ ان کے دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ان کے فاسق کی عزت اس لئے مطلوب ہے کہ اس کی عزت اس کے فسق کی بنا پر نہیں بلکہ اس کے پاک اصل اور مبارک نسب کی بنا پر ہے اور یہ ان کے صالح کی طرح فاسق میں بھی موجود ہے، کسی کا فاسق ہونا اسے بیتِ نبوت سے خارج نہیں کرتا، وہ ایسے انسان ہیں جو معصوم نہیں ہیں لہذا یہ فسق ان کے نسب میں خلل انداز نہیں ہو گا، اگرچہ ان کے رفیع القدر مرتبہ کے لئے عیب ہے اور صالحین کے درمیان ان کے مقام کو کم کر دیتا ہے۔

مقریزی نے فرمایا کہ مجھے شیخ کامل یعقوب بن یوسف قرشی مکناسی نے بیان کیا کہ مجھے ابو عبد محمد فاسی نے بتایا کہ :

" میں مدینہ طیبہ کے بعض سادات بنو حسین سے بغض رکھتا تھا

کیونکہ مجھے معلوم ہوا تھا کہ وہ خلافِ سنت افعال کے مرتکب ہیں، ایک دن میں مسجد نبوی میں روضۂ مبارکہ کے سامنے سو گیا، مجھے نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، آپ نے مجھے میرا نام لیکر فرمایا کیا بات ہے میں دیکھتا ہوں کہ تم میری اولاد سے بغض رکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! خدا کی پناہ! میں انہیں ناپسند نہیں رکھتا، مجھے سنت کے خلاف ان کا عمل ناپسند ہے، آپ نے فرمایا کیا یہ فقہی مسئلہ نہیں ہے کہ نافرمان اولاد نسب سے وابستہ رہتی ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں، فرمایا یہ نافرمان اولاد ہے، میں بیدار ہوا تو میرے دل سے ان کی عداوت دور ہو چکی تھی، پھر تو میں ان میں سے جس کسی سے ملتا اس کی خوب عزت و تکریم کرتا تھا۔

اے سیدِ گرامی! ملاحظہ فرمایئے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اہلِ سنت سے تعصب رکھنے والے کو نافرمان بچہ فرمایا، آپ جانتے ہیں کہ والدین کوئی سے بھی ہوں ان کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے، آپ کے اپنے جدِ کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے حقوق کے بارے میں کیا خیال ہے؟

علامہ ابنِ حجر نے فتاویٰ کے خاتمہ میں فرمایا :-

"جس شخص کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے اہلِ بیت اور حضرتِ علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے خانوادے سے قائم ہو اس کا بڑا جرم اور دیانت اور پرہیزگاری سے عاری ہونا اسے نسبِ عالی سے خارج نہیں کر دے گا، اسی لئے بعض محققین نے فرمایا (خدانخواستہ اگر) کسی سید سے زنا، شراب نوشی یا چوری سرزد ہو جائے اور ہم اس پر حد جاری کر دیں تو اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی امیر یا بادشاہ کے پاؤں کو

غلاظت لگ جائے اور اس کا کوئی خادم اسے دھو ڈالے۔

ان کی یہ مثال صحیح اور برحق ہے، ان کے بارے میں بعض لوگوں کا یہ قول لائق توجہ ہے کہ نافرمان بچہ وراثت سے محروم نہیں ہوتا، ہاں معاذ اللہ! اگر بالفرض اہل بیت کے کسی فرد سے کفر سرزد ہو جائے تو اس کی نسبت اسے شرافت بخشنے والی ذات کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منقطع ہو جائے گی۔

میں نے بالفرض کی قید اس لئے لگائی ہے کہ مجھے قریباً قریباً یقین ہے کہ اس شخص سے کفر واقع نہیں ہو گا جس کے نسب صحیح کا اتصال محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یقینی ہو، اللہ تعالیٰ انہیں اس سے محفوظ رکھے۔ بعض حضرات نے تو یہاں تک کہا ہے کہ جن کی سیادت یقینی ہے ان سے زنا، لواطت وغیرہ کا وقوع محال ہے، کفر کا تو سوال ہی کیا ہے؛

یہ تمام تفصیل اس شخص کے بارے میں ہے جس کی سیادت یقینی ہے، جس شخص کی سیادت مشکوک ہو اگر اس کا نسب شرعی ثابت ہے تو اس کی سیادت کے پیش نظر ہر شخص پر اس کی تعظیم واجب ہے اور شرعی طور پر اس کی ناپسندیدہ خصلتوں پر انکار لازم ہے کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ سیادت سے یہ لازم نہیں کہ فسق نہ پایا جائے اور اگر شرعاً اس کا نسب ثابت نہیں ہے لیکن وہ اس نسب کا دعویدار ہے اور اس کا جھوٹ معلوم نہیں ہے تو اس کی تکذیب میں توقف کیا جائے گا کیونکہ لوگ اپنے انساب کے امین ہیں لہذا اس کا حال اس کے سپرد کر دینا چاہیے جو انسان

بچ سکتا ہے اسے زہر نہیں پینا چاہیئے۔ جب لوگ کسی ولی کی طرف منسوب افراد کا پاس کرتے ہیں اور اس نسبت کے سبب ان کی تعظیم کرتے ہیں تو حضور سید عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب حضرات کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اللہ تعالےٰ آپ کی عزت و شرافت میں مزید اضافہ فرمائے اور ہمیں آپ کے اور آل و اصحاب کے محبین کے گروہ میں شامل فرمائے، آمین۔"

یہ انتہائی تحقیقی کلام ہے سوائے اس بات کے کہ :

" قریباً قریباً مجھے یقین ہے کہ حقیقت کفر اُن سے واقع نہیں ہوگی"

کیونکہ مقصد اول میں آیت تطہیر اور وہ احادیث گزر چکی ہیں جن سے یقینی طور پر ان کا جنتی ہونا اور قیامت کے دن ان کے نسب کا منقطع نہ ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس سے پتا چلتا ہے کہ ان سے حقیقی کفر یقیناً سرزد نہیں ہوگا۔

اُن کا یہ ارشاد :

" اگر اس کا نسب شرعاً ثابت نہیں اور وہ اس نسب کا دعویدار ہے"

بہترین کلام ہے۔ البحر المورود میں سیدی عبدالوہاب شعرانی کا یہ ارشاد اس سے بھی بہتر ہے :-

" اے بھائی ہمارا اس سید کی عزت کرنا جس کی سیادت کے صحیح ہونے میں طعن کیا گیا ہو، رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں صحیح النسب سید کی تعظیم سے زیادہ مقبول ہے کیونکہ صحیح النسب سید کی تعظیم کرنا کسی کے لئے اتنی بڑی فضیلت نہیں ہے جتنی کہ غیر ثابت النسب سید کی محض نسبت کی بنا پر تعظیم کرنے میں فضیلت ہے۔"

ساتویں خصوصیت قیامت کے دن نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی ذاتِ کریم سے ان کے نسب کا متصل ہونا اور ان کا اس اتصال سے فائدہ حاصل کرنا جب کہ دوسرے نسب منقطع ہو جائیں گے اور ان سے فائدہ حاصل نہ کر سکے گا جیسے کہ حدیث شریف میں تصریح ہے :-

" میرے نسب اور تعلق کے علاوہ ہر نسب اور تعلق منقطع ہو جائیگا "

ایک اور حدیث میں ہے :-

" ان لوگوں کا کیا حال ہے جو کہتے ہیں قیامت کے دن رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی رشتہ داری فائدہ نہ دے گی ، ہاں میری رشتہ داری دنیا و آخرت میں متصل ہے ، اے لوگو! میں حوض پر تمہارے لئے پیش رَو ہونگا "

اللہ تعالےٰ کا یہ ارشاد :

لَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ

" ان کے درمیان رشتے داریاں نہیں ہوں گی "

ساداتِ کرام کے ماسوا کے ساتھ مخصوص ہے ۔

آٹھویں خصوصیت ان کا زمین میں موجود ہونا زمین والوں کے لئے باعثِ امن ہے جیسے کہ احادیث میں وارد ہے مثلاً نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

" ستارے آسمان والوں کے لئے باعثِ امن ہیں اور میرے اہلِ بیت زمین والوں کے لئے باعثِ امن ہیں "

ایک روایت میں ہے :-

" میری امت کے لئے باعثِ امن ہیں "

اس کی شرح مقصدِ اول میں گزر چکی ہے، حدیث کے شارحین نے بالاتفاق اہلِ بیت کی تفسیر اولادِ اطہار سے کی ہے، صرف حکیم ترمذی اس طرف گئے ہیں کہ ان سے ابدال مراد ہیں، اس سے پہلے ان پر رد گزر چکا ہے، دیکھنا چاہیں تو اسے ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ ابنِ حجر نے فرمایا :۔

" دوسری صاحبزادیوں کی اولاد کی بجائے صرف حضرتِ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد کے اس شرافت سے مختص ہونے کی حکمت وہ فضائلِ کثیرہ ہیں جن سے حضرتِ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی بہنوں میں ممتاز ہیں مثلاً :

۱۔ اللہ تعالیٰ نے زمین میں حضرتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح سے پہلے آسمان میں ان کا نکاح حضرتِ علی سے کر دیا تھا۔

۲۔ انہیں اپنی بہنوں میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔

۳۔ ان کا یہ امتیاز ہے کہ ان کا نام زہرا (تروتازہ پھول) رکھا گیا یا تو اس لئے کہ بغیر کسی بیماری کے انہیں حیض نہ آتا تھا تو وہ جنتی عورتوں کی طرح ہوئیں یا اس لئے کہ وہ جنتی عورتوں کے انداز پر پاک اور صاف تھیں یا کچھ اور وجوہ ہوں گی۔

کوئی بعید نہیں کہ ان کی اولاد کے دنیا میں باقی رہنے اور عمومِ فتن سے دنیا کے لئے باعثِ امن ہونے کی حکمت یہ اور ان جیسے دیگر فضائل ہوں، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی کر وہ قرآنِ پاک کی طرح ہیں، ارشاد فرمایا :

میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، کتاب اللہ اور
اور اپنی عترتِ طاہرہ، جب تک تم ان دونوں کو تھامے رہو گے ہرگز
گمراہ نہیں ہو گے۔"

علامہ ابنِ حجر نے فرمایا :-

" نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے جدِ اطہر کی خبر ہونے کی
فضیلت حضرتِ فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی اولاد کے ساتھ مخصوص نہیں
ہے، محققین نے تصریح کی ہے کہ اگر حضرتِ زینب کی اولاد حضرتِ
ابوالعاص سے زندہ رہتی یا حضرتِ رقیہ اور حضرتِ ام کلثوم کی اولاد
حضرتِ عثمانِ غنی سے زندہ رہتی تو ان کی فضیلت و سیادت وہی
ہوتی جو اولادِ فاطمہ کی ہے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

نویں خصوصیت یہ ہے کہ وہ پہلے جنت میں داخل ہوں گے، امام ثعلبی نے
حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی کہ میں نے
بارگاہِ رسالت میں لوگوں کے حسد کی شکایت کی تو حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم نے فرمایا :-

" کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ تم چار میں سے چوتھے ہو؟
سب سے پہلے جنت میں میں، تم اور حسین کریمین داخل ہوں گے،
ہماری ازواجِ مطہرات ہمارے دائیں اور بائیں ہوں گی اور ہماری
اولاد ہماری ازواج کے پیچھے ہو گی۔"

دسویں خصوصیت یہ ہے کہ وہ حضرتِ فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی اولاد
ہونے کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی اولاد
کہلاتے ہیں اور آپ ہی کی طرف صحیح نسبت کے ساتھ منسوب ہیں۔

امامِ طبرانی نے یہ حدیث بیان کی ہے :۔

" اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی اولاد ان کی پشت میں رکھی اور میری اولاد علی بن ابی طالب کی پشت میں رکھی ہے"

اور نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد :۔

" ہر ماں کی اولاد اپنے (پدری) رشتہ داروں کی طرف منسوب ہوتی ہے، ماسوا اولادِ فاطمہ کے کہ میں ان کا ولی ہوں اور ان کا عصبہ ہوں"

اسعاف میں ہے :۔

" یہ خصوصیت صرف حضرتِ فاطمہ کی اولاد کے لئے ہے، دوسری صاحبزادیوں کی اولاد کے لئے نہیں ہے، ان کے بارے میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے باپ ہیں اور وہ آپ کے بیٹے ہیں جس طرح کہ یہ بات اولادِ فاطمہ کے لئے کہی جاتی ہے، ہاں یہ کہا جائے گا کہ وہ آپ کی اولاد اور نسل میں سے ہیں"

علامہ ابنِ حجر کا یہ قول گزر چکا ہے کہ اگر وہ زندہ رہتے تو جزئیت کے اعتبار سے ان کے لئے وہی شرافت و سیادت ہوتی جو اولادِ فاطمہ کے لئے ہے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

گیارہویں خصوصیت

علامہ صبان نے ان کی یہ خصوصیت شمار کی ہے کہ جو شخص ان میں سے کسی پر احسان کرے گا، نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیامت کے دن اسے بدلہ عطا فرمائیں گے، نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔

" جو شخص وسیلہ حاصل کرنا چاہتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ میری بارگاہ میں اس کی کوئی خدمت ہو جس کے سبب میں قیامت کے دن اس کی

شفاعت کروں اسے چاہئے کہ میرے اہلِ بیت کی خدمت کرے اور انہیں خوش کرے "۔

بارہویں خصوصیت

علامہ صبان نے فرمایا، ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی محبت درازیٔ عمر اور قیامت کے دن چہرہ سفید ہونے کا سبب ہے اور ان کا بغض اس کے برعکس اثر رکھتا ہے جیسے کہ صواعقِ محرقہ میں حدیث شریف نقل کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا :-

" جو شخص پسند کرتا ہے کہ اس کی عمر دراز ہو اور اپنی آرزوؤں سے بہرہ ور ہو اسے میرے بعد میرے اہلِ بیت سے اچھی طرح پیش آنا چاہئے اور جو میرے بعد ان سے اچھی طرح پیش نہیں آئے گا، اس کی عمر قطع کر دی جائیگی اور قیامت کے دن اس حالت میں میرے پاس آئیگا کہ اس کا چہرہ سیاہ ہوگا "

یہ بات نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے صحابہ کے بارے میں بھی پائی جاتی ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان سے عداوت رکھنے والوں کے چہرے آخرت سے پہلے دنیا ہی میں سیاہ ہیں جیسا کہ یہ ہر اس شخص کو نظر آئے گا جس کے دل میں ایمان ہے۔

عمر کی درازی کا مطلب یہ ہے کہ اس میں برکت حاصل ہوتی ہے حتیٰ کہ اس شخص کی نیکیاں زیادہ اور گناہ کم ہوتے ہیں۔

پنجتن پاک اہلِ عبا کے کچھ فضائل

ان کے سردار رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ہیں ؎

فَمَبْلَغُ الْعِلْمِ فِيْهِ اَنَّهٗ بَشَرٌ
وَاَنَّهٗ خَيْرُ خَلْقِ اللّٰهِ كُلِّهِمِ

"نبیِ اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے بارے میں ہمارے علم کی انتہاء یہ ہے آپ انسان ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق سے افضل ہیں"

اللہ تعالےٰ کے قرب اور کمال کے جس مرتبے تک آپ پہنچے وہاں نہ کسی نبی مرسل کی رسائی ہوئی نہ کسی مقرب فرشتے کی [1]

اجلہ ائمہ مثلاً امام فخر الدین رازی اور علامہ ابن حجر وغیرہما نے تصریح کی ہے کہ اگر تمام انبیاء و رسل کے فضائل شخصِ واحد میں جمع ہو جائیں اور ان کا مقابلہ نبیِ اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے فضائلِ جلیلہ سے کیا جائے تو آپ کے فضائل ان پر غالب ہوں گے۔ انبیاءِ کرام علیہم السلام کی خصوصیت کا لحاظ ہو یا عموم کا نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام سے افضل ہیں اور جس طرح حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم تمام مخلوق سے علی الاطلاق افضل ہیں، اسی طرح آپ کی شریعت تمام شریعتوں سے، آپ کی امت تمام امتوں سے افضل ہے اور آپ کے

---

[1] امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں ؎

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلامِ مجید نے کھائی شہا ترے شہر و کلام و بقا کی قسم

اہلِ بیت اور اصحاب تمام اہلِ بیت اور اصحاب سے افضل ہیں۔

ہر مسلمان پر واجب ہے کہ آپ کے فضائل اور اوصافِ شریفہ میں لکھی گئی کتابوں مثلاً شفا شریف، مواہبِ لدنیہ اور سیرتِ پاک کی دوسری کتابوں کا مطالعہ کرے تاکہ اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے مقام اور اللہ تعالےٰ کے عطا کردہ فضائل وکمالات کو جانے، جن کی حقیقت بیان کرنے سے زبانیں اور قلمیں عاجز ہیں اور روز بدن آپ کے مرتبۂ شریفہ میں ترقی ہی ترقی ہے۔

مختصر یہ کہ حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم تمام مخلوق سے افضل ہیں اور آپ سے اوپر اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کا مقام نہیں ہے [1] اللہ تعالےٰ ہمیں آپ کی ملت پر موت عطا کرے اور قیامت کے دن آپ کے گروہ میں اٹھائے بجاہِ حبیبہ الامین صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم۔

میں چاہتا ہوں کہ اس جگہ عارف باللہ سیدی محمد بن ابی الحسن البکری کبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا بیان کردہ طریقہ صلوٰۃ وسلام نقل کروں کیونکہ وہ بہترین طریقہ اور جامع ترین صلوٰۃ ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی کامل ترین صفات پر مشتمل ہے اور وہ یہ ہے :-

"اے اللہ! صلوٰۃ وسلام نازل فرما اپنے روشن ترین نور، نہایت قیمتی راز، حبیبِ اعلیٰ اور پاکیزہ و برگزیدہ ہستی پر جو اہلِ محبت کے واسطہ

---

[1] امام اہلِ سنت فرماتے ہیں ؎

آخر رضاؔ نے ختمِ سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ، خلق کا مولیٰ کہوں تجھے

سچ ہے ؎
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

عظمیٰ، اہلِ قرب کے قبلہ، مکی مقامات کی روح، اسرارِ الٰہیہ کی لوح، ازل و ابد کے ترجمان، اس غیب کی زبان جس کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا، حقیقتِ منفردہ کی صورت، رحمانی انوار سے مزین صورت کی حقیقت، وہ انسان جو اللہ تعالیٰ کی طرف خصوصی رہنمائی فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل شدہ استعدادِ امکانی کے راز، اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والے اور جن کی سب سے زیادہ تعریف کی گئی جن کا ظاہر و باطن محمود ہے اور اللہ تعالیٰ نے مراتبِ قرب میں جن کی تکمیل فرمائی، دائرۂ نبوت کے مبدأ و منتہا جن کا فیضِ کرم تمام انبیاء کو حاصل ہے، ارشاد اور راہنمائی میں تمام موجودات کے مرکزی نقطہ، اللہ تعالیٰ کے اسرارِ عجیبہ کے امین، لاہوت کے مخفی غیب کے محافظ جن کے بارے میں عقولِ کاملہ اسی قدر جانتی ہیں جس پر آپ کی طرف سے روشن دلیل قائم ہے، عرشیوں کے نفوس ان کی حقیقت کے بارے میں اتنا ہی جانتے ہیں جتنا کہ آپ کے انوار سے ظاہر ہے۔ عالمِ طبائع سے اوپر قدسیوں کی ابتدا ہے اور آپ قدسیوں کی ہمت کا منتہا ہیں، اسرار کا مشاہدہ کرنے والے موحدین کے مطمحِ نظر، وہ ذاتِ اقدس کہ جس دل پر بھی انوارِ الٰہیہ چمکتے ہیں، آپ ہی کے آئینۂ دل کا فیض ہیں[1] آپ کا آئینۂ دل نورِ مطلق کی جلوہ گاہ ہے، ذکرِ الٰہی کے

---

[1] امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں ؎

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

ترانے آپ کے نغموں کے ساتھ ہی زبانوں پر جاری ہوتے ہیں، وہ ایسے بے مثل ہیں جو دوسروں کو اپنے دامنِ رحمت میں لپیٹنے والے ہیں جو شخص واقع میں ان سے جدا ہو کر اللہ تعالےٰ کی معرفت کا دعوےٰ کرے وہ جاہل ہے، وہ شاخِ حدوث جو اپنی ترقی میں ہر اصل ابدی کے لئے ذریعۂ امداد ہے، انہوں نے بستانِ قدم سے خوشہ چینی کی، وجود و عدم کے نسخوں کا خلاصہ۔ اللہ تعالےٰ کے بہترین بندے جن سے کمال بھی کمال پاتا ہے، تائیدِ ایزدی سے، حلول و اتحاد اور اتصال و انفصال کے بغیر اللہ تعالےٰ کے عبادت گزار، راہِ راست پر اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے، نبی الانبیاء، رسولوں کی امداد فرمانے والے، افضل و اعلیٰ صلوٰۃ و سلام نازل فرما آپ پر بلا واسطہ اور دیگر انبیاء پر آپ کے واسطہ سے اے اللہ! اے رحمٰن و رحیم!

اے اللہ! صلوٰۃ و سلام نازل فرما! خصوصی تجلیات کے حسن اور قرب و اصطفاء کی منازل کے جمال پر جو تیرے لطف و کرم سے بڑی عزتوں کے پردوں میں پوشیدہ اور تیرے نور کی برکت سے قابلِ صد فخر بزرگی کے آفاق پر جلوہ گر ہیں، جنہوں نے تیری ذات اور اسماء و صفات کے شایانِ شان عبادت کی، تمام مخلوقات میں تیری عظمت، علم، رحمت اور حکم کا مرکز ہیں، تو نے جن کی آنکھوں کو اپنے نورِ قدس سے سرگیں فرمایا اور انہوں نے تیری بلند و بالا ذات کو برملا دیکھا جن کے باطن میں تیرے اسرار تمام مخلوق سے پوشیدہ ہیں جن کی خصوصیت مبارکہ کے طفیل تو نے تمام کائنات کو رنگِ ظہور بخشا اور تو نے اپنی معرفت سے ان کے دل کو اپنے جمال سے ان کی آنکھ دل کو اور اپنے خطاب

سے ان کے کانوں کو فیضیاب فرمایا، ہر شخص کو ان کے مقام سے ذاتی طور پر مؤخر فرمایا، تو نے اپنی وحدانیت کی بنا پر انہیں یکتا بنایا، تیری عزت کے بلند پرچم اور تیری حکمت کی بولنے والی زبان ہمارے آقا و مولا محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اور آپ کی آل، آپ کے اصحاب، ساتھیوں، وارثوں اور آپ کے زمرۂ احباب پر صلوٰۃ و سلام نازل فرما، اے اللہ! اے رحمٰن و رحیم!

اے اللہ! سلامتی اور رحمت نازل فرما، احاطۂ عظمےٰ کے دائرے اور بلند آسمان کے محیط کے مرکز پر جو تیری عنایت سے تیرے تمام شہروں میں ممالک عزت کے سلطان ہیں، تیرے انوار کا وہ دریا کہ شانِ بے نیازی کی ہواؤں سے جس کی موجیں متلاطم ہیں، لشکرِ نبوت کے وہ قائد کہ تیری نصرت سے اس کی فوجیں تیری طرف رواں دواں ہیں، تمام مخلوق کے لئے تیرے خلیفۂ اعظم، تمام موجودات پر تیرے امین، بڑی کوشش و محنت سے حضورِ اقدس کی تعریف کرنے والے کی انتہاء یہ ہے کہ آپ کی صفات کی حقیقت معلوم کرنے سے عجز کا اعتراف کرے، بڑے سے بڑے بلیغ کی حد یہ ہے کہ آپ کے فیض و کرم کی تعریف و ثنا کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا[1] ہمارے اور تیری تمام مخلوق کے آقا، جن کی تو نے بے حد و حساب تعریف فرمائی اور جو تیرے کرم سے تیری

---

[1] امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں ؎

اے رضا خود صاحبِ قرآں ہیں مداحِ حضور
تجھ سے پھر ممکن ہے کب مدحت رسول اللہ کی

تعریف کے مستحق ہوئے اور آپ کی آلِ کرام، اصحابِ عظام اور وارثین ذی احتشام پر رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

(تمام تعریفیں اللہ تعالٰے کے لئے اور سلام ہو اس کے برگزیدہ بندوں پر)

اس درودِ پاک کو پڑھنے والا اس کو سات مرتبہ پڑھے، پھر یہ آیت پڑھے:

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

اور سورۂ فاتحہ پڑھ کر اس درود شریف لکھنے والے کو ایصالِ ثواب کرے اور کہے:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔

"اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما، بیشک تو سننے والا اور جاننے والا ہے، اور ہماری توبہ قبول فرما، بے شک تو توبہ قبول فرمانے والا، مہربان ہے۔"

"اللہ تعالٰے ہمارے آقا و مولا محمد مصطفٰے اور آپ کے بھائیوں انبیاء و مرسلین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیم پر رحمت و سلامتی نازل فرما اور تمام جہانوں کے رب اللہ تعالٰے کے لئے تمام تعریفیں ہیں۔"

یہ صلوٰتِ شریفہ قطب کبیر سیدی محمد البکری رضی اللہ تعالٰے عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے لکھوانے سے لکھیں جیسے کہ سیدی عارف باللہ سید مصطفٰی البکری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی شرح میں اور شیخ محمد البدیری القدسی نے انہیں نقل کرتے ہوئے تصریح کی اور ان کے فضائل عظیمہ اور برکات جلیلہ بیان کئے۔

میں نے وہ فضائل اپنی کتاب "افضل الصلوات علیٰ سید السادات" میں بیان کئے جو دیکھنا چاہے وہاں دیکھ لے، یہ اپنے موضوع پر شاندار کتاب ہے جس میں صلوات شریفہ کے پُرنور کلمات درج ہیں، اس سے کوئی مسلمان بے نیاز نہیں رہ سکتا۔

حضرتِ سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا[1]

امامِ ترمذی وغیرہ نے حضرتِ اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

"مجھے اپنے اہل وعیال میں سب سے زیادہ محبوب فاطمہ ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا"

امامِ طبرانی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے راوی ہیں کہ :۔

"حضرتِ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم میں سے کون آپ کو زیادہ محبوب ہے ، میں یا فاطمہ ؟ فرمایا : فاطمہ مجھے تم سے زیادہ محبوب ہے اور تم میرے نزدیک ان سے زیادہ عزیز ہو"

سیدی عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں :۔

"نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تصریح فرمادی کہ حضرتِ فاطمہ بارگاہِ رسالت میں حضرتِ علی سے زیادہ محبوب ہیں ، حضرتِ علی کا زیادہ معزز ہونا زیادہ

---

[1] اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں ؎

اس بتولِ جگر پارۂ مصطفےٰ   حجلہ آرائے عفت پہ لاکھوں سلام

جس کا آنچل نہ دیکھا مہ و مہر نے   اس ردائے نزاہت پہ لاکھوں سلام

سیدہ زاہرہ طیبہ طاہرہ   جانِ احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام

ایک اور نعت میں فرماتے ہیں :۔

کیا بات رضا اس چمنستانِ کرم کی   زہرا ہے کلی جس کی حسین اور حسن پھول

محبوب ہونے سے اعلیٰ ہے یا دنئے ۔اس کے لئے الگ دلیل کی ضرورت ہے ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما"

بہت سے صحابہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :۔
"قیامت کے دن ندا کرنے والا باطن عرش سے ندا کرے گا ۔ اے اہل محشر! اپنے سروں کو جھکالو، اپنی آنکھیں بند کر لو تاکہ فاطمہ بنت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہا وسلم پلصراط سے گزر کر جنت کی طرف چلی جائیں حضرت ابوالیوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ستر ہزار جنتی حوروں کے ہمراہ بجلی کے کوندے کی طرح گزر جائیں گی ۔"

ابن حبان حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی ہیں کہ :۔
"میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس کا کلام حضرت فاطمۃ الزہرا سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام سے زیادہ مشابہ ہو، جب حضرت فاطمہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتیں تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے ہو جاتے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اپنی مجلس میں بٹھا لیتے ۔"

امام طبرانی نے شیخین کی شرط پر سند صحیح کے ساتھ روایت کی کہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا :۔
"میں نے حضرت فاطمۃ الزہرا سے زیادہ افضل ان کے والد گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھا ۔"

امام طبرانی وغیرہ نے سند حسن سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فرمایا :۔
"اللہ تعالیٰ تمہاری ناراضگی سے ناراض اور تمہاری خوشی سے راضی ہوتا ہے ۔"

جامع صغیر میں ہے :-

"فاطمہ میرے جسم کا حصہ ہے۔ جو چیز ان کے انقباض کا سبب ہے۔ وہ میرے انقباض کا سبب ہے اور جو ان کی رضا کا سبب ہے وہ میری رضا کا سبب ہے"

امام بخاری راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالے علیہ وسلم نے فرمایا:-

"فاطمہ میرے جسم کا حصہ ہے۔ ان کی ناراضگی کا سبب میری ناراضگی کا سبب ہے ایک روایت میں ہے جس نے انہیں ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا"

ابن حبان وغیرہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالے عنہ سے راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالے علیہ وسلم نے فرمایا:-

"ایک فرشتے نے اللہ تعالے سے میری زیارت کی اجازت طلب کی جس نے میری زیارت نہیں کی تھی۔ اس نے مجھے بشارت دی اور خبر دی کہ فاطمہ میری امت کی عورتوں کی سردار ہیں"

ابن عبدالبر راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:-

"بیٹی کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم تمام جہان کی عورتوں کی سردار ہو۔ انہوں نے عرض کیا ابا جان! پھر حضرت مریم کا کیا مقام ہے؟ فرمایا۔ وہ اپنے زمانے کے عورتوں کی سردار ہیں"

بہت سے محققین جن میں علامہ تقی الدین سبکی، علامہ جلال الدین سیوطی، علامہ بدرالدین زرکشی اور تقی الدین مقریزی شامل ہیں تصریح فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ جہان کی تمام عورتوں حتیٰ کہ سیدہ مریم سے بھی افضل ہیں۔ علامہ سبکی سے جب اس بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:-

"ہمارا مختار جس کے ساتھ ہم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں یہ ہے کہ:۔
حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہا وسلم افضل ہیں"
ایسا ہی سوال ابن ابی داؤد سے کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:۔
"رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا: فاطمہ میرے جسم کا حصہ ہیں۔ ہم کسی کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پارۂ جسم کے برابر قرار نہیں دے سکتا۔"

نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:۔
"عائشہ کی فضیلت دوسری عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کو دوسرے کھانوں پر"
علامہ مناوی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:۔
"سلف و خلف کی ایک جماعت نے فرمایا: ہم کسی کو نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی لخت جگر کے برابر قرار نہیں دیتے۔ بعض حضرات نے فرمایا: اس سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی باقی اولاد حضرت فاطمہ کی مثل ہے"۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہم۔
حافظ ابن حجر نے فرمایا:۔
"ابو یعلیٰ کی حضرت عمر فاروق سے روایت کردہ مرفوع حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کو ازواج مطہرات پر فضیلت ہے۔ فرمایا:
حضرت عثمان غنی سے، افضل صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ سے نکاح کیا، اور حضرت عثمان غنی نے حضرت حفصہ سے افضل (حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم) سے نکاح کیا۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہم۔

امام نسائی فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"میری بیٹی فاطمہ انسانی حور ہے جسے کبھی حیض نہیں آیا"

حافظ سیوطی خصائص کبریٰ میں فرماتے ہیں:۔

"حضرت فاطمہ کی خصوصیت یہ ہے کہ انہیں کبھی حیض نہیں آتا تھا۔ جب ان کے ہاں بچہ پیدا ہوتا تو ایک گھڑی کے بعد نفاس سے پاک ہو جاتیں یہاں تک کہ ان کی نماز قضا نہ ہوتی۔ اسی لئے ان کا نام زہرا رکھا گیا۔ اور جب انہیں بھوک محسوس ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے سینے پر دست مبارک رکھا تو اس کے بعد انہیں بھوک محسوس نہیں ہوئی جب ان کے وصال کا وقت قریب آیا تو انھوں نے خود غسل کیا اور وصیت کی کہ کوئی انہیں منکشف نہ کرے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں اسی غسل کے ساتھ دفن کر دیا"

ان کا نام بتول رکھنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ صبان نے فرمایا:۔

"لغت میں بتل کا معنی قطع کرنا ہے حضرت خاتون جنت فضیلت دین اور نسب کے اعتبار سے اپنے زمانے کی تمام عورتوں سے جدا ہیں۔ بلند مرتبہ ہونے کے باوجود انھوں نے انتہائی فقر میں زندگی بسر کی۔ یہ غافلوں کے لئے تنبیہ تھی"

"امام احمد راوی ہیں کہ ایک دن حضرت بلال صبح کی نماز کے لئے دیر سے پہنچے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تمھیں کس چیز نے روکے رکھا۔ انھوں نے عرض کیا میں حضرت فاطمہ کے پاس سے گزرا۔ وہ آٹا پیس رہی تھیں اور بچہ ان کے پاس رو رہا تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو میں آٹا پیس دیتا ہوں اور اگر چاہیں تو بچے کو سنبھال لیتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا میں اپنے بیٹے پر تم سے

زیادہ مہربان ہوں، میری تاخیر کا یہ سبب تھا۔"

امام احمد جید سند سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالے عنہ نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فرمایا:۔

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت سے غلام آئے ہیں تم بھی خدمت کے لئے کوئی غلام حضور سے مانگ لاؤ پھر دونوں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ حضرت فاطمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آٹا پیستے پیستے میرے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسعت عطا فرمائی ہے لہٰذا آپ ہمیں ایک خادم عطا فرمائیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بخدا! اس طرح نہیں ہو سکتا کہ تمہیں خادم عطا کروں اور اہل صفہ بھوک کے سبب اپنے پیٹ باندھ رہے ہوں۔ پھر فرمایا کیا میں تم دونوں کو تمہارے سوال سے بہتر چیز کی خبر نہ دوں۔ انہوں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا، کچھ کلمات مجھے جبرائیل امین نے بتلائے ہیں۔ جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو آیت الکرسی پڑھو پھر ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھو۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالے علیہ وسلم نے ہجرت کے دوسرے سال اللہ تعالے کے حکم سے ان کا نکاح حضرت علی رضی اللہ تعالے عنہ سے کیا بعض روایات کے مطابق نکاح محرم میں ہوا اور رخصتی ذوالحجہ میں ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر پندرہ سال اور حضرت علی رضی اللہ تعالے عنہ کی عمر اکیس سال تھی۔ انہوں نے آپ کے بعد آپ کی حیات ظاہری میں کسی اور سے نکاح نہیں کیا، حضور سرور عالم صلی اللہ تعالے علیہ وسلم نے رخصتی کی رات آپ کے لئے دعا فرمائی

"اے اللہ میں انہیں اور ان کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں۔"

ایسی ہی دعا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے فرمائی اور ان دونوں کے لئے دعا فرمائی۔

"اللہ تعالیٰ تمھارے متفرق امور کو جمع فرمائے۔"

اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد کو رحمت کی چابیاں، حکمت کے خزانے اور امت کے لئے باعث امن بنایا۔ دونوں کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ دونوں کو برکت عطا فرمائے، تم میں برکت فرمائے تمھاری کوشش کو عزت دے اور تم دونوں کو بہت ہی پاکیزہ اولاد عطا فرمائے۔"

حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں:۔

"بخدا! اللہ تعالےٰ نے ان دونوں کو بہت ہی پاکیزہ اولاد عطا فرمائی۔"

عقد نکاح کے وقت نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے درج ذیل خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ نے جلیل القدر صحابہ مہاجرین و انصار کو بلایا جب وہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے تو حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی عدم موجودگی میں آپ نے فرمایا:۔

"تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس کے انعامات کی بنا پر تعریف کی گئی ہے۔ جو اپنی قدرت کے اعتبار سے معبود ہے جس کی سلطنت کی اطاعت کی گئی ہے جس کے عذاب اور قہر سے ڈرا جاتا ہے جس کا حکم زمین و آسمان میں نافذ ہے جس نے اپنی قدرت سے تمام مخلوق کو پیدا کیا۔ انھیں اپنے احکام سے ممتاز کیا۔ اپنے دین سے عزت بخشی اور اپنے نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ذریعے معزز فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی بابرکت اس کی عظمت بلند ہے۔ اس نے رشتے داری کو سبب اتصال اور امر لازم بنایا۔ اس کے ذریعے اولاد عطا فرمائی اور اسے مخلوق کے لئے ضروری قرار دیا۔ ارشاد ربانی ہے" اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے پانی سے انسان بنایا پھر اسے نسب اور رشتہ داری والا بنایا"۔ پس اللہ تعالےٰ کا امر اس کی قضا

کی طرف جاری ہے اور اس کی قضا اس کی تقدیر کی طرف۔ ہر قضا کے لئے مدت ہے اور ہر مدت کے لئے مقرر وقت ہے اور ہر مقرر وقت کے لئے کتاب ہے۔ اللہ تعالٰی نے جسے چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثابت فرما دیتا ہے۔ اور اس کے پاس اصل کتاب ہے۔

پھر فرمایا مجھے اللہ تعالٰی نے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ کا نکاح علی بن ابی طالب سے کردوں۔ تم گواہ ہو جاؤ کہ میں نے ان سے فاطمہ کا نکاح چار سو مثقال چاندی (مہر) پر کردیا اگر وہ اس پر راضی ہوں۔"

پھر حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ اندر داخل ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا: "اللہ تعالٰی نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمۃ الزہرا کا نکاح تمہارے ساتھ چار سو مثقال چاندی پر کردوں، کیا تم اس پر راضی ہو؟ حضرت علی نے خطبہ پڑھا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں اس پر راضی ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت فاطمہ کے بعد ان کے وصال تک کسی اور سے نکاح نہیں کیا۔ جب آپ نے جویریہ بنت ابوجہل کو نکاح کا پیغام دیا تو نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا:۔

"بنو ہشام بن مغیرہ نے مجھ سے اجازت طلب کی تھی کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح علی بن ابی طالب سے کردیں۔ میں انہیں اجازت نہیں دوں گا۔ دوبارہ کہتا ہوں کہ میں انہیں اجازت نہیں دونگا۔ ہاں ایک صورت یہ ہے کہ علی بن ابی طالب میری بیٹی کو طلاق دیدے اور ان کی بیٹی سے نکاح کرے۔ وہ میری لخت جگر ہے۔ جو چیز انہیں مضطرب کرتی ہے وہ مجھے مضطرب کرتی ہے اور جو چیز انہیں تکلیف دیتی ہے وہ مجھے تکلیف دیتی ہے۔ بخدا! رسول خدا اور دشمن خدا کی بیٹیاں ایک مرد کے پاس جمع نہیں ہوسکتیں چنانچہ حضرت علی نے نکاح

کا ارادہ ترک کر دیا۔ رضی اللہ تعالےٰ عنھما"

ابو داوٗد فرماتے ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ پر حضرت فاطمۃ الزہرا کی حیات مبارکہ میں کسی اور سے نکاح حرام فرما دیا"

نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے وصال کے چھ ماہ بعد منگل کی رات تین رمضان المبارک سـ۱۱ـھ کو حضرت خاتونِ جنت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال ہوا۔

امیر المؤمنین ابو الحسن سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ[1]

حافظ ابنِ حجر نے فرمایا :-

"بہت سے اہلِ علم کے مطابق آپ تمام لوگوں سے پہلے اسلام لائے، صحیح یہ ہے کہ بعثت سے دس سال پہلے آپ پیدا ہوئے آغوشِ رسالت میں پرورش پائی اور آپ سے کہیں جدا نہیں ہوئے، غزوۂ تبوک کے علاوہ تمام غزوات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے، اس موقع پر آپ کو مدینہ طیبہ میں مقرر فرما کر جاتے ہوئے فرمایا، کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تمہیں مجھ سے وہی مقام حاصل ہو جو حضرتِ موسےٰ علیہ السلام سے حضرتِ ہارون علیہ السلام کو حاصل ہوا (یعنی ان کی حیاتِ مبارکہ میں خلیفہ بنے) اکثر غزوات

---

[1] امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں ؎

مرتضیٰ شیرِ حق اشجع الاشجعین ساقیٔ شیر و شربت پہ لاکھوں سلام

اصلِ نسلِ صفا، وجہِ وصلِ خدا بابِ فضلِ ولایت پہ لاکھوں سلام

اولیں دافعِ اہلِ رفض و خروج چارمی رکنِ ملت پہ لاکھوں سلام

شیرِ شمشیر زن، شاہِ خیبر شکن پرتوِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

ماحیِ رفض و تفضیل و نصب و خروج حامیِ دین و سنت پہ لاکھوں سلام

میں جھنڈا آپ کے ہاتھ میں تھا۔ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحابہ کرام (مہاجرین و انصار) کو بھائی بھائی بنایا تو انہیں فرمایا تم میرے بھائی ہو۔

ان کے مناقب بے شمار ہیں یہاں تک کہ امام احمد نے فرمایا جتنے فضائل حضرتِ علی کے منقول ہیں، کسی صحابی کے اتنے فضائل منقول نہیں بعض دیگر حضرات نے فرمایا اس کا سبب یہ ہوا کہ بنو امیہ نے آپ کی تنقیص کی تو صحابی جس کو آپ کے مناقب کا علم تھا اس نے بیان کر دیا جوں جوں انہوں نے آپ کے ذکر کو مٹانے کی کوشش کی اور آپ کے مناقب بیان کرنے والے کو سرزنش کی، آپ کے مناقب اتنے ہی زیادہ پھیلتے رہے، روافض نے آپ کے مناقب وضع کیے حالانکہ آپ ان سے بے نیاز ہیں، امام نسائی نے آپ کے ایسے خصائص تلاش کیے جو دوسرے صحابہ میں نہیں پائے جاتے، انہوں نے بہت سے مناقب جمع کیے جن میں سے اکثر کی سند جید ہے۔"

امام بخاری و مسلم نے صحیحین میں بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خیبر کے دن ارشاد فرمایا :۔

" میں کل اس شخص کو جھنڈا دوں گا جو اللہ و رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ و رسول (جل وعلا و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) اس سے محبت رکھتے ہیں، اللہ تعالٰی اس کے ہاتھوں فتح عطا فرمائیگا،

دوسرے دن صبح صحابہ کرام بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے اور ان میں سے ہر ایک کی آرزو تھی کہ انہیں جھنڈا عطا کیا جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ صحابہ نے

عرض کیا، انہیں آنکھوں کی تکلیف ہے، انہیں بلایا گیا، حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں لعابِ دہن لگایا، ان کے لئے دعائے خیر کی اور انہیں جھنڈا عطا فرمایا۔"

حضرتِ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔

"اس دن کے علاوہ میں نے کبھی امارت کو پسند نہیں کیا"

حضرتِ عبداللہ بن احمد بن حنبل نے حضرتِ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت بیان کی کہ:۔

"جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خیبر کے دن حضرتِ علی مرتضیٰ کو جھنڈا عطا فرمایا تو وہ بہت تیزی سے چلے، ان کے ساتھی کہتے تھے آہستہ چلئے حتیٰ کہ خیبر کے قلعے تک پہنچ گئے، آپ نے قلعے کا دروازہ پکڑ کر کھینچا اور زمین پر گرا دیا، پھر ستر آدمیوں نے مل کر اسے دوبارہ اس کی جگہ رکھا۔"

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرتِ علی کو بھیجا تاکہ قریش کو سورۂ برأت پڑھ کر سنائیں اور فرمایا (عرب کے دستور کے مطابق معاہدہ فسخ کرنے کے لئے) صرف وہ شخص جائے گا جسے مجھ سے زیادہ خصوصی قرابت ہو گی، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے چچا زاد بھائیوں سے فرمایا:

"تم میں سے کون میرے ساتھ دنیا و آخرت میں محبت رکھے گا؟"

تو انہوں نے انکار کر دیا۔ حضرتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، میں محبت کروں گا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ دنیا و آخرت میں میرے دوست ہیں۔

حضرتِ عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :

" تم علی مرتضےٰ سے کیا چاہتے ہو، بے شک علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں اور وہ میرے بعد ہر ایماندار کے دوست ہیں "

حافظ ابن حجر نے اصابہ میں مسند امام احمد بن حنبل کے حوالے سے عمدہ سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت نقل کی کہ :-

" عرض کیا گیا یا رسول اللہ ! ہم آپ کے بعد کسے امیر بنائیں تو آپ نے فرمایا ، اگر تم ابوبکر کو امیر بناؤ گے تو انہیں امین ، آخرت کی رغبت رکھنے والا اور دنیا سے بے نیاز پاؤ گے اور اگر تم عمر کو امیر بناؤ گے تو انہیں طاقت ور اور امین پاؤ گے وہ راہِ خداوندی میں کسی ملامت سے نہیں ڈریں گے اور اگر تم علی کو امیر بناؤ گے اور میرا گمان ہے کہ تم اس طرح نہیں کرو گے تو تم انہیں راہنما ، ہدایت یافتہ پاؤ گے ، وہ تمہیں لے کر راہِ راست پر چلیں گے "

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں :-

" حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے فرمایا اے ابن عباس ! عشاء کی نماز پڑھ کر تم قبرستان پہنچ جانا ، چنانچہ میں نے نماز پڑھی اور وہاں پہنچ گیا - اس رات چاندنی پھیلی ہوئی تھی ، فرمایا الحمد کے الف کی تفسیر کیا ہے ؟ میں نے کہا مجھے علم نہیں ، اس کے بارے میں انہوں نے ایک ساعت گفتگو فرمائی ، پھر فرمایا الحمد کے لام کی تفسیر کیا ہے ؟ میں نے کہا مجھے علم نہیں ، آپ نے اس کے بارے میں ایک پوری ساعت گفتگو کی ، پھر فرمایا ، الحمد کی حاء کی تفسیر کیا ہے ؟ میں نے کہا مجھے علم نہیں ہے ، اس کے متعلق ایک پوری ساعت گفتگو کی ، پھر فرمایا ،

الحمد کے میم کی تفسیر کیا ہے؟ میں نے کہا مجھے علم نہیں، آپ نے اس کی تفسیر میں ایک ساعت گفتگو فرمائی، پھر فرمایا الحمد کے دال کی تفسیر کیا ہے؟ میں نے کہا مجھے علم نہیں ہے۔ آپ نے اس کے بارے میں گفتگو فرمائی یہاں تک کہ صبح کاذب نمودار ہو گئی۔ آپ نے فرمایا ابنِ عباس! اپنے گھر جاؤ اور صبح کی نماز کی تیاری کرو، میں وہاں سے اٹھا تو جو کچھ آپ نے فرمایا تھا اسے محفوظ کر چکا تھا۔ پھر میں نے غور کیا تو قرآنِ پاک کے بارے میں میرا علم حضرتِ علی کے علم کے سامنے اس طرح تھا جیسے سمندر کے سامنے ایک حوض۔

ابنِ عباس فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے سامنے اور حضرتِ علی کا علم رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کے سامنے اور میرا علم حضرتِ علی کے علم کے سامنے اور میرا علم کیا، صحابہ کا علم حضرتِ علی کے سامنے اس طرح ہے جیسے ایک قطرہ سات سمندروں کے سامنے ہو، غور کرو کہ مخلوق کے علوم و معارف میں کتنا فرق ہے؟

کہتے ہیں کہ حضرتِ ابنِ عباس، حضرتِ علی کے وصال کے بعد اتنا روئے کہ ان کی بینائی جاتی رہی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

حضرتِ ابو الطفیل فرماتے ہیں:-

"میں حاضر تھا، حضرتِ علی مرتضیٰ خطبہ دیتے ہوئے فرما رہے تھے مجھ سے پوچھو! بخدا تم مجھ سے جو پوچھو گے، میں تمہیں اس کی خبر دوں گا مجھ سے قرآنِ مجید کے بارے میں پوچھو، بخدا میں ہر آیت کے بارے میں جانتا ہوں کہ وہ دن کو نازل ہوئی یا رات کو، پہاڑ پر نازل ہوئی

یا نرم زمین پر، اگر میں چاہوں تو سورۂ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ لادوں؟

حضرتِ ابنِ عباس فرماتے ہیں :-

"حضرتِ علی مرتضیٰ کو علم کا $\frac{9}{10}$ حصہ عطا کیا گیا اور بخدا وہ باقی $\frac{1}{10}$ میں لوگوں کے ساتھ شریک تھے"

حضرتِ امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے پوچھتے، جب انہیں آپ کی شہادت کی خبر پہنچی، تو فرمایا :-

"ابنِ ابی طالب کی وفات سے فقہ اور علم جاتا رہا"

حضرتِ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ اس مشکل سے پناہ مانگتے تھے، جس کے لئے ابوالحسن (حضرتِ علی مرتضیٰ) جیسا حل کرنیوالا نہ ہو۔

حضرتِ عطار (تابعی) سے پوچھا گیا، کیا صحابہ میں کوئی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ علم والا تھا؟ انہوں نے فرمایا نہیں بخدا میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا۔

ایک دن حضرتِ امیر معاویہ نے حضرتِ علی کے ایک ساتھی ضرار الصدائی سے کہا مجھے حضرت علی کی تعریف و توصیف سناؤ، انہوں نے کہا امیر المؤمنین مجھے معاف رکھیں، انہوں نے فرمایا تم ضرور ان کی تعریف بیان کرو گے، حضرتِ ضرار نے کہا اگر ضرور سننا چاہتے ہیں تو سنئے :-

"بخدا! وہ بہت ہی بلند مرتبہ اور شدید قوتوں کے مالک تھے۔ دو ٹوک بات کہتے، منصفانہ فیصلہ کرتے تھے، ان کے اطراف و جوانب سے علم بہتا تھا، ان کے اردگرد دانائی ناطق رہتی تھی، دنیا اور اس کی زیب و زینت سے وحشت زدہ رہتے، رات اور اس کی تنہائی سے مانوس رہتے، ان کے آنسو کثرت سے بہتے اور اکثر فکر میں غلطاں رہتے

تھے، انہیں مختصر لباس اور معمولی کھانا پسند تھا، ہمارے درمیان عام آدمی کی طرح رہتے، جب ہم ان سے سوال کرتے، ہمیں جواب دیتے اور جب ان سے کوئی بات پوچھتے تو بتا دیتے۔ بخدا وہ ہم سے قریب رہتے اور ہمیں اپنے قریب رکھتے، اس کے باوجود ہم ان کی ہیبت کے سبب ان سے کلام نہیں کر سکتے تھے، دین کی تعظیم کرتے، مساکین کو اپنا قرب عطا فرماتے، طاقتور ان سے غلط فیصلے کی توقع نہیں رکھتا تھا اور کمزور ان کے انصاف سے نا امید نہیں ہوتا تھا۔

بخدا میں نے انہیں دیکھا، رات گہری ہو چکی تھی، وہ اپنی داڑھی کو پکڑے ہوئے کسی زخمی کی طرح مضطرب تھے اور غم زدہ انداز میں رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے، اے دنیا! کسی اور کو دھوکہ دے، کیا تو میری طرف مائل ہے یا میرے لئے بنی سنوری ہے، مجھے اپنی طرف مائل کرنا بہت دور ہے، میں تجھے تین طلاقیں دے چکا ہوں جن میں رجوع کی کوئی گنجائش نہیں ہے، تیری عمر مختصر ہے، تیرا تصور معمولی ہے، افسوس! زادِ راہ کم ہے، سفر بہت لمبا ہے، راہ پر وحشت ہے۔

یہ سن کر حضرت معاویہ رو پڑے اور فرمایا اللہ تعالیٰ ابو الحسن (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) پر رحم فرمائے، بخدا وہ اسی طرح تھے (پھر حضرت ضرار سے فرمایا) تمہیں ان کا کتنا غم ہے، انہوں نے کہا جیسے کسی عورت کا بچہ اس کی گود میں ذبح کر دیا جائے۔"

اس کتاب کے خاتمہ میں خلفاءِ راشدین کے ساتھ ان کے مزید فضائل ذکر کئے جائیں گے تاکہ ان کی (صحابیت اور اہلِ بیت میں سے ہونے کی) دونوں فضیلتوں کا اظہار ہو جائے اور دونوں فضیلتوں کا حق (کسی قدر) ادا ہو جائے۔

نواسۂ رسول، گلِ گلشنِ رسالت

امیر المومنین سیدنا ابو محمد امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ بنصِ حدیث کے مطابق آخری خلیفۂ راشد ہیں۔ نصف رمضان المبارک ۳ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کا نام حسن رکھا۔ ولادت کے ساتویں دن آپ کا عقیقہ کیا، بال منڈوانے اور حکم دیا کہ بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کی جائے۔

ابو احمد عسکری فرماتے ہیں :۔

"نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کا نام حسن رکھا، اور کنیت ابو محمد رکھی، جاہلیت میں یہ نام معروف نہیں تھا۔"

حضرت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں :۔

"نبی اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حسن کو کندھے پر اٹھایا ہوا تھا ایک شخص نے کہا اے بچے! تو بہت اچھی سواری پر سوار ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اور سوار بھی تو بہت اچھا ہے۔"

۱؎ امام اہلِ سنت فرماتے ہیں ؎

وہ حسن مجتبےٰ سید الاسخیاء — راکبِ دوشِ عزت پہ لاکھوں سلام

اوجِ مہرِ ہُدےٰ موجِ بحرِ ندےٰ — روحِ رُوحِ سخاوت پہ لاکھوں سلام

شہد خوارِ لعابِ زبانِ نبی — چاشنی گیرِ عصمت پہ لاکھوں سلام

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں :۔

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے حضرت حسن بن علی کو کندھے پر بٹھایا ہوا ہے اور دعا فرما رہے ہیں :۔

"اے اللہ ! میں اسے محبوب رکھتا ہوں تو بھی اسے محبوب رکھ"

بخاری شریف میں حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے :۔

"میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو منبر شریف پر دیکھا، حضرت حسن بن علی آپ کے ساتھ تھے، آپ کبھی صحابہ کی طرف توجہ فرماتے تھے اور کبھی ان کی طرف اور فرمایا : میرا یہ بیٹا سردار ہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان مصالحت کرا دے گا"

حضرت ابو بکرہ ہی سے روایت ہے :۔

"نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم صحابہ کو نماز پڑھا رہے تھے اور جب آپ سجدے میں جاتے تو حضرت حسن بن علی آپ کی پشت مبارک پر کھیل رہے ہوتے کئی دفعہ ایسا ہوا، صحابہ نے عرض کیا ہم نے آپ کو یہ معاملہ کسی اور سے کرتے ہوئے نہیں دیکھا، فرمایا : میرا یہ بیٹا سردار ہے عنقریب اللہ تعالےٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں صلح کروائے گا"

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے روایت ہے :۔

"حضرت حسن اہل بیت میں سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بہت زیادہ مشابہ اور بہت ہی محبوب تھے، میں نے دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سجدے میں ہیں حضرت حسن آتے اور آپ کی گردن مبارک یا انہوں نے کہا پشت مبارک پر سوار ہو جاتے، آپ انہیں نہیں اتارتے تھے وہ خود ہی اتر جاتے تھے میں نے آپ کو رکوع میں دیکھا آپ نے اپنے مبارک پاؤں میں اتنا فاصلہ کر دیا

کہ وہ دوسری طرف گزر جاتے "

بخاری شریف میں ہے حضرت ابو ملیکہ فرماتے ہیں حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا :۔

"حضرت ابوبکر نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی پھر باہر نکلے تو حضرت حسن بن علی کو کھیلتے ہوئے دیکھا ، انہیں اپنی گردن پر اٹھا لیا اور وہ کہہ رہے تھے حضور انور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی شبیہہ پر میرے والد قدا ہوں ، یہ حضرت علی کے مشابہ نہیں ہیں اور حضرت علی ہنس رہے تھے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا حضرت حسن کو ملکوہے دیتے ہوئے اسی طرح کہا کرتی تھیں "

حضرت زہیر بن ارقم فرماتے ہیں حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالےٰ عنہما خطبہ دینے کیلئے کھڑے ہوئے تو قبیلہ ازد شنوءہ (یمن میں عرب کا ایک قبیلہ) کے ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا :۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے انہیں گود میں اٹھایا ہوا تھا اور فرما رہے تھے جسے مجھ سے محبت ہے وہ ان سے محبت رکھے جو حاضر ہے وہ غائب کو پہنچا دے ۔ اگر نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم مقصود نہ ہوتی تو میں یہ حدیث کسی کو بیان نہ کرتا "

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

"اے اللہ ! میں اسے محبوب رکھتا ہوں اور اس سے محبت کرنے والے کو محبوب رکھتا ہوں "

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد مجھے کوئی حضرت حسن سے زیادہ محبوب نہیں ۔

ان ہی سے روایت ہے :۔

"میں نے جب بھی حضرت حسن بن علی کو دیکھا میری آنکھیں اشکبار ہو گئیں ، اس کا سبب یہ تھا کہ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے ، میں اس

وقت مسجد میں تھا، آپ نے میرا ہاتھ پکڑا مجھ پر ٹیک لگائی حتیٰ کہ ہم قینقاع کے بازار میں آئے، وہاں معائنہ فرما کر حضور واپس تشریف لائے اور مسجد میں بیٹھ گئے، پھر فرمایا: میرے بیٹے کو بلاؤ، حضرت حسن بن علی دوڑتے ہوئے آئے اور آپ کی گود میں بیٹھ گئے، نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کا منہ چومتے ہوئے فرمایا: اے اللہ! میں اسے محبوب رکھتا ہوں اور اس کے محب کو محبوب رکھتا ہوں، تین دفعہ یہ کلمات فرمائے۔

کہتے ہیں کہ آپ نے پیدل دس حج کئے، فرماتے تھے مجھے اپنے رب سے حیا آتی ہے کہ میں اس کی بارگاہ میں اس حال میں حاضر ہو جاؤں کہ میں نے اس کے گھر کی طرف پیدل سفر نہ کیا ہو، آپ نے تین مرتبہ اپنا آدھا مال راہ خدا میں صدقہ کیا، ایک جوتا رکھ لیتے ایک دے دیتے اور دو دفعہ تمام مال صدقہ کیا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شہادت کے بعد نبی اکرم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کا یہ ارشاد آپ کے حق میں پایا گیا کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے اللہ تعالٰے اس کے ذریعے مسلمانو کے دو عظیم گروہوں میں مصالحت کرائے گا (الحدیث) جب آپ مسند آرائے خلافت ہوئے تو چالیس ہزار سے زیادہ ایسے افراد نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی جنہوں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالٰے عنہ کے ہاتھ پر آخری دم تک ساتھ دینے کی بیعت کی تھی، وہ لوگ حضرت حسن کے بہت فرمانبردار اور محب تھے، آپ قریباً سات ماہ تک عراق، خراسان، یمن اور حجاز وغیرہ کے خلیفہ رہے، پھر آپ نے جنگ کئے بغیر معاملہ حضرت امیر معاویہ کے سپرد کر دیا اور بہتر تھا، اس خیال کے پیش نظر کہ مسلمانوں کا خون نہ بہایا جائے، جب آپ نے حضرت امیر معاویہ کی بیعت کر لی تو ان کے کوفہ میں آنے سے پہلے لوگوں سے خطاب فرمایا اور ارشاد فرمایا:۔

"اے لوگو! ہم تمہارے امراء اور مہمان ہیں، ہم تمہارے نبی کے اہل بیت ہیں جن سے اللہ تعالٰے نے پلیدی دور فرما دی اور انہیں پاک صاف فرما دیا۔"

یہ کلمات آپ نے بار بار فرمائے یہاں تک کہ ہر شخص رونے لگا اور ان کی آواز بلند ہو گئی

اور جب حضرت امیر معاویہ کوفہ میں تشریف لائے تو انہوں نے فرمایا: ہمارے درمیان جو کچھ طے پایا ہے اس کے بارے میں لوگوں کو آگاہ کیجیے۔ آپ نے فی البدیہہ خطبہ ارشاد فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:۔

"اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہمارے اول کے ساتھ تمہیں ہدایت دی اور ہمارے آخر کے ذریعے تمہارے خون معاف فرمائے۔ بہت ہی دانا وہ شخص ہے جس کے دل میں خوف خدا ہے اور بدکار بہت ہی عاجز ہے۔ یہ معاملہ جس میں میرا اور حضرت امیر معاویہ کا اختلاف تھا اس میں یا تو وہ مجھ سے زیادہ حق دار ہیں یا میں؛ خدا کے لیے اور امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اصلاح اور تمہارے خونوں کی حفاظت کے لیے میں اپنے حق سے دست بردار ہو گیا ہوں، پھر حضرت امیر معاویہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: مجھے معلوم نہیں شاید کہ یہ تمہارے لیے آزمائش ہے اور ایک وقت تک فائدہ ہے۔"

علامہ صبان نے فرمایا:۔

"جب حضرت امام حسن، رضائے الٰہی کے لیے خلافت سے دست بردار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے اہل بیت کو اس کے عوض خلافت باطنیہ عطا فرما دی حتیٰ کہ ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ ہر زمانے میں قطب الاولیاء اہل بیت ہی سے ہوتا ہے، جن حضرات نے کہا کہ قطب غیر سادات سے بھی ہوتا ہے ان میں سے استاذ ابو العباس مرسی ہیں جیسے کہ ان کے شاگرد تاج بن عطاء اللہ نے نقل کیا۔

اس میں اختلاف ہے کہ کیا پہلے قطب حضرت حسن ہیں یا سب سے پہلے حضرت فاطمۃ الزہرا نے بارگاہ رسالت سے قطبیت حاصل کی اور

"تا زیست اس پر فائز رہیں پھر ان کے بعد قطبیت یکے بعد دیگرے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت حسن مجتبیٰ کی طرف منتقل ہوئی۔ حضرت ابو العباس مرسی پہلی شق کے قائل ہیں اور ابو المواہب تونسی نے دوسری شق اختیار کی ہے جیسے کہ طبقات مناوی میں ہے:"

میں نے مناوی کی شرح "الکبیر علی الجامع الصغیر" میں دیکھا:۔

"حمالی فرماتے ہیں اہل طریقت کا سلسلہ مشائخ اور مریدین سے ہر طرح اہل بیت تک پہنچتا ہے۔ مشائخ کے عام طریقے حضرت تاج العارفین ابو القاسم جنید بغدادی تک پہنچتے ہیں۔ حضرت ابو القاسم جنید بغدادی نے طریقت کی ابتدا اپنے ماموں حضرت سری سقطی سے حاصل کی۔ حضرت سری سقطی نے حضرت معروف کرخی کی اقتدا کی اور وہ مولیٰ ہیں حضرت علی بن موسیٰ رضا کے انہوں نے اپنے آباء کرام سے فیض حاصل کیا تو تمام کا سلسلہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی طرف لوٹ گیا۔ یہ اللہ تعالےٰ کا گروہ ہے رضی اللہ تعالےٰ عنہم"

پھر انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا کلام نقل کیا ہے:۔

"مروت (جوانمردی) پاکدامنی اور اصلاح حال ہے، اخوت (بھائی چارہ) سختی اور نرمی میں ہمدردی ہے، غنیمت بارہ تقویٰ کی رغبت ہے۔"

آپ اپنے صاحبزادوں کو فرمایا کرتے بیٹے علم حاصل کرو، اگر تم اسے یاد نہیں کر سکتے تو اسے لکھ کر اپنے گھروں میں رکھو، جب آپ کے وصال کا وقت قریب آیا تو اپنے بھائی حضرت امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو فرمایا:۔

"بھائی! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تم خلافت طلب نہ کرنا، کیوں کہ بخدا! میں نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالےٰ ہم میں نبوت اور خلافت جمع فرمائے۔ تم اس بات

سے بچنا کہ کوفہ کے لوگ تمہارے وقار میں کمی کریں اور تمہیں (مدینہ طیبہ سے) باہر نکالیں تو تم اس طرح نادم ہوگے کہ ندامت تمہیں فائدہ نہ دے گی۔"

ابن سعد فرماتے ہیں کہ حضرت سعید بن عبدالرحمٰن نے اپنے والد سے روایت کی :۔

"قریش کے کچھ لوگوں نے ایک دوسرے پر فخر کا اظہار کیا، ہر ایک نے اپنے فضائل بیان کئے، حضرت امیر معاویہ نے حضرت حسن بن علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے کہا کہ آپ کیوں نہیں بات کرتے، زورِ بیان میں آپ بھی تو کم نہیں ہیں، آپ نے فرمایا: جو فضیلت و شرافت بھی بیان کی گئی ہے میرے لئے اس کا مغز اور اس کی روح حاصل ہے۔ اور مجھے بر ملا سبقت حاصل ہے۔"

شیخ اکبر "مسامرات" میں فرماتے ہیں :۔

"ایک دن حضرت امیر معاویہ کے پاس اشراف قریش وغیرہم جمع تھے انہوں نے فرمایا: مجھے بتاؤ ماں اور باپ، چچا اور پھوپھی، خالہ اور ماموں، دادا اور دادی کے اعتبار سے سب سے زیادہ معزز شخص کون ہے؟ حضرت مالک بن عجلان کھڑے ہوئے اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کیا اور کہا یہ سب سے افضل ہیں۔ ان کے والد ماجد حضرت علی بن ابی طالب ہیں ان کی والدہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ ان کی نانی حضرت خدیجہ بنت خویلد ہیں اور نانا نبی اکرم صلے اللہ تعالے علیہ وسلم۔ چچا حضرت جعفر ہیں جو جنت میں پرواز کرتے ہیں پھوپھی حضرت ہانی بنت ابی طالب ہیں اور ماموں اور خالائیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد ہیں۔

سب لوگ خاموش رہے اور حضرت حسن اٹھ کھڑے ہوئے۔ بنو سہم میں سے ایک شخص اٹھا اور کہنے لگا آپ سے کہنے پر ابن عجلان نے یہ گفتگو کی ہے حضرت ابن عجلان نے کہا میں نے صرف وہ بات کہی ہے جو حق ہے جو دنیا میں اللہ تعالےٰ کی نافرمانی کر کے مخلوق کی رضا چاہے گا وہ دنیا میں اپنی آرزو سے محروم رہے گا اور آخرت میں اس پر بدبختی کی مہر لگا دی جائے گی۔ بنی ہاشم کا اصل تم سب سے زیادہ قابل فخر ہے اور ان میں سب سے زیادہ غیرت وحمیت پائی جاتی ہے۔ پھر حضرت امیر معاویہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کیا میں نے صحیح کہا ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں اے اللہ! یہ سچ ہے"

ایک قول کے مطابق ۵۰ھ میں زہر کے اثر سے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا وصال ہوا اور بقیع میں دفن کئے گئے۔

فائدہ

حافظ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں کہا امام بیہقی اور ابن عساکر نے بیان کیا کہ ابوالمنذر ہشام بن محمد نے اپنے والد سے روایت کی :-

"حضرت امام حسن بن علی کا سالانہ وظیفہ ایک لاکھ درہم تھا، ایک سال اس کی ادائیگی میں حضرت امیر معاویہ سے تاخیر ہو گئی، حضرت حسن نے سخت تنگی محسوس کی، فرماتے ہیں میں نے دوات طلب کی تاکہ لکھ کر حضرت معاویہ کو یاد دہانی کراؤں، پھر میں نے ارادہ ترک کر دیا۔

میں نے خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی زیارت کی آپ نے فرمایا: اے حسن کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا حضور! خیریت ہے اور وظیفہ کی تاخیر کی شکایت کی، آپ نے فرمایا: کیا تم نے دوات طلب کی تھی تاکہ لکھ کر

اپنے جیسی مخلوق کو یاددہانی کراؤ۔ میں نے کہا ہاں یارسول اللہ! پھر کیا کروں؟ فرمایا اس طرح کہو:۔

اے اللہ! میرے دل میں اپنی امید ڈال اور اپنے ماسوا سے میری امید منقطع فرما حتیٰ کہ تیرے سوا کسی سے امید نہ رکھوں، اے اللہ! اے رب العالمین! مجھے اس یقین کی پناہ عطا فرما جو تو نے اولین و آخرین میں سے کسی کو عطا فرمایا ہے جس سے میری طاقت کمزور ہے، میرا عمل قاصر ہے، جس تک میری رغبت نہیں پہنچی، اس تک میرا سوال نہیں پہنچا اور وہ میری زبان پر جاری نہیں ہوا۔

فرماتے ہیں بخدا! میں نے ایک ہفتہ یہ دعا نہیں مانگی تھی کہ حضرت معاویہ نے مجھے پندرہ لاکھ درہم بھجوا دیئے تو میں نے کہا: تمام تعریفیں اللہ تعالےٰ کے لئے جو اپنے یاد کرنے والوں کو فراموش نہیں فرماتا اور دعا کرنے والوں کو ناکام نہیں فرماتا۔ پھر مجھے نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی آپ نے فرمایا: حسن کیسے ہو؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! خیریت سے ہوں اور اپنا واقعہ عرض کیا، فرمایا بیٹے جو خالق سے امید رکھے اور مخلوق سے امید نہ رکھے اس کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے ۔[لہ]

لہ ۵ ربیع الاول ۴۹ھ میں آپ بمقام مدینہ منورہ زہرخورانی کے باعث شہادت سے سرفراز ہوئے (اکمال ص ۵۹۰ و اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۳-۹ بحوالہ کرامات صحابہ مطبوعہ اعظم گڑھ یوپی ص ۳۴ تصنیف لطیف علامہ عبد المصطفےٰ اعظمی)

نواسۂ رسول، گلشنِ رسالت کے پھول

حضرتِ ابو عبداللہ امامِ حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ماہِ شعبان سنہ ۴ھ میں آپ کی ولادتِ باسعادت ہوئی، حضرتِ جعفر بن محمد فرماتے ہیں، حضرتِ حسن کی ولادت اور حضرتِ حسین کے حمل میں صرف ایک طہر کا فاصلہ تھا، بعض نے پچاس راتوں کا فاصلہ بتایا، نبیِ اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے لعابِ دہن سے آپ کو گھٹی دی، آپ کے کان میں اذان دی، آپ کے منہ میں لعابِ دہن ڈالا اور آپ کے لئے دعا کی، ساتویں دن آپ کا نام حسین رکھا اور عقیقہ دیا۔

اسعاف میں ہے کہ حضرتِ امام بچپن ہی میں دلاور اور بہادر تھے اور آپ کے فضائل میں متعدد حدیثیں بیان کیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں :۔

"حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں، اے اللہ! جو حسین سے محبت رکھے اسے محبوب رکھ، حسین نواسوں میں سے ایک نواسا ہیں۔"

حدیث شریف میں ہے :۔

"جسے یہ پسند ہو کہ کسی جنتی مرد کو دیکھے (ایک روایت میں ہے) جنتی جوانوں کے سردار کو دیکھے، وہ حسین بن علی کو دیکھے۔"

حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما ہوئے اور فرمایا، چھوٹا بچہ کہاں ہے؟ :۔

حضرت امام حسین چلتے ہوئے آئے اور آغوشِ رسالت میں گزر گئے اور اپنی انگلیاں داڑھی مبارک میں داخل کر دیں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا منہ کھول کر بوسہ لیا، پھر فرمایا:

اے اللہ! میں اسے محبوب رکھتا ہوں، تو بھی اسے محبوب رکھ! اور اس کے محب کو محبوب رکھ،

انہی سے روایت ہے:

میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت حسین کا لعاب دہن چوستے ہوئے دیکھا جس طرح آدمی کھجور کو چوستا ہے۔

ان سے یہ بھی روایت ہے:

حضرت امام حسین، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بہت زیادہ مشابہ تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کعبہ شریف کے سائے میں تشریف فرما تھے، انہوں نے حضرت امام حسین کو تشریف لاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

"آج یہ آسمان والوں کے نزدیک تمام زمین والوں سے زیادہ محبوب ہیں"

آپ نے پیدل چل کر پچیس ۲۵ حج کئے، آپ بڑی فضیلت کے مالک تھے اور کثرت سے نماز، روزہ، حج، صدقہ اور دیگر امورِ خیر ادا فرماتے تھے۔

(ابن اثیر وغیرہ)

کہتے ہیں کہ حضرت امام حسن کے اس فعل سے آپ خوش نہ تھے کہ انہوں نے خلافت حضرت امیر معٰویہ کو سونپ دی تھی، آپ نے انہیں کہا میں آپ کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا آپ حضرت معٰویہ کی بات کی تصدیق کرتے ہیں اور

اپنے والد کی بات کی تکذیب کرتے ہیں ؟ انہوں نے فرمایا آپ خاموش رہیں، میں اس معاملے کو آپ سے بہتر جانتا ہوں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں فرمایا :

" حضرتِ امام حسین، مدینہ طیبہ میں قیام پذیر رہے یہاں تک اپنے والد ماجد کے ساتھ کوفہ تشریف لے گئے، ان کے ہمراہ جنگ جمل میں پھر جنگ صفین میں پھر خوارج کی جنگ میں شریک ہوئے، ان کی شہادت تک ان کے ساتھ رہے، پھر اپنے بھائی کے ساتھ رہے، یہاں تک کہ انہوں نے خلافت حضرت امیر معاویہ کے سپرد کردی، پھر اپنے برادرِ محترم کے ساتھ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے اور حضرت امیر معاویہ کے وصال تک وہیں رہے، پھر مکہ مکرمہ چلے گئے، وہاں آپ کے پاس اہل عراق کے خطوط پہنچے کہ ہم نے حضرتِ امیر معٰویہ کے وصال کے بعد آپ کی بیعت کرلی ہے چنانچہ آپ نے اپنے چچازاد بھائی حضرتِ مسلم بن عقیل بن ابی طالب کو ان کے پاس بھیجا، انہوں نے ان سے بیعت لی اور حضرتِ امام کو پیغام بھیجدیا، تب آپ روانہ ہوئے اور آپ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔"

عمار بن معاویہ ذہبی کہتے ہیں، میں نے حضرتِ ابو جعفر محمد بن علی بن حسین (امام باقر) سے کہا مجھے حضرت امام حسین کی شہادت کا واقعہ اس طرح بیان فرمایئے کہ مجھے محسوس ہو کہ میں وہاں موجود ہوں، انہوں نے فرمایا :

" حضرتِ امیر معٰویہ کا وصال ہوا تو ولید بن عقبہ بن ابی سفیان مدینہ طیبہ کا گورنر تھا، اس نے حضرتِ حسین بن علی کے پاس پیغام بھیجا تاکہ راتوں رات آپ سے بیعت لے لے، آپ نے فرمایا

کچھ انتظار کرو اور میرے ساتھ نرمی کرو، وہاں سے آپ مکہ مکرمہ تشریف لائے، اس جگہ آپ کے پاس کوفہ والوں کے قاصد پہنچے، انہوں نے کہا ہم آپ کے منتظر ہیں اور ہم گورنر کی معیت میں جمعہ بھی ادا نہیں کرتے، آپ ہمارے پاس تشریف لے آئیں۔

اس وقت حضرتِ نعمان بن بشیر انصاری (صحابی) کوفہ کے گورنر تھے، حضرت حسین بن علی نے حضرتِ مسلم بن عقیل کو کوفہ والوں کے پاس بھیجا اور فرمایا کوفہ جاؤ اور ان کے خطوط کی حقیقت معلوم کرو اگر صحیح ہو تو میں ان کے پاس آجاؤں گا، حضرتِ مسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے اور وہاں سے دو راہنما ساتھ لئے اور خشکی کے راستے چل دیے، راستے میں انہیں سخت پیاس سے دوچار ہونا پڑا، اور ایک راہنما فوت ہو گیا، حضرتِ مسلم کوفہ پہنچے اور عوسجہ کے گھر فروکش ہوئے۔

جب اہلِ کوفہ کو آپ کی تشریف آوری کا علم ہوا تو بارہ ہزار افراد نے آپ کی بیعت کر لی، یزید کے ایک حمایتی نے حضرتِ نعمان بن بشیر کو کہا آپ یا تو کمزور ہیں یا آپ کو کمزور سمجھ لیا گیا ہے، شہر میں فساد برپا ہے (اور آپ خاموش ہیں) انہوں نے فرمایا مجھے اللہ تعالےٰ کی اطاعت میں کمزور ہونا اس کی نافرمانی میں طاقتور ہونے سے زیادہ پسند ہے، میں پردہ دری نہیں کر سکتا، اس شخص نے یہ صورتِ حال لکھ کر یزید کو بھیج دی۔

یزید نے اپنے غلام سرجون کو بلا کر اس سے مشورہ کیا، اس نے کہا کوفہ کے لئے عبید اللہ بن زیاد سے بہتر اور کوئی شخص نہیں

ہے، یزید عبیداللہ سے ناراض تھا اور اسے بصرہ سے معزول کرنے کا ارادہ کر چکا تھا، یزید نے ابن زیادہ کو خط لکھ کر اپنے راضی ہونے کی اطلاع دی اور کہا تمہیں کوفہ کا گورنر مقرر کیا جاتا ہے۔ اسے حکم دیا کہ مسلم بن عقیل کو تلاش کرو، اگر مل جائیں تو انہیں قتل کر دو۔

عبیداللہ بن زیاد بصرہ کے چیدہ افراد کے ساتھ روانہ ہوا اور اس حال میں کوفہ پہنچا کہ اس نے نقاب پہنی ہوئی تھی (اہلِ کوفہ کو یہ مغالطہ دینا چاہتا تھا کہ حضرتِ امام حسین تشریف لا رہے ہیں) وہ جس کے پاس سے گزرتا، اسے سلام کہتا، اہلِ مجلس اس گمان پر کہ حضرتِ امامِ حسین تشریف لے آئے ہیں، اسے کہتے اے ابنِ رسول اللہ! آپ پر سلام ہو۔

جب عبیداللہ بن زیاد گورنر ہاؤس میں اترا تو اس نے اپنے ایک غلام کو تین ہزار درہم دئے اور کہا جاؤ اور اہلِ کوفہ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کرو، جس شخص کی وہ بیعت کر رہے ہیں، اس کے پاس جاؤ اور اسے یہ بتاؤ کہ میں اہلِ حمص میں سے ہوں، اسے یہ مال پیش کرو اور اس کی بیعت کر لو۔

وہ غلام لوگوں میں گھل مل گیا حتیٰ کہ انہوں نے اس کی راہنمائی ایک شیخ کی طرف کی جس کے سپرد بیعت کا معاملہ تھا، غلام نے اس سے بات کی، اس شیخ نے کہا مجھے اس بات سے خوشی ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہدایت عطا فرمائی ہے اور اس بات کا غم ہے کہ ہمارا معاملہ ابھی مضبوط نہیں ہے، پھر وہ اسے حضرتِ مسلم بن عقیل کے پاس لے گیا، اس نے ان کی بیعت کی،

نذرانہ پیش کیا اور نکل کر ابنِ زیاد کے پاس پہنچا اور اسے تمام صورتِ حال بتا دی۔

عبیداللہ کی آمد پر حضرتِ مسلم اس گھر سے دوسرے گھر منتقل ہو گئے اور ہانی بن عروہ مرادی کے پاس قیام کیا۔ عبیداللہ نے اہلِ کوفہ سے کہا کیا سبب ہے کہ ہانی بن عروہ میرے پاس نہیں آیا؟ چنانچہ محمد بن اشعث کوفہ کے چند سرکردہ افراد کے ساتھ اس کے پاس گیا، دروازے پر ہی اس سے ملاقات ہو گئی، انہوں نے کہا امیر نے تمہیں یاد کیا ہے اور تمہاری غیر حاضری کو محسوس کیا ہے لہذا اس کے پاس چلو۔ وہ سوار ہو کر ان کے ساتھ ہو لیا اور ابنِ زیاد کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت وہاں قاضی شریح موجود تھے۔ جب اس نے سلام دیا تو ابنِ زیاد نے پوچھا مسلم بن عقیل کہاں ہیں؟ اس نے کہا مجھے علم نہیں، ابنِ زیاد نے اس غلام کو پیش کیا جس نے حضرتِ مسلم کو دراہم پیش کئے تھے۔

ہانی نے جب غلام کو دیکھا تو ابنِ زیاد کے ہاتھوں پر گر پڑا اور کہنے لگا بخدا! میں نے انہیں اپنے گھر نہیں بلایا وہ خود آئے ہیں اور مجھ پر مسلط ہو گئے ہیں۔ ابنِ زیاد نے کہا انہیں میرے پاس لاؤ! وہ ایک لمحے کے لئے ہچکچایا تو اس نے اسے اپنے پاس بلایا اور ایک چابک رسید کیا اور حکم دیا کہ اسے قید کر دیا جائے۔ یہ اطلاع ہانی کی قوم کو پہنچی تو وہ محل کے دروازے پر اکٹھے ہو گئے، ابنِ زیاد نے ان کا شور و شغب سنا تو قاضی شریح سے کہا انہیں باہر جا کر بتاؤ کہ میں نے اسے صرف اس لئے نظر بند کیا ہے کہ

اس سے حضرت مسلم کے بارے میں معلومات حاصل کر دوں۔ قاضی شریح نے انہیں بتایا تو وہ واپس چلے گئے۔

جب یہ اطلاع حضرت مسلم کو پہنچی تو انہوں نے اعلان کروا دیا، اس اعلان پر چالیس ہزار کوفی جمع ہو گئے۔ سماں ایسا بندھا کہ آپ کے ایک حکم پر گورنر ہاؤس کی اینٹ سے اینٹ بجادی جاتی لیکن آپ نے صبر و تحمل سے کام لیا تاکہ پہلے گفتگو سے اتمامِ حجت کر لیا جائے۔ ابن زیاد نے کوفہ کے سر کردہ افراد کو محل میں بلایا اور انہیں حکم دیا کہ اپنے اپنے قبیلے سے گفتگو کر کے انہیں واپس بھیجدو۔

چنانچہ انہوں نے گفت و شنید کی تو کوفی ایک ایک کر کے کھسکنے لگے، جب شام ہوئی تو حضرتِ مسلم کے ساتھ بہت کم لوگ رہ گئے اور جب اندھیرا ذرا گہرا ہوا تو وہ بھی چلے گئے۔

جب آپ تنہا رہ گئے تو رات کی تاریکی میں چل پڑے ، ایک بڑھیا کے دروازے پر پہنچے اور اسے کہا مجھے پانی پلاؤ، اس نے پانی پلایا، جب آپ پھر بھی کھڑے رہے تو اس نے کہا بندۂ خدا کیا بات ہے مجھے تم پریشان دکھائی دیتے ہو، آپ نے فرمایا ہاں یہی بات ہے ، میں مسلم بن عقیل ہوں، کیا تمہارے پاس مجھے پناہ مل سکتی ہے؟ اس نے کہا ہاں، تشریف لائیے۔

اس عورت کا ایک بیٹا محمد بن اشعث کا گرگا تھا، اس نے جا کر محمد بن اشعث کو خبر دیدی، حضرتِ مسلم کو اس وقت اطلاع ہوئی جب اس گھر کا محاصرہ کیا جا چکا تھا۔ آپ نے یہ صورتِ حال دیکھی تو اپنے تحفظ کے لئے تلوار لیکر باہر نکلے، محمد بن اشعث نے آپ کو پناہ دیدی

اور اپنے ساتھ لے کر ابنِ زیاد کے پاس پہنچا، ابن زیاد کے حکم پر آپ کو محل کی چھت سے گرا کر شہید کر دیا گیا، ہانی بن عروہ کو بھی قتل کر دیا گیا اور دونوں کو سولی پر لٹکا دیا گیا۔

ان کے ایک شاعر نے اس بارے میں اشعار کہے جن میں سے ایک یہ ہے :۔

" اگر تجھے معلوم نہیں کہ موت کیا ہے؟ تو بازار میں ہانی اور ابنِ عقیل کو دیکھ لے ۔"

حضرتِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ اطلاع اس وقت پہنچی جب آپ قادسیہ سے تین میل کے فاصلے پر پہنچ چکے تھے، حُر بن یزید تمیمی آپ سے ملا اور کہنے لگا آپ واپس تشریف لے جائیں کیونکہ میں نے آپ کے لئے اپنے پیچھے کوئی اچھائی نہیں چھوڑی اور تمام واقعہ بیان کیا۔ آپ نے واپسی کا ارادہ بھی فرمایا لیکن حضرتِ مسلم کے بھائیوں نے کہا بخدا! جب تک ہم اپنا بدلہ نہ لے لیں یا شہید نہ ہو جائیں، واپس نہیں جائیں گے چنانچہ آپ آگے بڑھ گئے۔

ابنِ زیاد نے آپ کے مقابلے کے لئے ایک لشکر تیار کر رکھا تھا جس سے میدانِ کرب وبلا میں آمنا سامنا ہوا، حضرتِ امام اسی جگہ فروکش ہو گئے، آپ کے ساتھ پینتالیس سوار، سو کے قریب پیدل تھے۔ لشکر کا امیر عمرو بن سعد بن ابی وقاص تھا، ابنِ زیاد نے اسے لکھ دیا تھا کہ جب تم امام حسین کی جنگ سے واپس آؤ گے تو تمہیں رَے کا گورنر بنا دیا جائے گا۔

جب اس سے ملاقات ہوئی تو حضرتِ امام حسین نے اس کے سامنے تین صورتیں پیش کیں :

(۱) مجھے کسی سرحد پر چلے جانے دو۔

(۲) میں مدینہ طیبہ چلا جاتا ہوں۔

(۳) براہِ راست یزید سے میری ملاقات کرا دو۔

عمرو نے مان لیا اور ابنِ زیاد کو لکھ بھیجا، اس نے جواب دیا کہ صرف ایک صورت ہے کہ پہلے میرے ہاتھ پر بیعت کریں۔

حضرتِ امام نے یہ شرط ماننے سے انکار کر دیا چنانچہ اس لشکر نے آپ سے جنگ کا آغاز کر دیا، آپ کے ساتھ جن میں اہلِ بیت کے سترہ جوان تھے، شہید ہوئے، آخر میں آپ کو بھی شہید کر دیا گیا۔ آپ کا سرِ مبارک ابنِ زیاد کے پاس بھیج دیا گیا، ابنِ زیاد نے آپ کا سرِ انور اور آپ کے باقی ماندہ اہلِ بیت کو یزید کے پاس بھیج دیا، ان میں حضرتِ امام زین العابدین علی بن حسین بیمار تھے اور آپ کی پھوپھی حضرتِ زینب بھی تھیں۔ جب یہ حضرات یزید کے پاس پہنچے تو اس نے انہیں اپنے اہل و عیال کے پاس بھیج دیا، پھر انہیں مدینہ طیبہ روانہ کر دیا۔

حافظ ابنِ حجر نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد کہا:

"متقدمین کی ایک جماعت نے حضرتِ امام حسین کی شہادت پر کتابیں لکھی ہیں جن میں رطب و یابس اور غلط و صحیح ہر طرح کی باتیں ہیں۔ یہ باتیں جو میں نے بیان کیا ہے، ان سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

ابنِ حجر فرماتے ہیں، صحیح روایت سے ثابت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم نخعی فرمایا کرتے تھے:۔

" اگر میں حضرتِ امام حسین سے جنگ والوں میں ہوتا پھر مجھے

جنت میں داخل کر دیا جاتا تو مجھے محبوبِ خدا صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے رُخِ انور کی طرف دیکھنے میں حیا آتی"

حماد بن سلمہ حضرت عمار بن ابی عمار سے راوی ہیں کہ حضرتِ ابنِ عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما فرماتے ہیں :۔

" میں نے دوپہر کے وقت خواب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی زیارت کی، آپ کے بال مبارک غبار آلود تھے، آپ کے دستِ اقدس میں ایک شیشی تھی جس میں خون تھا، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! میرے والدین آپ پر فدا ہوں یہ کیا ہے؟ فرمایا، یہ حسین اور ان کے ساتھیوں کا خون ہے، میں آج یہی جمع کرتا رہا ہوں، اسی دن حضرتِ امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شہادت واقع ہوئی"

حضرتِ ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں :۔

" میں نے جنّوں کو حسین بن علی پر نوحہ کرتے ہوئے سنا"

زبیر بن بکار فرماتے ہیں حضرتِ امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شہادت ۱۰ محرم ۶۱ھ میں واقع ہوئی۔

ابنِ اثیر کہتے ہیں وہ جمعہ کا دن تھا، بعض نے کہا ہفتے کا دن تھا، اسعاف میں ہے کہ آپ سے جنگ کرنے والے اکثر وہ لوگ تھے جنہوں نے آپ کو خطوط لکھے تھے اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔

کہتے ہیں کہ آپ کو شہید کرنے والا سنان بن انس نخعی یا کوئی اور، جب ابن زیاد کے پاس لایا گیا تو اس نے یہ شعر پڑھے :

" میری سواریوں کو سونے اور چاندی سے لاد دے

میں نے عظیم المرتبت بادشاہ کو شہید کیا ہے
میں نے اسے شہید کیا ہے جو ماں اور باپ کے لحاظ سے سب
لوگوں سے بہتر ہے
اور جب لوگ نسب کا ذکر کرتے ہیں تو وہ سب سے بہتر ہیں"

ابنِ زیاد اس پر ناراض ہوا اور اسے قتل کرا دیا۔

حضرتِ امامِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان کی تصدیق ہے :

"میرے اہلِ بیت میرے بعد میری امت سے قتل اور نافرمانی پائیں گے، ہماری قوم میں سے ہمارے ساتھ سب سے زیادہ بغض رکھنے والے بنو امیہ اور بنو مخزوم ہوں گے، یہ امام حاکم کی روایت ہے۔"

اللہ تعالیٰ کی تقدیر یہ تھی کہ ابنِ زیاد اور اس کے ساتھی ۱۰ محرم ۶۷ھ میں قتل کیے گئے، مختار بن عبید نے ابراہیم بن اشتر نخعی کی قیادت میں ایک لشکر بھیجا جنگ میں ابراہیم نے خود ابنِ زیاد کو قتل کیا اور اس خبیث کا سر مختار کے پاس بھیجا، مختار نے حضرت ابنِ زبیر کے پاس بھیجدیا، انہوں نے حضرتِ امامِ زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس بھیجدیا۔

امامِ ترمذی کی روایت ہے :

"جب ابنِ زیاد اور اس کے ساتھیوں کے سر لائے گئے اور مسجد میں نصب کیے گئے تو ایک سانپ آیا اور سروں کے درمیان میں سے گزرتے ہوئے، ابنِ زیاد کے نتھنے میں داخل ہوا، کچھ دیر ٹھہرا، پھر نکلا اسی طرح دو یا تین دفعہ کیا۔"

حاکم نے یہ حدیث روایت کی اور اسے شرطِ مسلم پر صحیح قرار دیا، حضرت ابنِ عباس

رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتے ہیں :-

" اللہ تعالےٰ نے نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی طرف وحی نازل فرمائی کہ میں نے یحییٰ ابن زکریا علیہما السلام کے بدلے ستر ہزار کو ہلاک کیا اور میں تمہارے نواسے کے بدلے ایک لاکھ چالیس ہزار کو ہلاک کرونگا"

اور نبیِ اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے روایت ہے :-

" حسین کو شہید کرنے والا آگ کے تابوت میں ہوگا، اس پر تمام اہلِ دنیا کا نصف عذاب ہوگا۔"

علامہ صبان فرماتے ہیں :-

" امامِ احمد یزید کے کفر کے قائل ہیں اور تجھے ان کا فرمان کافی ہے ان کا تقویٰ اور علم اس امر کا متقاضی ہے کہ انہوں نے یہ بات اس لئے کہی ہوگی کہ ان کے نزدیک ایسے امورِ صریحہ کا یزید سے صادر ہونا ثابت ہوگا جو موجبِ کفر ہیں اس معاملہ میں ایک جماعت نے ان کی موافقت کی مثلاً ابن جوزی وغیرہ ، رہا اس کا فسق ، تو اس پر اتفاق ہے بعض علماء نے خاص اس کے نام سے لعنت کو جائز قرار دیا ہے۔" [1]

ابنِ جوزی سے پوچھا گیا کہ یزید کو امامِ حسین کا شہید کرنے والا کہنا کس طرح صحیح ہے جبکہ وہ کربلا میں شہادت کے واقعہ کے وقت شام میں تھا، تو انہوں نے یہ شعر پڑھا ؎ (ترجمہ)

" تیر عراق میں تھا جبکہ تیر مارنے والا ذی سلم میں تھا، اے تیر مارنیوالے تیرا نشانہ کس غضب کا تھا؟"

---

[1] امام الائمہ حضرت سیدنا امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے یزید پر لعنت بھیجنے میں توقف فرمایا ہے ۱۲ شرف

ابنِ اثیر کہتے ہیں کہ بہت لوگوں نے حضرتِ امام کے مرثیے کہے، ان میں سے ایک مرثیہ سلیمان بن قبہ خزاعی کا ہے :-

"میں آلِ محمد (صلے اللہ تعالےٰ علیہ وعلیہم وسلم) کے گھروالوں کے
پاس سے گزرا،
جب وہ ان میں تشریف لائے تو میں نے اُن کے گھروں کو پُر امن نہیں پایا،
اللہ تعالےٰ ان گھروں اور ان کے اہل کو دور نہ فرمائے
اگرچہ وہ میری خواہش کے برعکس خالی ہوگئے
وہ حضرات امیدوں کا مرکز تھے، پھر وہ مبتلائے مصائب ہوگئے
وہ مصیبتیں بہت ہی بڑی تھیں
یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنی تلواروں کو بے نیام نہیں کیا
اور جب وہ بے نیام ہوئیں تو دشمنوں کے جسموں میں (ظلماً) داخل
نہیں ہوئیں۔
بے شک میرا مقتول آلِ ہاشم میں سے بہت ہی صاحبِ لطف ہے
اس نے مسلمانوں کی گردنوں پر احسان کیا تو وہ ذلیل ہوگئیں
کیا تو نے نہیں دیکھا کہ زمین بیمار ہوگئی
امامِ حسین کی شہادت سے اور شہر کانپ اٹھے
آسمان ان کی شہادت پر رونے لگا
آسمان کے ستاروں نے ان پر نوحہ کیا اور ان کے لئے دعائے رحمت و
ترقیٔ درجات کی [1]

---

[1] امامِ اہلِ سنت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے حضرتِ امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی عظمتِ شان میں یوں نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے ؎ (صفحۂ آئندہ پر ملاحظہ فرمائیں)

رابعہ

اس شہیدِ بلا شاہِ گلگوں قبا ۔۔۔ بیکسِ دشتِ غربت پہ لاکھوں سلام
دُرِّ درجِ نجف، مہرِ برجِ شرف ۔۔۔ رنگِ رومی شہادت پہ لاکھوں سلام

دوسری جگہ فرماتے ہیں ؎

یا شہیدِ کربلا، یا دافعِ کرب و بلا ۔۔۔ گلرخا! شہزادہ گلگوں قبا امداد کن
اے حسین! اے مصطفیٰ را راحتِ جان نورِ عین ۔۔۔ راحتِ جاں نورِ عینم دہ، بیا امداد کن
اے ز حسنِ خُلق و حسنِ خَلق احمد نسخہ ۔۔۔ سینہ تا پا شکلِ محبوبِ خدا امداد کن
اے گلویت گر لبانِ مصطفیٰ را بوسہ گہ ۔۔۔ گر لبِ تیغِ لعیں را حسرتا، امداد کن
اے تنِ تو کرسوارِ شہسوارِ عرشِ ناز ۔۔۔ گرچناں پامالِ خیلِ اشقیا، امداد کن

(حاشیہ ختم ہوا)

واقعۂ کربلا

حضرتِ علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی قدس سرہ نے اختصار کے پیشِ نظر اہلِ بیتِ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے محض مناقب اور چند ضروری ابحاث تک اپنی کتاب کو محدود رکھا ہے، ہمارے نزدیک ذکرِ امامِ عالی مقام کے موقع پر آپ کے منصبِ شہادت کے مطالعہ کی طرف طبیعت قدرتی طور پر راغب ہوتی ہے چنانچہ ہم نے اس تشنگی کو دور کرنے کے لئے حضرتِ علامہ مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی قدس سرہ کی تحقیقی تالیف "سوانح کربلا" سے اس سلسلے سے متعلق ایک معتد بہ حصہ ہدیہ پیش کرنا مناسب خیال کیا ہے جو صفحہ سے تک پھیلا ہوا ہے۔ (شرف قادری)

حضرتِ امام کی مدینہ طیبہ سے رحلت

مدینے سے حضرت امام کی رحلت کا دن اہلِ مدینہ اور خود حضرت امام کے لئے کیسے رنج واندوہ کا دن تھا۔ اطرافِ عالم سے تو مسلمان وطن ترک کر کے اعزہ واحباب کو چھوڑ کر مدینہ طیبہ حاضر ہونے کی تمنا کریں۔ دربارِ رسالت کی حاضری کا شوق دشوار گزار منزلیں اور بحر وبر کا طویل اور خوفناک سفر اختیار کرنے کے لئے بیقرار بنادے۔ ایک ایک لمحہ کی جدائی انہیں شاق ہو اور فرزندِ رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بجوارِ رسول سے رحلت کرنے پر مجبور ہو۔ اس وقت کا تصور دل کو پاش پاش کر دیتا ہے۔ جب حضرتِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارادۂ رخصت آستانۂ قدسیہ پر حاضر ہوئے ہوں گے اور دیدۂ خونبار نے اشکِ غم کی بارش کی ہوگی۔ دلِ دردمند غمِ مہجوری سے گھائل ہوگا۔ جد کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضۂ طاہرہ سے جدائی کا صدمہ حضرت امام کے دل پر رنج وغم کے پہاڑ توڑ رہا ہوگا۔ اہلِ مدینہ کی مصیبت کا بھی کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔ دیدارِ حبیب کے فدائی اس فرزند کی روایات سے اپنے قلبِ مجروح کو تسکین دیتے تھے۔ ان کا دیدار ان کے دل کا قرار تھا۔ آہ! آج بے قرارِ دل مدینہ طیبہ سے رخصت ہو رہا ہے۔ امام عالی مقام نے مدینہ طیبہ سے بہ غم واندوہ بادلِ ناشاد رحلت فرما کر مکۂ مکرمہ آقامت فرمائی۔

امام کی جناب میں کوفیوں کی درخواستیں

یزیدیوں کی کوششوں سے اہلِ شام سے جہاں یزید کی تخت گاہ تھی یزید کی رائے مل سکی اور وہاں کے باشندوں نے اس کی بیعت کی۔ اہلِ کوفہ امیر معاویہ کے زمانہ ہی میں حضرتِ امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں درخواستیں بھیج رہے تھے۔ تشریف آوری کی التجائیں کر رہے تھے لیکن امام نے صاف انکار کر دیا تھا۔ امیر معاویہ کی وفات پر اور یزید کی تخت نشینی کے بعد اہلِ عراق کی جماعتوں نے متفق ہو کر امام کی خدمت میں درخواستیں بھیجیں اور ان میں اپنی نیاز مندی وجذباتِ عقیدت واخلاص کا اظہار کیا اور حضرت امام پر اپنے جان و مال فدا کرنے کی تمنّا ظاہر کی۔

اس طرح کے التجا ناموں اور درخواستوں کا سلسلہ بندھ گیا اور تمام جماعتوں اور فرقوں کی طرف سے ڈیڑھ سو کے قریب عرضیاں حضرت امام عالی مقام کی خدمت میں پہنچیں۔ کہاں تک اغماض کیا جاتا اور کب تک حضرتِ امام کے خشک جواب کی اجازت دیتے۔ ناچار آپ نے اپنے چچازاد بھائی حضرتِ مسلم بن عقیل کی روانگی تجویز فرمائی۔

اگرچہ امام کی شہادت کی خبر مشہور تھی اور کوفیوں کی بے وفائی کا پہلے بھی تجربہ ہو چکا تھا۔ مگر جب یزید بادشاہ بن گیا اور اس کی حکومت وسلطنت دین کے لئے خطرہ تھی اور اس کی وجہ سے اس کی بیعت ناروا تھی اور وہ طرح طرح کی تدبیروں اور حیلوں سے چاہتا تھا کہ لوگ اس کی بیعت کریں۔ ان حالات میں کوفیوں کا بپاسِ ملت یزید کے بیعت سے دست کشی کرنا اور حضرتِ امام سے طالبِ بیعت ہونا امام پر لازم کرتا تھا کہ ان کی درخواست قبول فرمائیں جب ایک قوم ظالم وفاسق

کی بیعت پر راضی نہ ہو اور صاحبِ استحقاق اہل سے درخواستِ بیعت کرے۔ اس پر اگر وہ ان کی استدعا قبول نہ کرے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ اس قوم کو اس جابر ہی کے حوالے کرنا چاہتا ہے۔ امام اگر اس وقت کوفیوں کی درخواست قبول نہ فرماتے تو بارگاہِ الٰہی میں کوفیوں کے اس مطالبہ کا امام کے پاس کیا جواب ہوتا کہ ہم ہر چند درپے ہوئے مگر امام بیعت کے لئے راضی نہ ہوئے بدیں وجہ ہم کو یزید کے ظلم و تشدد سے مجبور ہو کر اس کی بیعت کرنا پڑی۔ اگر امام ہاتھ بڑھاتے تو ہم ان پر جانیں فدا کرنے کے لئے حاضر تھے۔ یہ مسئلہ ایسا درپیش آیا جس کا حل بجز اس کے اور کچھ نہ تھا کہ حضرت امام ان کی دعوت پر لبیک فرمائیں۔

اگرچہ اکابر صحابۂ کرام حضرت ابن عباس و حضرت ابن عمر و حضرت جابر و حضرت و حضرت ابو سعید و حضرت ابو واقد لیثی وغیرہم حضرت امام کی اس رائے سے متفق نہ تھے اور انہیں کوفیوں کے عہد و مواثیق کا اعتبار نہ تھا۔ امام کی محبت اور شہادتِ امام کی شہرت ان سب کے دلوں میں اختلاج پیدا کر رہی تھی۔ گو کہ یہ یقین کرنے کی بھی کوئی وجہ نہ تھی کہ شہادت کا یہی وقت ہے اور اسی سفر میں یہ مرحلہ درپیش ہوگا لیکن اندیشہ مانع تھا حضرت امام کے سامنے مسئلہ کی یہ صورت درپیش تھی کہ اس استدعا کو رد کرنے کے لئے عذرِ شرعی کیا ہے۔ ادھر ایسے جلیل القدر صحابہ کے شدید اصرار کا لحاظ، ادھر اہلِ کوفہ کی استدعا رد نہ فرمانے کے لئے کوئی شرعی عذر نہ ہونا حضرت امام کے لئے نہایت پیچیدہ مسئلہ تھا جس کا حل بجز اس کے کچھ نظر نہ آیا کہ پہلے حضرت امام مسلم کو بھیجا جائے۔ اگر کوفیوں نے بدعہدی دبے وفائی کی تو عذرِ شرعی مل جائے گا۔ اور اگر وہ اپنے عہد پر قائم رہے تو صحابہ کو تسلی دی جا سکے گی۔

کوفہ کو حضرتِ مسلم کی روانگی

اس بنا پر آپ نے حضرتِ مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ فرمایا اور اہلِ کوفہ کو تحریر فرمایا کہ تمھاری استدعا پر ہم حضرتِ مسلم کو روانہ کرتے ہیں، ان کی نصرت و حمایت تم پر لازم ہے۔ حضرتِ مسلم کے دو فرزند محمد اور ابراہیم جو اپنے باپ کے بہت پیارے بیٹے تھے اس سفر میں اپنے پدرِ مشفق کے ہمراہ ہوئے۔ حضرتِ مسلم نے کوفہ پہنچ مختار بن عبید کے مکان پر قیام فرمایا۔ آپ کی تشریف آوری کی خبر سن کر جوق در جوق مخلوق آپ کی زیارت کو آئی اور بارہ ہزار سے زیادہ تعداد نے آپ کے دستِ مبارک پر حضرتِ امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔

حضرتِ مسلم نے عراق کی گرویدگی و عقیدت دیکھ کر حضرت امام کی جناب میں عریضہ لکھا جس میں یہاں کے حالات کی اطلاع دی اور التماس کیا کہ ضرورت ہے کہ حضرت جلد تشریف لائیں تاکہ بندگانِ خدا ناپاک کے شر سے محفوظ رہیں اور دینِ حق کی تائید ہو۔ مسلمان امامِ حق کی بیعت سے مشرف و فیضیاب ہو سکیں۔ اہلِ کوفہ کا یہ جوش دیکھ کر حضرت نعمان بن بشیر صحابی نے جو اس زمانے میں حکومتِ شام کی جانب سے کوفہ کے والی (گورنر) تھے۔ اہلِ کوفہ کو مطلع کیا کہ یہ بیعت یزید کی مرضی کے خلاف ہے اور وہ اس پر بہت بھڑکے گا لیکن اطلاع دے کر ضابطہ کی کاروائی پوری کر کے حضرتِ نعمان بن بشیر خاموش ہو بیٹھے اور اس معاملہ میں کسی قسم کی دست اندازی نہ کی۔

مسلم بن یزید حضرمی اور عمارہ بن ولید بن عقبہ نے یزید کو اطلاع دی کہ حضرتِ مسلم بن عقیل تشریف لائے ہیں اور اہلِ کوفہ میں ان کی محبت و عقیدت کا جوش دم بدم بڑھ رہا ہے۔ ہزارہا آدمی ان کے ہاتھ پر امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بیعت کر چکے

ہیں اور نعمان بن بشیر نے اب تک کوئی کاروائی ان کے خلاف نہیں کی ۔ نہ انسدادی تدابیر عمل میں لائے ۔ یزید نے یہ اطلاع پاتے ہی نعمان بن بشیر کو معزول کیا اور عبداللہ بن زیاد کو جو اس کی طرف سے بصرہ کا والی تھا ان کا قائم مقام کیا ۔ عبداللہ بن زیاد بہت ہی مکار و کیاد تھا ۔ وہ بصرہ سے روانہ ہوا اور اس نے اپنی فوج کو قادسیہ میں چھوڑا اور خود حجازیوں کا لباس پہن کر اونٹ پر سوار ہوا اور چند آدمی ہمراہ لے کر شب کی تاریکی میں مغرب و عشاء کے درمیان اس راہ سے کوفہ میں داخل ہوا جس سے حجازی قافلے آیا کرتے تھے ۔ اس مکاری سے اس کا مطلب یہ تھا کہ اس وقت اہلِ کوفہ میں بہت جوش ہے ۔ ایسے طور پر داخل ہونا چاہیئے کہ وہ ابن زیاد کو نہ پہچانیں اور یہ سمجھیں کہ حضرتِ امام حسین رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے تاکہ وہ بے خطر اور بے اندیشہ امن و عافیت کے ساتھ کوفہ میں داخل ہو جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ اہلِ کوفہ جن کو ہر لمحہ حضرت امام عالی مقام کی تشریف آوری کا انتظار تھا ۔ انہوں نے دھوکا کھایا اور شب کی تاریکی میں حجازی لباس اور حجازی راہ سے آتا دیکھ کر سمجھے کہ حضرتِ امام تشریف لے آئے ۔ نعرہ ہائے مسرت بلند کئے ۔ گرد و پیش مرحبا کہتے چلے مَرْحَبًا بِكَ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اور قَدِمْتَ خَيْرَ مَقْدَمٍ کا شور مچا ۔ یہ مردود دل میں تو جلتا رہا اور اس نے اندازہ کر لیا کہ کوفیوں کو حضرتِ امام کی تشریف آوری کا انتظار ہے اور ان کے دل ان کی طرف مائل ہیں مگر اس وقت کی مصلحت سے خاموش رہا تاکہ ان پر اس کا مکر نہ کھل جائے یہاں تک کہ دارالامارۃ (گورنمنٹ ہاؤس) میں داخل ہو گیا اس وقت کوفی یہ سمجھے کہ حضرت نہ تھے بلکہ ابن زیاد اس فریب کاری کے ساتھ آیا اور انہیں حسرت و مایوسی ہوئی ۔ رات گزار کر صبح کو ابن زیاد نے اہلِ کوفہ کو جمع کیا اور حکومت کا پروانہ پڑھ کر انھیں سنایا اور یزید کی مخالفت سے ڈرایا دھمکایا ۔ طرح طرح کے حیلوں سے حضرت مسلم کی جماعت کو منتشر کر دیا ۔ حضرتِ مسلم نے ہانی بن عروہ کے مکان میں اقامت فرمائی ۔ ابن زیاد نے محمد ابن اشعث کو ایک دستہ فوج کے ساتھ ہانی کے مکان پر بھیج کر اس کو گرفتار کرا منگایا اور قید

کرلیا۔ کوفہ کے تمام رؤسا و عمائد کو بھی قلعہ میں نظر بند کر دیا۔

حضرتِ مسلم یہ خبر پاکر برآمد ہوئے اور آپ نے اپنے متوسلین کو ندا کی جوق در جوق آدمی آنے شروع ہو گئے اور چالیس ہزار کی جمعیت نے آپ کے ساتھ قصرِ شاہی کا احاطہ کرلیا۔ صورت بن آئی تھی حملہ کرنے کی دیر تھی۔ اگر حضرتِ مسلم حملہ کرنے کا حکم دے دیتے تو اسی وقت قلعہ فتح پاتا اور ابنِ زیاد اور اس کے ہمراہی حضرتِ مسلم کے ہاتھ میں گرفتار ہوتے اور یہی لشکر سیلاب کی طرح امنڈ کر شامیوں کو تاخت و تاراج کر ڈالتا اور یزید کو جان بچانے کے لئے کوئی راہ نہ ملتی۔ نقشہ تو یہی جما تھا مگر کاردست کارکناں قدرت، بندوں کا سوچا کیا ہوتا ہے۔ حضرتِ مسلم نے قلعہ کا احاطہ تو کرلیا اور باوجودیکہ کوفیوں کی بدعہدی اور ابنِ زیاد کی فریب کاری اور عداوت پورے طور پر ثابت ہو چکی تھی۔ پھر بھی آپ نے اپنے لشکر کو حملہ کا حکم نہ دیا اور ایک بادشاہ دادگستر کے نائب کی حیثیت سے آپ نے انتظار فرمایا کہ پہلے گفتگو سے قطعِ حجت کرلیا جائے اور صلح کی صورت پیدا ہو سکے تو مسلمانوں میں خونریزی نہ ہونے دی جائے۔ آپ اپنے اس پاک ارادہ سے انتظار میں رہے اور اپنی احتیاط کو ہاتھ سے نہ دیا۔ دشمن نے اس وقفہ سے فائدہ اٹھایا اور کوفہ کے رؤسا و عمائد جن کو ابنِ زیاد نے پہلے سے قلعہ میں بند کر رکھا تھا انہیں مجبور کیا کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور زیرِ اثر لوگوں کو مجبور کر کے حضرتِ مسلم کی جماعت سے علیحدہ کر دیں۔

یہ لوگ ابنِ زیاد کے ہاتھ میں قید تھے اور جانتے تھے کہ اگر ابنِ زیاد کو بھی شکست ہوئی تو وہ قلعہ فتح ہونے تک ان کا خاتمہ کر دے گا۔ اس خوف سے وہ گھبرا اٹھے اور انہوں نے دیوارِ قلعہ پر چڑھ کر اپنے متعلقین و متوسلین سے گفتگو شروع کر دی اور انہیں حضرتِ مسلم کی رفاقت چھوڑ دینے پر انتہا درجہ کا زور دیا اور بتایا کہ علاوہ اس بات کے کہ حکومت تمہاری دشمن ہو جائے گی یزید ناپاک طینت تمہارے بچہ بچہ کو قتل کروا دے گا۔

تمہارے مال لٹوا دے گا تمہاری جاگیریں اور مکان ضبط ہو جائیں گے۔ یہ اور مصیبت ہے کہ اگر تم امام مسلم کے ساتھ رہے تو ہم جو ابن زیاد کے ہاتھ میں قید ہیں قلعہ کے اندر مارے جائیں گے۔ اپنے انجام پر نظر ڈالو۔ ہمارے حال پر رحم کرو۔ اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔ یہ حیلہ کامیاب ہوا اور حضرت مسلم کا لشکر منتشر ہونے لگا یہاں تک کہ تا بوقت شام حضرت مسلم نے مسجد کوفہ میں جس وقت مغرب کی نماز شروع کی تو آپ کے ساتھ پانچ سو آدمی تھے اور جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ کے ساتھ ایک بھی نہ تھا۔ تمناؤں کے اظہار اور التجاؤں کے طومار سے جس عزیز مہمان کو بلایا تھا اس کے ساتھ یہ وفا ہے کہ وہ تنہا ہیں اور ان کی رفاقت کے لئے کوئی ایک بھی موجود نہیں۔ کوفہ والوں نے حضرت مسلم کو چھوڑنے سے پہلے غیرت و حمیت سے قطع تعلق کیا اور انہیں ذرا پرواہ نہ ہوئی کہ قیامت تک تمام عالم میں ان کی بے حمیتی کا شہرہ رہے گا اور اس بزدلانہ بے مروتی اور نامردی سے وہ رسوائے عالم ہوں گے۔ حضرت مسلم اس غربت و مسافرت میں تنہا رہ گئے۔ کدھر جائیں کہاں قیام کریں۔ حیرت ہے کہ کوفہ کے تمام مہمان خانوں کے دروازے مقفل تھے جہاں سے ایسے محترم مہمانوں کو مدعو کرنے رسل و رسائل کا تانتا باندھ دیا گیا تھا۔ نادان بچے ساتھ ہیں کہاں انہیں ٹھائیں کہاں سلائیں۔ کوفہ کے وسیع خطہ میں دو چار گز زمین حضرت مسلم کے شب گزارنے کے لئے نظر نہیں آتی۔ اس وقت مسلم کو امام حسین کی یاد آتی ہے اور دل تڑپا دیتی ہے۔ وہ سوچتے ہیں کہ میں نے امام کی یاد میں خط لکھا۔ تشریف آوری کی التجا کی ہے اور اس بد عہد قوم کے اخلاص و عقیدت کا ایک دل کش نقشہ امام عالی مقام کے حضور پیش کیا ہے اور تشریف آوری پر زور دیا ہے۔ یقیناً حضرت امام میری التجا رد نہ فرمائیں گے اور یہاں کے حالات سے مطمئن ہو کر مع اہل و عیال چل پڑیں گے۔ یہاں انھیں کیا مصائب پہنچیں گے اور زہرا کے جنتی پھولوں کو اس بے مہری کی طپش کیسے گزند پہنچائے گی۔ یہ غم الگ دل کو گھائل

کر رہا تھا اور اپنی تحریر پر شرمندگی و انفعال اور حضرت امام کے نئے خطرات علیحدہ بے چین کر رہے تھے اور موجودہ پریشانی جدا دامن گیر تھی۔

اس حالت میں حضرت مسلم کو پیاس معلوم ہوئی۔ ایک گھر سامنے نظر پڑا جہاں طوعہ نامی ایک عورت موجود تھی اس سے پانی مانگا۔ اس نے پہچان کر پانی دیا اور اپنی سعادت سمجھ کر آپ کو اپنے مکان میں فروکش کیا۔ اس عورت کا بیٹا محمد ابنِ اشعث کا گرگا تھا۔ اس نے فوراً ہی اس کی خبر دی اور اس نے ابنِ زیاد کو اس پر مطلع کیا۔ عبیداللہ بن زیاد نے عمر بن حریث (کوتوال کوفہ) اور محمد بن اشعث کو بھیجا۔ ان دونوں نے ایک جماعت ساتھ لے کر طوعہ کے گھر کا احاطہ کیا اور چاہا کہ حضرتِ مسلم کو گرفتار کریں۔ حضرتِ مسلم اپنی تلوار لے کر نکلے اور بناچاری آپ نے ان ظالموں سے مقابلہ شروع کیا۔ انہوں نے دیکھا کہ حضرت مسلم اس جماعت پر اس طرح ٹوٹ پڑے جیسے شیر ببر گلہ گوسپند پر حملہ آور ہو۔ آپ کے شیرانہ حملوں سے دل آوروں نے دل چھوڑ دیئے اور بہت آدمی زخمی ہوئے بعض مارے گئے۔ معلوم ہوا کہ بنی ہاشم کے اس ایک جوان سے نامردانِ کوفہ کی یہ جماعت نبرد آزما نہیں ہو سکتی۔ اب یہ تجویز کی کہ کوئی چال چلنی چاہیے۔ اور کسی فریب سے حضرتِ مسلم پر قابو پانے کی کوشش کی جائے۔ یہ سوچ کر امن و صلح کا اعلان کر دیا۔ اور حضرتِ مسلم سے عرض کیا کہ ہمارے آپ کے درمیان جنگ کی ضرورت نہیں ہے نہ ہم آپ سے لڑنا چاہتے ہیں۔ مدعا صرف اس قدر ہے کہ آپ ابن زیاد کے پاس تشریف لے چلیں اور اس سے گفتگو کر کے معاملہ طے کر لیں۔ حضرت مسلم نے فرمایا کہ میرا خود قصدِ جنگ نہیں اور جس وقت میرے ساتھ چالیس ہزار کا لشکر تھا اس وقت بھی میں نے جنگ نہیں کی اور میں انتظار کرتا رہا کہ ابن زیاد گفتگو کر کے کوئی شکل مصالحت پیدا کرے تو خونریزی نہ ہو۔

چنانچہ یہ لوگ حضرتِ مسلم کو مع ان کے دونوں صاحبزادوں کے عبیداللہ ابن زیاد

کے پاس سے کر روانہ ہوئے، اس بدبخت نے پہلے ہی دروازہ کے دونوں پہلوؤں میں اندر کی جانب تیغ زن چھپا کر کھڑے کر دیئے تھے اور انہیں حکم دے دیا تھا کہ حضرتِ مسلم دروازہ میں داخل ہوں ایک دم دونوں طرف سے ان پر وار کیا جائے۔ حضرتِ مسلم کو اس کی کیا خبر تھی اور آپ اس مکاری اور کیادی سے کیا واقف تھے۔ آپ آیۂ کریمہ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ الآیۃ پڑھتے ہوئے دروازے میں داخل ہوئے۔ داخل ہونا تھا کہ اشقیاء نے دونوں طرف سے تلواروں کے وار کئے اور بنی ہاشم کا مظلوم مسافر اعدائے دین کی بے رحمی سے شہید ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

دونوں صاحبزادے آپ کے ساتھ تھے۔ انھوں نے اس بیکسی کی حالت میں اپنے شفیق والد کا سر ان کے مبارک تن سے جدا ہوتے دیکھا چھوٹے چھوٹے بچوں کے دل غم سے پھٹ گئے اور اس صدمہ میں وہ بید کی طرح لرزنے اور کانپنے لگے۔ ایک بھائی دوسرے بھائی کو دیکھتا تھا اور ان کی سرمگیں آنکھوں سے خونی اشک جاری تھے لیکن اس معرکۂ ستم میں کوئی ان نادانوں پر رحم کرنے والا نہ تھا ستمگاروں نے ان نونہالوں کو بھی تیغِ ستم سے شہید کیا اور ہانی کو قتل کر کے سولی چڑھایا۔ ان تمام شہیدوں کے سر نیزوں پر چڑھا کر کوفہ کے گلی کوچوں میں پھرائے گئے اور بیجائی کے ساتھ کوفیوں نے اپنی سنگ دلی اور مہمان کشی کا عملی طور پر اعلان کیا۔ یہ واقعہ ۳، ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ کا ہے۔ اسی دن مکہ مکرمہ سے حضرتِ امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔

۱؎ آپ کے ہمراہ اس وقت مسطورہ ذیل حضرات تھے تین فرزند حضرت امام علی اوسط جن کو امام زین العابدین کہتے ہیں جو حضرت شہربانو بنت یزدجرد بن شہریار بن خسرو پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں کے بطن سے

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی کوفہ کو روانگی

حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط آنے کے بعد حضرت امام رضی اللہ تعالےٰ

ہیں۔ ان کی عمر اس وقت بائیس سال کی تھی اور مریض تھے۔ حضرت امام کے دوسرے صاحبزادے حضرت علی اکبر جو لیلیٰ بنتِ ابی مرہ بن عروہ بن مسعود ثقفی کے بطن سے ہیں جن کی عمر اٹھارہ سال کی تھی (یہ شریک جنگ ہو کر شہید ہوئے) تیسرے شیرخوار جنہیں علی اصغر کہتے ہیں جن کا نام عبداللہ اور جعفر بھی بتایا گیا ہے۔ اس نام میں اختلاف ہے آپ کی والدہ قبیلہ بنی قضاعہ سے ہیں اور ایک صاحبزادی جن کا نام سکینہ ہے اور جن کی نسبت حضرت قاسم کے ساتھ ہوئی تھی اور اس وقت آپ کی عمر سات سال کی تھی۔ کربلا میں ان کا نکاح ہونے کی روایت ہے وہ غلط ہے اسکی کچھ اصل نہیں اور کچھ ایسے کم عقل لوگوں نے یہ روایت کی ہے جنھیں اتنی بھی تمیز نہ تھی کہ وہ یہ سمجھ سکتے کہ اہلِ بیتِ رسالت کے نئے وہ وقت توجہ الی اللہ اور شوقِ شہادت و اتمامِ حجت کا تھا۔ اس وقت شادی نکاح کی طرف التفات ہونا بھی ان حالات کے منافی ہے۔ حضرتِ سکینہ کی وفات بھی راہِ شام میں مشہور کی جاتی ہے یہ بھی غلط ہے بلکہ واقعۂ کربلا کے بعد عرصہ تک حیات رہیں اور انکا نکاح حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ساتھ ہوا۔ حضرتِ سکینہ کی والدہ امرالقیس ابن عدی کی دختر قبیلۂ بنی کلب سے ہیں۔ حضرتِ امام رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو اپنی ازواج میں سے سب سے زیادہ انکے ساتھ محبت تھی اور انکا بہت زیادہ اکرام و احترام فرماتے تھے حضرتِ امام کا شعر ہے ؎

لَعَمْرِیْ اِنَّنِیْ لَاُحِبُّ اَرْضًا　　تَحُلُّ بِهَا سَکِیْنَةُ وَالرَّبَابُ

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امامِ عالی مقام کو حضرتِ سکینہ اور ان کی والدہ ماجدہ سے کس قدر محبت تھی حضرت امام کی بڑی صاحبزادی حضرتِ فاطمہ صغریٰ جو حضرتِ ام اسحٰق بنت حضرتِ طلحہ کے بطن سے ہیں اپنے شوہر حضرتِ حسن بن مثنیٰ بن حضرتِ امام حسن ابن حضرت مولیٰ علی مرتضیٰ (رضی اللہ تعالےٰ عنہم) کے ساتھ مدینۂ طیبہ میں رہیں کربلا تشریف نہ لائیں۔ امام کے ازواج میں حضرتِ امام کے ساتھ شہربانو اور حضرت علی اصغر

عنہ کو کوفیوں کی درخواست قبول فرمانے میں کوئی وجہ تامل وجائے عذر باقی نہیں رہی تھی۔ ظاہری شکل تو یہ تھی اور حقیقت میں قضاو قدر کے فرمان نافذ ہو چکے تھے شہادت کا وقت قریب آچکا تھا۔ جذبۂ شوق دل کو کھینچ رہا تھا۔ فداکاری کے ولولوں نے دل کو بے تاب کر دیا تھا حضرت امام نے سفر عراق کا ارادہ فرمایا اور اسباب سفر درست ہونے لگا نیازمندان صادق العقیدت کو اطلاع ہوئی۔ اگرچہ ظاہر کوئی مخوف صورت پیش نظر نہ تھی اور حضرت مسلم کے خط سے کوفیوں کی عقیدت و ارادت اور ہزارہا آدمیوں کے حلقہ بیعت میں داخل ہونے کی اطلاع مل چکی۔ غدر اور جنگ کا بظاہر کوئی قرینہ نہ تھا۔

کی والدہ تھیں۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے چار نوجوان فرزند حضرت قاسم، حضرت عبداللہ، حضرت عمر، حضرت ابوبکر امام کے ہمراہ تھے اور کربلا میں شہید ہوئے حضرت مولیٰ علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالےٰ وجہہ کے پانچ فرزند حضرت عباس ابن علی، حضرت عبداللہ ابن علی، حضرت محمد ابن علی، حضرت جعفر ابن علی، حضرت عثمان ابن علی حضرت امام کے ہمراہ تھے سب نے شہادت پائی۔ حضرت عقیل کے فرزندوں میں حضرت مسلم تو حضرت امام کے کربلا پہنچنے سے پہلے ہی مع اپنے دو صاحبزادوں محمد و ابراہیم کے شہید ہو چکے اور تین فرزند حضرت عبداللہ و حضرت عبدالرحمن و حضرت جعفر برادران حضرت مسلم امام کے ہمراہ کربلا حاضر ہو کر شہید ہوئے۔

حضرت جعفر طیار کے دو پوتے حضرت محمد اور حضرت عون حضرت امام کے ہمراہ حاضر ہو کر شہید ہوئے۔ ان کے والد کا نام عبداللہ بن جعفر ہے اور حضرت امام کے حقیقی بھانجے ہیں۔ ان کی والدہ حضرت زینب حضرت امام کی حقیقی بہن ہیں۔ صاحبزادگان اہل بیت میں سے سترہ حضرات حضرت کے ہمراہ حاضر ہو کر رتبۂ شہادت کو پہنچے اور حضرت امام زین العابدین (بیمار) اور عمر بن حسن اور محمد بن عمر ابن علی اور دوسرے صغیر السن صاحبزادے قیدی بنائے گئے حضرت زینب امام کی حقیقی ہمشیرہ اور شہر بانو حضرت امام کی زوجہ اور حضرت سکینہ حضرت امام کی دختر اور دوسری اہل بیت کی بیبیاں ہمراہ تھیں ۱۲

لیکن صحابہ کے دل اس وقت حضرتِ امام کے سفر کو کسی طرح گوارا نہ کرتے تھے۔
اور وہ حضرتِ امام سے اصرار کر رہے تھے کہ آپ اس سفر کو ملتوی فرمائیں مگر حضرتِ امام ان کی یہ استدعا قبول فرمانے سے مجبور تھے کیونکہ آپ کو خیال تھا کہ کوفیوں کی اتنی بڑی جماعت کا اس قدر اصرار اور ایسی التجاؤں کے ساتھ عرضداشتیں پذیریہ نہ فرمانا اہلِ بیت کے اخلاق کے شایاں نہیں۔ اس کے علاوہ حضرتِ مسلم کے پہنچنے پر اہلِ کوفہ کی طرف سے کوئی کوتاہی نہ ہونا اور امام کی بیعت کے لئے شوق سے ہاتھ پھیلا دینا اور ہزاروں کوفیوں کا داخلِ حلقۂ غلامی ہو جانا اس پر بھی حضرت امام کا ان کی طرف سے اغماض فرمانا اور ان کی ایسی التجاؤں کو جو محض پاسداری کے لئے ہیں ٹھکرا دینا اور اس مسلمان قوم کی دل شکنی کرنا حضرت امام کو کسی طرح گوارا نہ ہوا۔ ادھر حضرتِ مسلم جیسے صفاکیش کی استدعا کو بے التفاتی کی نظر سے دیکھنا اور ان کی درخواستِ تشریف آوری کو رد فرما دینا بھی حضرتِ امام پر بہت شاق تھا۔ یہ وجوہ تھے جنھوں نے امام کو سفرِ عراق پر مجبور کیا اور آپ کو اپنے حجازی عقیدت مندوں سے معذرت کرنا پڑی۔

حضرتِ ابنِ عباس، حضرتِ ابنِ عمر، حضرتِ جابر، حضرتِ ابوسعید خدری، حضرتِ ابو واقد لیثی اور دوسرے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپ کو روکنے میں بہت مصر تھے اور آخر تک وہ یہی کوشش کرتے رہے کہ آپ مکہ مکرمہ سے تشریف نہ لے جائیں لیکن یہ کوششیں کارآمد نہ ہوئیں اور حضرت امام عالی مقام نے ۳ ذی الحجہ ۶۰ھ کو اپنے اہلِ بیت موالی و خدام کل بیاسی نفوس کو ہمراہ لے کر راہِ عراق اختیار کی۔ مکہ مکرمہ سے اہلِ بیتِ رسالت کا یہ چھوٹا سا قافلہ روانہ ہوتا ہے اور دنیا سے سفر کرنے والے بیت اللہ الحرام کا آخری طواف کر کے خانۂ کعبہ کے پردوں سے لپٹ لپٹ کر روتے ہیں۔
ان کی گرم آہوں اور دل ہلا دینے والے نالوں نے مکہ مکرمہ کے باشندوں کو مغموم کر دیا مکہ مکرمہ کا بچہ بچہ اہلِ بیت کے اس قافلہ کو حرم شریف سے رخصت ہوتا دیکھ کر آبدیدہ

اور مغموم ہو رہا تھا مگر وہ جانبازوں کے میرِ لشکر اور فدا کاروں کے قافلۂ سالار مردانہ ہمت کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اثنائے راہ میں ذات عراق کے مقام پر بشیر ابنِ غالب اسدی بعزم مکہ مکرمّہ کوفہ سے آتے ملے حضرتِ امام نے ان سے اہلِ عراق کا حال دریافت کیا۔ عرض کیا کہ ان کے قلوب آپ کے ساتھ ہیں اور تلواریں بنی امیہ کے ساتھ اور خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ حضرتِ امام نے فرمایا سچ ہے ایسی ہی گفتگو فرزدق شاعر سے ہوئی۔ بطن الرمہ (نام مقام ہے) سے روانہ ہونے کے بعد عبید اللہ بن مطیع سے ملاقات ہوئی وہ حضرتِ امام کے بہت درپے ہوئے کہ آپ اس سفر کو ترک فرمائیں اور اس میں انہوں نے اندیشے ظاہر کئے۔ حضرتِ امام نے فرمایا، لَنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ہمیں وہی مصیبت پہنچ سکتی ہے، جو خداوندِ عالم نے ہمارے لئے مقرر فرمادی۔

راہ میں حضرتِ امام عالی مقام کو کوفیوں کی بدعہدی اور حضرتِ مسلم کی شہادت کی خبر مل گئی۔ اس وقت آپ کی جماعت میں مختلف رائیں ہوئیں اور ایک مرتبہ آپ نے بھی واپسی کا قصد ظاہر فرمایا لیکن بہت گفتگوؤں کے بعد رائے یہی قرار پائی کہ سفر جاری رکھا جائے اور واپسی کا خیال ترک کیا جائے۔

حضرتِ امام نے بھی اس مشورہ سے اتفاق کیا اور قافلہ آگے چل دیا یہاں تک کہ جب کوفہ دو منزل رہ گیا تب آپ کو حر بن یزید ریاحی ملا۔ حر کے ساتھ ابنِ زیاد کے ایک ہزار ہتھیار بند سوار تھے۔ حر نے حضرتِ امام کی جناب میں عرض کیا کہ اس کو ابنِ زیاد نے آپ کی طرف بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ آپ کو اس کے پاس لے چلے۔ حر نے یہ بھی ظاہر کیا کہ وہ مجبورانہ بادلِ ناخواستہ آیا ہے اور اس کو آپ کی خدمت میں جرأت بہت ناپسند و ناگوار ہے۔ حضرتِ امام نے حر سے فرمایا کہ میں اس شہر میں خود بخود نہ آیا بلکہ مجھے بلانے کے لئے اہلِ کوفہ کے متواتر پیام گئے اور لگاتار نامے پہنچتے رہے اے

اہلِ کوفہ! اگر تم اپنے عہد و بیعت پر قائم ہو اور تمہیں اپنی زبانوں کا کچھ پاس ہو تو تمہارے شہر میں داخل ہوں ورنہ یہیں سے واپس چلا جاؤں۔

حر نے قسم کھا کر کہا کہ ہم کو اس کا کچھ علم نہیں کہ آپ کے پاس التجا نامے اور قاصد بھیجے گئے اور نہ میں آپ کو چھوڑ سکتا ہوں اور نہ واپس ہو سکتا ہوں

حر کے دل میں خاندان نبوت اور اہلِ بیت کی عظمت ضرور تھی اور اس نے نماز میں حضرتِ امام ہی کی اقتدار کی لیکن وہ ابنِ زیاد کے حکم سے مجبور تھا اور اس کو یہ اندیشہ بھی تھا کہ وہ اگر حضرتِ امام کے ساتھ کوئی مراعات کرے تو ابنِ زیاد پر یہ بات ظاہر ہو کر رہے گی کہ ہزار سوار ساتھ ہیں ایسی صورت میں کسی بات کا چھپانا ممکن نہیں اور اگر ابنِ زیاد کو معلوم ہوا کہ حضرتِ امام کے ساتھ ذرا بھی فروگذاشت کی گئی ہے تو وہ نہایت سختی کے ساتھ پیش آئے گا۔ اس اندیشہ اور خیال سے حر اپنی بات پر اڑا رہا یہاں تک کہ حضرتِ امام کو کوفہ کی راہ سے ہٹ کر کربلا میں نزول فرمانا پڑا۔

یہ محرم ۶۱ھ کی دوسری تاریخ تھی۔ آپ نے اس مقام کا نام دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اس جگہ کو کربلا کہتے ہیں۔ حضرتِ امام کربلا سے واقف تھے اور آپ کو معلوم تھا کہ کربلا ہی وہ جگہ ہے جہاں اہلِ بیتِ رسالت کو راہِ حق میں اپنے خون کی ندیاں بہانی ہونگی۔ آپ کو انہی دنوں میں حضور سید عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ حضور علیہ الصلوٰت والتسلیمات نے آپ کو شہادت کی خبر دی اور آپ کے سینۂ مبارک پر دستِ اقدس رکھ کر دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ اَعْطِ الْحُسَیْنَ صَبْرًا وَّ اَجْرًا

عجیب وقت ہے کہ سلطانِ دارین کے نورِ نظر کو صدہا تمناؤں سے مہمان بنا کر بلایا۔ عرضیوں اور درخواستوں کے طومار لگا دیئے ہیں قاصدوں اور پیاموں کی روزمرہ ڈاک لگ گئی ہے۔ اہلِ کوفہ راتوں کو اپنے مکانوں میں امام کی تشریف آوری خواب میں دیکھتے ہیں اور خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے انتہائیں مدتوں تک صبح سے شام

یمک حجاز کی سڑک پر بیٹھ کر امام کی آمد کا انتظار کیا کرتی ہیں اور شام کو بادلِ مغموم واپس جاتی ہیں لیکن جب وہ کریم مہمان اپنے کرم سے ان کی زمین میں ورود فرماتا ہے تو انہی کوفیوں کا مسلح لشکر سامنے آتا ہے اور نہ شہر میں داخل ہونے دیتا ہے نہ اپنے وطن ہی کو واپس تشریف لے جانے پر راضی ہوتا ہے یہاں تک کہ اس معززِ مہمان کو مع اپنے اہلِ بیت کے کھلے میدان میں رختِ اقامت ڈالنا پڑتا ہے اور دشمنانِ حیا کو غیرت نہیں آتی دنیا میں ایسے معزز مہمان کے ساتھ ایسی بے حمیتی کا سلوک کبھی نہ ہوا ہو گا جو کوفیوں نے حضرتِ امام کے ساتھ کیا۔

یہاں تو ان مسافرانِ بے وطن کا سامان بے ترتیب پڑا ہے اور ادھر ہزار سوار کا مسلح لشکر مقابل خیمہ زن ہے جو اپنے مہمانوں کو نیزوں کی نوکیں اور تلواروں کی دھاریں دکھا رہا ہے۔ اور بجائے آدابِ میزبانی کے خونخواری پر تلا ہوا ہے۔ دریائے فرات کے قریب دونوں لشکر تھے اور دریائے فرات کا پانی دونوں لشکروں میں سے کسی کو سیراب نہ کر سکا امام کے لشکر کو تو اس کا ایک قطرہ پہنچنا ہی مشکل ہو گیا اور یزیدی لشکر جتنے آتے گئے ان سب کو بیتِ رسالت کے بے گناہ خون کی پیاس بڑھتی گئی۔ آبِ فرات سے ان کی تشنگی میں کوئی فرق نہ آیا۔ ابھی اطمینان سے بیٹھنے اور تکان دور کرنے کی صورت بھی نظر نہ آئی تھی کہ حضرتِ امام کی خدمت میں ابنِ زیاد کا ایک مکتوب پہنچا جس میں اس نے حضرت امام سے یزید ناپاک کی بیعت طلب کی تھی۔ حضرتِ امام نے وہ خط پڑھ کر ڈال دیا اور قاصد سے کہا میرے پاس اس کا کچھ جواب نہیں۔

ستم ہے، بلایا تو جاتا ہے خود بیعت ہونے کے لئے اور جب وہ کریم بادیہ پیمائی کی مشقتیں برداشت فرما کر تشریف لے آتے ہیں تو ان کو یزید جیسے عیب مجسم شخص کی بیعت پر مجبور کیا جاتا ہے جس کی بیعت کو کوئی بھی واقف حال دین دار آدمی گوارا نہیں نہ وہ بیعت کسی طرح جائز تھی۔ امام کو ان بے حیاؤں کی اس جرأت پر حیرت تھی اور اسی

لئے آپ نے فرمایا کہ میرے پاس اس کا کچھ جواب نہیں ہے۔ اس سے ابنِ زیاد کا طیش اور زیادہ ہو گیا اور اس نے مزید عساکر و افواج ترتیب دیئے اور ان لشکروں کا سپہ سالار عمرو بن سعد کو بنایا جو اس زمانے میں ملک رَے کا والی (گورنر) تھا۔ رَے خراسان کا ایک شہر ہے جو آج کل ایران کا دارالسلطنت ہے اور اس کو طہران کہتے ہیں۔

ستمگر شعار محاربین سب کے سب حضرت امام کی عظمت و فضیلت کو خوب جانتے پہچانتے تھے اور آپ کی جلالت و مرتبت کا ہر دل معترف تھا۔ اسی وجہ سے ابنِ سعد نے حضرت امام کے مقابلہ سے گریز کرنا چاہی اور پہلو تہی کی وہ چاہتا تھا کہ حضرت امام کے خون سے وہ بچا رہے مگر ابن زیاد نے اسے مجبور کیا کہ اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو رَے کی حکومت سے دست بردار ہو ورنہ امام سے مقابلہ کیا جائے دنیوی حکومت کے لالچ نے اس کو اس جنگ پر آمادہ کر دیا جس کو اس وقت وہ ناگوار سمجھتا تھا اور جس کے تصور سے اس کا دل کانپتا تھا۔ آخر کار ابنِ سعد وہ تمام عساکر و افواج لے کر حضرتِ امام کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا اور ابن زیاد بدنہاد پیہم و متواتر کمک پر کمک بھیجتا رہا یہاں تک کہ عمر بن سعد کے پاس بائیس ہزار سوار و پیادہ جمع ہو گئے اور اس نے اس جمعیت کے ساتھ کربلا میں پہنچ کر فرات کے کنارے پڑاؤ کیا اور اپنا مرکز قائم کیا۔

حیرت ناک بات ہے اور دنیا کی کسی جنگ میں اس کی مثال نہیں ملتی کہ کل بیاسی نوآدمی، ان میں بیبیاں بھی، بچے بھی، بیمار بھی، پھر وہ بھی بارادۂ جنگ نہیں آئے تھے اور انتظامِ حرب کافی نہ رکھتے تھے۔ ان کے لئے بائیس ہزار کی فوجِ جرار بھیجی جائے آخر وہ ان بیاسی نفوس کو اپنے خیال میں کیا سمجھتے تھے اور ان کی شجاعت و بسالت کے کیسے کیسے مناظر ان کی آنکھوں نے دیکھے تھے کہ اس چھوٹی سی جماعت کے لئے دوگنی چوگنی، دس گنی تو کیا سو گنی تعداد کو بھی کافی نہ سمجھتے۔ بے اندازہ لشکر بھیج دیئے فوجوں

کے پہاڑ لگا ڈالے اس پر بھی خوف زدہ ہیں اور جنگ آزماؤں، دلاوروں کے حوصلے پست ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ شیرانِ حق کے حملے کی تاب لانا مشکل ہے مجبوراً یہ تدبیر کرنا پڑی کہ لشکرِ امام پر پانی بند کیا جائے پیاس کی شدت اور گرمی کی حدت سے قویٰ مضمحل ہو جائیں ضعف انتہا کو پہنچ چکے تب جنگ شروع کی جائے۔ ؎

وہ ریگِ گرم اور وہ دھوپ اور وہ پیاس کی شدت
کریں صبر و تحمل میسر کو تڑاپسے ہوتے ہیں!

اہلِ بیتِ کرام پر پانی بند کرنے اور ان کے خونوں کے دریا بہانے کے لئے بے غیرتی سے سامنے آنے والوں میں زیادہ تعداد انہیں بے حیاؤں کی تھی جنہوں نے حضرتِ امام کو صدہا درخواستیں بھیج کر بلایا تھا اور مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر حضرتِ امام کی بیعت کی تھی مگر آج دشمنانِ حمیت و غیرت کو نہ اپنے عہد و بیعت کا پاس تھا نہ اپنی دعوت و میزبانی کا لحاظ۔ فرات کا بے حساب پانی ان سیاہ باطنوں نے خاندانِ رسالت پر بند کر دیا تھا۔ اہلِ بیت کے چھوٹے چھوٹے خورد سال فاطمی چمن کے نونہال خشک لب تشنہ دہان تھے نادان بچے ایک ایک قطرہ کے لئے تڑپ رہے تھے۔ نور کی تصویریں پیاس کی شدت میں دم توڑ رہی تھیں۔ بیماروں کے لئے دریا کا کنارہ بیابان بنا ہوا تھا۔ آلِ رسول کو لبِ آب پانی میسر نہ آتا تھا سر چشمہ تیمم سے نمازیں پڑھنی پڑتی تھیں۔ اس طرح بے آب و دانہ تین دن گزر گئے۔ چھوٹے چھوٹے بچے اور بیبیاں سب بھوک و پیاس سے بے تاب و تواں ہو گئے۔ اس معرکۂ ظلم و ستم میں اگر رستم بھی ہوتا تو اس کے حوصلے پست ہو جاتے اور سر نیاز جھکا دیتا مگر فرزندِ رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) کو مصائب کا ہجوم جگہ سے نہ ہٹا سکا اور ان کے عزم و استقلال میں فرق نہ آیا۔ حق و صداقت کا حامی مصیبتوں کی بھیانک گھٹاؤں سے نہ ڈرا اور طوفانِ بلا کے سیلاب سے اس کے پائے ثبات میں جنبش نہ ہوئی دین کا شیدائی دنیا کی آفتوں کو خیال میں نہ لایا۔ دس محرم تک یہی بحث رہی کہ حضرتِ امام یزید کی

بیعت کریں اگر آپ یزید کی بیعت کرتے تو وہ تمام لشکر آپ کے جلو میں ہوتا آپ کا کمال اکرام و احترام کیا جاتا خزانوں کے منہ کھول دیئے جاتے اور دولتِ دنیا قدموں پر لٹا دی جاتی مگر جس کا دل حبِ دنیا سے خالی ہو اور دنیا کی بے ثباتی کا راز جس پر منکشف ہو وہ اس طلسم پر کب مفتون ہوتا ہے جس آنکھ نے حقیقی حسن کے جلوے دیکھے ہوں وہ نمائشی رنگ و روپ پر کیا نظر ڈالے۔

حضرت امام نے راحتِ دنیا کے منہ پر ٹھوکر مار دی اور وہ راہِ حق میں پہنچنے والی مصیبتوں کا خوش دلی سے خیر مقدم کیا اور باوجود اس قدر آفتوں اور بلاؤں کے ناجائز بیعت کا خیال اپنے قلب مبارک میں نہ آنے دیا اور مسلمانوں کی تباہی و بربادی گوارانہ فرمائی اپنا گھر لٹانا اور اپنے خون بہانا منظور کیا مگر اسلام کی عزت میں فرق آنا برداشت نہ ہو سکا۔

---

۱۰ محرم ۶۱ھ کے دلدوز واقعات

جب کسی طرح شکلِ مصالحت پیدا نہ ہوئی اور کسی شکل سے جفا شعار قوم صلح کی طرف مائل نہ ہوئی اور تمام صورتیں ان کے سامنے پیش کر دی گئیں لیکن تشنگانِ خونِ اہلِ بیت کسی بات پر راضی نہ ہوئے اور حضرتِ امام کو یقین ہو گیا کہ اب کوئی شکلِ خلاص باقی نہیں ہے نہ یہ شہر میں داخل ہونے دیتے ہیں نہ واپس جانے دیتے ہیں نہ ملک چھوڑنے پران کو تسلی ہوتی ہے وہ جان کے خواہاں ہیں اور اب اس جنگ کو دفع کرنے کا کوئی طریقہ باقی نہ رہا۔ اس وقت حضرتِ امام نے اپنے قیام گاہ کے گرد ایک خندق کھودنے کا حکم دیا خندق کھودی گئی اور اس کی صرف ایک راہ رکھی گئی ہے جہاں سے نکل کر دشمنوں سے مقابلہ کیا جائے۔ خندق میں آگ جلادی گئی تاکہ اہلِ خیمہ دشمنوں کی ایذاء سے محفوظ رہیں۔

دسویں محرم کا قیامت نما دن آیا جمعہ کی صبح حضرتِ امام نے تمام اپنے رفقاء اہلِ بیت کے ساتھ فجر کے وقت اپنی عمر کی آخری نماز با جماعت نہایت ذوق و شوق تضرع و خشوع کے ساتھ ادا فرمائی۔ پیشانیوں نے سجدوں میں خوب مزے لئے زبانوں نے قرأت و تسبیحات کے لطف اٹھائے۔ نماز سے فراغ کے بعد خیمہ میں تشریف لائے۔ دسویں محرم کا آفتاب قریب طلوع ہے۔ امام عالی مقام اور ان کے تمام رفقاء اہلِ بیت تین دن کے بھوکے پیاسے ہیں۔ ایک قطرہ آب میسر نہیں آیا اور ایک لقمہ حلق سے نہیں اترا بھوک پیاس سے جس قدر ضعف و ناتوانی کا غلبہ ہو جاتا ہے اس کا وہی لوگ کچھ اندازہ کر سکتے ہیں جنہیں کبھی دو تین وقت کی فاقہ کی نوبت آئی ہو پھر بے وطنی، تیز دھوپ، گرم ریت، گرم ہوائیں انہوں نے نازپروردگانِ آغوشِ رسالت

کو کیسا پژمردہ کر دیا ہوگا۔ ان غریبانِ وطن پر جور و جفا کے پہاڑ توڑنے کے لئے بائیس ہزار فوج اور تازہ دم لشکر تیر و تبر تیغ و سناں سے مسلح صفیں باندھے موجود، جنگ کا نقارہ بجا دیا گیا اور مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے فرزند اور فاطمہ زہراؑ کے جگر بند کو مہمان بنا کر بلانے والی قوم نے جانوں پر کھیلنے کی دعوت دی۔

حضرت امام نے عرصۂ کارزار میں تشریف فرما کر ایک خطبہ فرمایا جس میں بیان فرمایا کہ خونِ ناحق حرام اور غضبِ الٰہی کا موجب ہے میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ تم اس گناہ میں مبتلا نہ ہو میں نے کسی کو قتل نہیں کیا ہے کسی کا گھر نہیں جلایا کسی پر حملہ آور نہیں ہوا، اگر تم اپنے شہر میں میرا آنا نہیں چاہتے ہو تو مجھے واپس جانے دو تم سے کسی چیز کا طلب گار نہیں، تمہارے درپے آزار نہیں، تم کیوں میری جان کے درپے ہو اور تم کس طرح میرے خون کے الزام سے بری ہو سکتے ہو، روزِ محشر تمہارے پاس میرے خون کا کیا جواب ہوگا اپنا انجام سوچو اور اپنی عاقبت پر نظر ڈالو، پھر یہ بھی سمجھو کہ میں کون اور بارگاہِ رسالت میں کس چشمِ کرم کا منظورِ نظر ہوں، میرے والد کون ہیں اور میری والدہ کس کی لختِ جگر ہیں، میں انہی بتولِ زہراء کا نورِ دیدہ ہوں جن کے پلصراط پر گزرتے وقت عرش سے ندا کی جائے گی کہ اے اہلِ محشر! سر جھکاؤ اور اپنی آنکھیں بند کرو کہ حضرت خاتونِ جنت پلصراط سے ستر ہزار حوروں کو رکابِ سعادت میں لے کر گزرنے والی ہیں، میں وہی ہوں جس کی محبت کو سرورِ عالم علیہ السلام نے اپنی محبت فرمایا ہے، میرے فضائل تمہیں خوب معلوم ہیں میرے حق میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں اس سے تم بے خبر نہیں۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ آپ کے تمام فضائل ہمیں معلوم ہیں مگر اس وقت یہ مسئلہ زیرِ بحث نہیں ہے۔ آپ جنگ کے لئے کسی کو میدان میں بھیجئے اور گفتگو ختم فرمائیے۔

حضرتِ امام نے فرمایا کہ میں حجتیں ختم کرنا چاہتا ہوں تاکہ اس جنگ کو دفع کرنے کی تدابیر میں سے میری طرف سے کوئی تدبیر نہ رہ جائے اور جب تم مجبور کرتے ہو تو مجبوری و ناچاری مجھ کو تلوار اٹھانا ہی پڑے گی، ہنوز گفتگو ہو رہی تھی کہ گروہِ اعدا میں سے ایک شخص گھوڑا دوڑا کر سامنے آیا (جس کا نام مالک بن عروہ تھا) جب اس نے دیکھا کہ لشکرِ امام کے گرد خندق میں آگ جل رہی ہے اور شعلے بلند ہو رہے ہیں اور اس تدبیر سے اہلِ خیمہ کی حفاظت کی جاتی ہے تو اس گستاخ بد باطن نے حضرتِ امام سے کہا کہ اے حسین تم نے وہاں کی آگ سے پہلے یہیں آگ لگالی حضرتِ امام عالی مقام علی جدہ وعلیہ السلام نے فرمایا کَذَبْتَ یَا عَدُوَّ اللّٰهِ! اے دشمنِ خدا تو کاذب ہے، تجھے گمان ہے کہ میں دوزخ میں جاؤنگا؟

مسلم بن عوسجہ کو مالک بن عروہ کا یہ کلمہ بہت ناگوار ہوا۔ انہوں نے حضرتِ امام سے اس بدزبان کے منہ پر تیر مارنے کی اجازت چاہی، صبر و تحمل اور تقویٰ اور راستبازی اور عدالت و انصاف کا ایک عدیم المثال منظر ہے کہ ایسی حالت میں جب جنگ کے لئے مجبور کیے گئے تھے، خون کے پیاسے تلواریں کھینچے ہوئے جان کے خواہاں تھے بے باکوں نے کمال بے ادبی و گستاخی سے ایسا کلمہ کہا اور ایک جان نثار اس کے منہ پر تیر مارنے کی اجازت چاہتا ہے تو اس وقت اپنے جذبات قبضے میں ہیں طیش نہیں آتا، فرماتے ہیں کہ خبردار میری طرف سے کوئی جنگ کی ابتدا نہ کرے تاکہ اس خونریزی کا وبال اعدا ہی کی گردن پر رہے اور ہمارا دامن اقدام سے آلودہ نہ ہو لیکن تیرے جراحت قلب کا مرہم بھی میرے پاس ہے اور تیرے سوزِ جگر کی تشنگی کی بھی خبر رکھتا ہوں، اب تو دیکھ، یہ فرما کر دستِ دعا دراز فرماتے اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ یا رب عذابِ نار سے قبل اس گستاخ کو دنیا میں آتشِ عذاب میں مبتلا کر، امام کا ہاتھ اٹھانا تھا کہ اس کے گھوڑے کا پاؤں ایک سوراخ میں گیا اور وہ گھوڑے سے گرا اور

اور اس کا پاؤں رکاب میں الجھا اور اسے گھوڑا لئے کر بھاگا اور آگ کی خندق میں ڈال دیا۔

حضرت امام نے سجدۂ شکر کیا اور اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کی اور فرمایا اے پروردگار تیرا شکر ہے کہ تو نے اہل بیتِ رسالت کے بدخواہ کو سزا دی حضرت امام کی زبان سے یہ کلمہ سن کر صفِ اعدا میں سے ایک اور بے باک نے کہا کہ آپ کو پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے کیا نسبت ؟ یہ کلمہ تو امام کے لئے بہت تکلیف دہ تھا آپ نے اس کے لئے بھی بددعا فرمائی اور عرض کیا یا رب ! اس بدزبان کو فوری عذاب میں گرفتار کر، امام نے یہ دعا فرمائی اور اس کو قضائے حاجت کی ضرورت پیش آئی، گھوڑے سے اتر کر ایک طرف بھاگا اور کسی جگہ قضائے حاجت کے لئے برہنہ ہو کر بیٹھا ایک سیاہ بچھو نے ڈنک مارا تو نجاست آلودہ تڑپتا پھرتا تھا، اس رسوائی کے ساتھ تمام لشکر کے سامنے اس ناپاک کی جان نکلی مگر سخت دلانِ بے حمیت کو غیرت نہ ہوئی۔

ایک شخص مزنی نے امام کے سامنے آ کر کہا کہ اے امام دیکھو تو دریائے فرات کیسا موجیں مار رہا ہے خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں تمھیں اس کا ایک قطرہ نہ ملے گا اور تم پیاسے ہلاک ہو جاؤ گے۔ حضرتِ امام نے اس کے حق میں فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ اَمِتْہُ عَطَشًا یارب اس کو پیاسا مار۔ امام کا یہ فرمانا تھا کہ مزنی کا گھوڑا اچھلا مزنی گرا۔ گھوڑا بھاگا اور مزنی اس کے پکڑنے کے لئے اس کے پیچھے دوڑا اور پیاس اس شدت کی غالب ہوئی کہ العطش العطش پکارتا تھا اور جب پانی اس کے منہ سے لگاتے تھے تو ایک قطرہ نہ پی سکتا تھا یہاں تک کہ اسی شدتِ پیاس میں مر گیا۔

فرزندِ رسول کو یہ بات بھی دکھا دینی تھی کہ ان کی مقبولیت بارگاہِ حق میں اور ان کے قرب و منزلت پر جیسی کہ نصوصِ کثیرہ و احادیثِ شہیرہ شاہد ہیں ایسے ہی ان کے

خوارق وکرامات بھی گواہ ہیں اپنے اس فضل کا عملی اظہار بھی اتمام حجت کے سلسلے کی ایک کڑی تھی کہ اگر تم آنکھ رکھتے ہو تو دیکھ لو کہ جو ایسا مستجاب الدعوات ہے اس کے مقابلہ میں آنا خدا سے جنگ کرنا ہے، اس کا انجام سوچ لو اور باز رہو مگر شرارت کے مجسمے اس سے بھی سبق نہ لے سکے اور دنیائے ناپائیدار کی حرص کا بھوت جوان کے سروں پر سوار تھا اس نے انہیں اندھا بنا دیا اور زہیر بے باز لشکرِ اعدا سے نکل کر رجز خوانی کرتے ہوئے میدان میں آکودے اور تکبر و تبجز کے ساتھ اتراتے ہوئے گھوڑے دوڑا کر اور ہتھیار چمکا کر امام سے مبارز کے طالب ہوئے۔

حضرتِ امام اور امام کے خاندان کے نونہال شوقِ جانبازی میں سرشار تھے انہوں نے میدان میں جانا چاہا لیکن قریب کے گاؤں والے جہاں اس ہنگامے کی خبر پہنچی تھی وہاں کے مسلمان بے تاب ہو کر حاضر خدمت ہو گئے تھے انہوں نے اصرار کئے حضرت کے درپے ہو گئے اور کسی طرح راضی نہ ہوئے کہ جب تک ان میں سے ایک بھی زندہ ہے خاندانِ اہلِ بیت کا کوئی بچہ میدان میں جائے۔ حضرتِ امام کو ان اخلاص کیشوں کی سرفروشانہ التجائیں منظور فرمانا پڑیں اور انہوں نے میدان میں پہنچ کر دشمنانِ اہلِ بیت سے شجاعت و بسالت کے ساتھ مقابلے کئے اور اپنی بہادری کے سکے جما دیئے اور ایک ایک نے اعدا کی کثیر تعداد کو ہلاک کر کے راہِ جنت اختیار کرنا شروع کی۔ اس طرح بہت سے جانباز فرزندانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اپنی جانیں نثار کر گئے ان صاحبوں کے اسماء اور انکی جانبازیوں کے تفصیلی تذکرے سیر کی کتابوں میں مسطور ہیں یہاں اختصاراً اس تفصیل کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

وہب ابن عبداللہ کلبی کا ایک واقعہ ذکر کیا جاتا ہے یہ قبیلہ بنی کلب کے زیبا و نیک خو گل سرخ حسین جوان تھے، اٹھتی جوانی اور عنفوان شباب، امنگوں کا وقت اور بہاروں کے دن تھے صرف سترہ روز شادی کو ہوئے تھے اور ابھی بساطِ عشرت و نشاط گرم ہی تھی کہ

آپ کے پاس آپ کی والدہ پہنچیں جو ایک بیوہ عورت تھی اور جن کی ساری کمائی اور گھر کا چراغ یہی ایک نوجوان بیٹا تھا اس شفیق ماں نے پیارے بیٹے کے گلے میں باہیں ڈال کر رونا شروع کردیا، بیٹا حیرت میں آکر ماں سے دریافت کرتا ہے کہ مادرِ محترمہ رنج و ملال کا سبب کیا ہے میں نے اپنی عمر میں کبھی آپ کی نافرمانی نہ کی نہ آئندہ کرسکتا ہوں، آپ کی اطاعت فرمانبرداری فرض ہے اور میں تا بہ زندگی مطیع و فرماں بردار رہونگا، آپ کے دل کو کیا صدمہ پہنچا اور آپ کو کس غم نے رلایا، میری پیاری ماں! میں آپ کے حکم پر جان فدا کرنے کو تیار ہوں آپ غمگین نہ ہوں۔

اکلوتے سعادت مند بیٹے کی یہ سعادت مندانہ گفتگو سن کر ماں چیخ مار کر رونے لگی اور کہنے لگی اے فرزند دلبند میری آنکھ کا نور دل کا سرور تو ہی ہے اور اے میرے گھر کے چراغ اور میرے باغ کے پھول میں نے اپنی جان گھلا گھلا کر تیری جوانی کی بہار پائی ہے، تو ہی میرے دل کا قرار تو ہی میری جان کا چین ہے ایک دم تیری جدائی اور ایک لمحہ تیرا فراق مجھے برداشت نہیں ہوسکتا۔

چو در خواب باشم توئی در خیالم
چو بیدار گردم توئی در ضمیرم

اے جانِ مادر میں نے تجھے اپنا خونِ جگر پلایا ہے آج مصطفٰے کا جگر گوشہ خاتونِ جنت کا نونہال، دشت کربلا میں مبتلائے مصیبت و جفا ہے، پیارے بیٹے کیا تجھ سے ہوسکتا ہے کہ تو اپنا خون اس پر نثار کرے اور اپنی جان اس کے قدموں پر قربان کر ڈالے اس بے غیرت زندگی پر ہزار تف ہے کہ ہم زندہ رہیں اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا لاڈلا ظلم و جفا کے ساتھ شہید کیا جائے اگر تجھے میری محبتیں کچھ یاد ہوں اور تیری پرورش میں جو محنتیں میں نے اٹھائی ہیں ان کو تو بھولا نہ ہو تو اے میرے چمن کے پھول تو حسین کے سر پر صدقہ ہو جا، وہب نے کہا اے مادرِ مہربان! خوبی نصیب یہ جان

شہزادۂ کونین پر فدا ہو جائے اور یہ ناچیز ہدیہ وہ آقا قبول کرلیں، میں دل و جان سے آمادہ ہوں ایک لمحہ کی اجازت چاہتا ہوں تاکہ اس بی بی سے دو باتیں کرلوں جس نے اپنی زندگی کے عیش و راحت کا سہرا میرے سر باندھا ہے اور جس کے ارمان میرے سوا کسی کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ اس کی حسرتوں کے تڑپنے کا خیال ہے، وہ اگر صبر نہ کرسکی تو میں اسے اجازت دے دوں کہ وہ اپنی زندگی کو جس طرح چاہے گزارے، ماں نے کہا بیٹا عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں، مبادا تو اس کی باتوں میں آجائے اور یہ سعادت سرمدی تیرے ہاتھوں سے جاتی رہے۔

وہب نے کہا، پیاری اماں! امام حسین علیٰ جدہ و علیہ السلام کی محبت کی گرہ دل میں ایسی مضبوط لگی ہے کہ اس کو کوئی کھول نہیں سکتا اور ان کی جانثاری کا نقش دل پر اس طرح جاگزیں ہوا ہے جو دنیا کے کسی بھی پانی سے نہیں دھویا جاسکتا ہے۔ یہ کہہ کر بی بی کی طرف آیا اور اسے خبر دی کہ فرزندِ رسول میدان کربلا میں بے یارو مددگار ہیں اور غداروں نے ان پر نرغہ کیا ہے، میری تمنّا ہے کہ ان پر جان نثار کروں، یہ سن کر نئی دلہن نے امید بھرے دل سے ایک آہ کھینچی اور کہنے لگی اے میرے آرام جاں افسوس ہے کہ اس جنگ میں تیرا ساتھ نہیں دے سکتی، شریعت اسلامیہ نے عورتوں کو حرب کے لئے میدان میں آنے کی اجازت نہیں دی ہے افسوس اس سعادت میں میرا حصہ نہیں ہے کہ تیرے ساتھ میں بھی اس جانِ جہاں پر جان قربان کروں، ابھی میں نے دل بھر کے تیرا چہرہ بھی نہیں دیکھا ہے اور تو نے جنتی چمنستان کا ارادہ کردیا وہاں حوریں تیری خدمت کی آرزو مند ہوں گی مجھ سے عہد کر کہ جب سردارانِ اہل بیت کے ساتھ جنت میں تیرے لئے بے شمار نعمتیں حاضر کی جائیں گی اور بہشتی حوریں تیری خدمت کے لئے حاضر ہوں اس وقت تو مجھے نہ بھول جائے۔

یہ نوجوان اپنی اس نیک بی بی اور برگزیدہ ماں کو لے کر فرزند رسول صلی اللہ تعالےٰ

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، دلہن نے عرض کیا، یا ابنِ رسول! شہداء گھوڑے سے زمین پر گرتے ہی حوروں کی گود میں پہنچتے ہیں اور بہشتی حسین کمال اطاعت شعاری کے ان کی خدمت کرتے ہیں، میرا یہ نوجوان شوہر حضور پر جاں نثاری کی تمنا رکھتا ہے اور میں نہایت بے کس ہوں نہ میری ماں ہے نہ باپ ہے نہ کوئی بھائی ہے نہ ایسے قرابتی رشتہ دار ہیں جو میری کچھ خبر گیری کر سکیں، التجا یہ ہے کہ عرصہ گاہِ محشر میں میرے اس شوہر سے جدائی نہ ہو اور دنیا میں مجھ غریب کو آپ کے اہلِ بیت اپنی کنیزوں میں رکھیں اور میری عمر کا آخری حصہ آپ کی پاک بیبیوں کی خدمت میں گذر جائے۔

حضرتِ امام کے سامنے یہ تمام عہد ہو گئے اور وہب نے عرض کر دیا کہ اے امام اگر حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے مجھے جنت ملی تو میں عرض کرونگا کہ یہ بی بی میرے ساتھ رہے اور میں نے اس سے عہد کیا ہے۔

وہب اجازت چاہ کر میدان میں چل دیا، لشکرِ اعداء نے دیکھا کہ گھوڑے پر ایک ماہر سوار ہے اور اجلِ ناگہانی کی طرح دشمن پر تاخت لاتا ہے ہاتھ میں نیزہ ہے۔ دوش پر سپر ہے اور دل ملا دینے والی آواز کے ساتھ یہ رجز پڑھتا آ رہا ہے:۔

أَمِيْرُ حُسَيْنٌ وَّنِعْمَ الْأَمِيْر

لَهٗ لُمْعَةٌ كَالسِّرَاجِ الْمُنِيْر

وہب کلبی بہ تگِ کوئے حسین	ایں چہ دولت کہ جاں می بازد
رفتہ اشرار چو گیسوئے حسین	دست و تیغ زند تا کہ کند

برقِ خاطف کی طرح میدان میں پہنچا، کوہ پیکر گھوڑے پر سپہ گری کے فنون دکھائے صفِ اعداء سے مبارز طلب کیا جو سامنے آیا تلوار سے اس کا سر اڑایا، گرد و پیش خود سروں کے سروں کا انبار لگایا اور ناکسوں کے تن خون و خاک میں تڑپتے نظر آنے لگے بیکبارگی گھوڑے کی باگ موڑ دی اور ماں کے پاس آکر عرض کیا کہ اے مادرِ مشفقہ تو مجھ سے راضی

ہوئی اور بیوی کی طرف جاکر اس کے سر پر ہاتھ رکھا جو بیقرار رو رہی تھی اور اس کو صبر دلایا اس کی زبان حال کہتی تھی ؂

جان زغم فرسودہ دارم چوں نہ نالم آہ آہ

دل بدرد آلودہ دارم چوں نہ گریم زار زار

اتنے میں اعداء کی طرف سے آواز آئی کہ کوئی مبارز ہے، وہب گھوڑے پر سوار ہو کر میدان کی طرف روانہ ہوا، نئی دلہن ٹکٹکی باندھے اس کو دیکھ رہی ہے اور آنکھوں سے آنسو کے دریا بہا رہی ہے ؂

از پیش من آں یار چوں تعجیل کناں رفت !

دل نعرہ برآورد کہ جاں رفت رواں رفت

وہب شیر ژیاں کی طرح تیغ آب دار و نیزۂ جاں شکار لے کر معرکۂ کارزار میں صاعقہ وار آپہنچا، اس وقت میدان میں اعداء کی طرف سے ایک مشہور بہادر اور نامدار سوار حکم بن طفیل غرور نبرد آزمائی میں سرشار تھا، وہب نے ایک ہی حملے میں اس کو نیزہ پر اٹھا کر اس طرح زمین پر دے مارا کہ ہڈیاں چکنا چور ہو گئیں اور دونوں لشکروں میں شور مچ گیا اور مبارزوں کی ہمت مقابلہ نہ رہی، وہب گھوڑا دوڑاتا قلب دشمن پر پہنچا، جو مبارز سامنے آتا اس کو نیزہ کی نوک پر اٹھا کر خاک پر پٹک دیتا یہاں تک کہ نیزہ پارہ پارہ ہو گیا، تلوار میان سے نکالی اور تیغ زنوں کی گردنیں اڑا کر خاک میں ملا دیں جب اعداء اس جنگ سے تنگ آ گئے تو عمرو بن سعد نے حکم دیا کہ لوگ اس کے گرد ہجوم کر کے حملہ کریں اور ہر طرف یک بارگی ہاتھ چھوڑیں ایسا ہی کیا اور جب وہ نوجوان زخموں سے چور ہو کر زمین پر آیا تو سیاہ دلان بدباطن نے اس کا سر کاٹ کر لشکر امام حسین میں ڈال دیا۔ اس کی ماں بیٹے کے سر کو اپنے سینے سے ملتی تھی اور کہتی تھی اے بیٹا، بہادر بیٹا اب تیری ماں تجھ سے راضی ہوئی۔ پھر وہ سر اس دلہن کی گود میں لا کر رکھ دیا، دلہن نے اپنے پیارے شوہر کے سر کو بوسہ دیا

اسی وقت پروانہ کی طرح اس شمعِ جمال پر قربان ہوگئی اور اس کا طائرِ روح اپنے نوشاہ کے ساتھ ہم آغوش ہوگیا ۔

سرخروئی اسے کہتے ہیں کہ راہِ حق میں
سر کے دینے میں ذرا تونے تامل نہ کیا

اَسْکَنَکُمَا اللّٰہُ فَرَادِیْسَ الْجِنَانِ وَ اَغْرَقَکُمْ فِیْ بِحَارِ الرَّحْمَۃِ وَالرِّضْوَانِ (روضۃ الاحباب)

ان کے بعد اور سعادت مند جان نثار، داد جاں نثاری دیتے اور جانیں فدا کرتے رہے جن جن خوش نصیبوں کی قسمت میں تھا انہوں نے خاندانِ اہل بیت پر اپنی جانیں فدا کرنے کی سعادت حاصل کی، اس زمرہ میں حر بن یزید ریاحی قابلِ ذکر ہے، جنگ کے وقت حر کا دل بہت مضطرب تھا اور اس کی سیماب وار بیقراری اس کو ایک جگہ نہ ٹھہرنے دیتی تھی، کبھی وہ عمرو بن سعد سے جا کہتے تھے کہ تم امام کے ساتھ جنگ کرو گے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیا جواب دو گے؟ عمرو بن سعد کو اس کا جواب نہ بن آتا تھا۔ وہاں سے ہٹ کر پھر میدان میں آتے ہیں، بدن کانپ رہا ہے چہرہ زرد ہے پریشانی کے آثار نمایاں ہیں، دل دھڑک رہا ہے، ان کے بھائی مصعب بن یزید نے ان کا یہ حال دیکھ کر پوچھا کہ اے برادر آپ مشہور جنگ آزما اور دلاور و شجاع ہیں آپ کے لئے یہ پہلا ہی معرکہ نہیں بارہا جنگ کے خونی مناظر آپ کی نظر کے سامنے گزرے ہیں اور بہت سے دیو پیکر آپ کی خون آشام تلوار سے پیوند خاک ہوئے ہیں، آپ کا یہ کیا حال ہے، اور آپ پر اس قدر خوف و ہراس کیوں غالب ہے؟ حر نے کہا اے برادر یہ مصطفےٰ کے فرزند سے جنگ ہے اپنی عاقبت سے لڑائی ہے، بہشت و دوزخ کے درمیان کھڑا ہوں، دنیا پوری قوت کے ساتھ مجھ کو جہنم کی طرف کھینچ رہی ہے اور میرا دل اس کی ہیبت سے کانپ رہا ہے۔ اسی اثنا میں حضرت امام کی آواز آئی

فرماتے ہیں کوئی ہے جو آج آلِ رسول پر جان نثار کرے اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضور میں سرخروئی پائے۔

یہ صدا تھی جس نے پاؤں کی بیڑیاں کاٹ دیں، دلِ بے تاب کو قرار بخشا اور اطمینان ہوا کہ شہزادہ کونین میری پہلی جرات سے چشم پوشی فرمائیں تو عجب نہیں، کریم نے کرم سے بشارت دی ہے، جان فدا کرنے کے ارادہ سے چل پڑا، گھوڑا دوڑایا اور امام عالی مقام کی خدمت میں حاضر ہو کر گھوڑے سے اتر کر نیاز مندوں کے طریقوں پر رکاب تھامی اور عرض کیا کہ اے ابنِ رسول فرزندِ بتول صلے اللہ علیہ وسلم! میں وہی حر ہوں جو پہلے آپ کے مقابل آیا اور جس نے آپ کو اس میدان بیابان میں روکا اپنی اس جسارت و مباوت پر نادم ہوں، شرمندگی اور خجالت نظر نہیں اٹھانے دیتی، آپ کی کریمانہ صدا سن کر امیدوں نے ہمت بندھائی تو حاضرِ خدمت ہوا ہوں، آپ کے کرم سے کیا بعید کہ عفوِ جرم فرمائیں اور غلامانِ با اخلاص میں شامل کریں اور اپنے اہلِ بیت پر جان قربان کرنے کی اجازت دیں۔

حضرتِ امام نے حر کے سر پر دستِ مبارک رکھا اور فرمایا، اے حر بارگاہِ الٰہی میں اخلاص مندوں کے استغفار مقبول ہیں اور توبہ مستجاب، عذر خواہ محروم نہیں جاتے:۔

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ

شاد باش کہ میں نے تیری تقصیر معاف کی اور اس سعادت کے حصول کی اجازت دی۔

حر اجازت پا کر میدان کی طرف روانہ ہوا، گھوڑا چمکا کر صفِ اعدا پر پہنچا، حر کے بھائی مصعب بن یزید نے دیکھا کہ حر نے سعادت پائی اور نعمتِ آخرت سے بہرہ مند ہوا اور حرصِ دنیا کے غبار سے اس کا دامن پاک ہوا اس کے دل میں بھی ولولہ اٹھا اور باگ اٹھا کر گھوڑا دوڑاتا ہوا چلا، عمرو بن سعد کے لشکر کو گمان ہوا کہ بھائی کے مقابلہ کے لئے جاتا ہے، جب میدان میں پہنچا، بھائی سے کہنے لگا تو میرے لئے خضرِ راہ ہو گیا اور

مجھے تو نے سخت ترین مہلکہ سے نجات دلائی، میں بھی تیرے ساتھ ہوں اور رفاقتِ حضرتِ امام کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں اعدائے بدکیش کو اس واقعہ سے نہایت حیرانی ہوئی۔

یہ واقعہ دیکھ کر عمرو بن سعد کے بدن پر لرزہ پڑ گیا اور وہ گھبرا اٹھا اور اس نے ایک شخص کو منتخب کر کے اس کے لئے بھیجا اور کہا کہ رفق و مدارات کے ساتھ سمجھا بجھا کر حر کو اپنے موافق کرنے کی کوشش کرے اور اپنی چالبازی اور فریب کاری انتہا کو پہنچا دے، پھر بھی ناکامی ہو تو اس کا سر کاٹ کر لے آئے۔ وہ شخص چلا اور حر سے آ کر کہنے لگا، اے حر تیری عقل و دانائی پر ہم فخر کیا کرتے تھے مگر آج تو نے کمال نادانی کی کہ اس لشکرِ جرار سے نکل کر یزید کے انعام و اکرام پر ٹھوکر مار کر چند بے کس مسافروں کا ساتھ دیا جن کے ساتھ نانِ خشک کا ایک ٹکڑا اور پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ہے تیری اس نادانی پر افسوس آتا ہے۔

حر نے کہا اے بے عقل ناصح! تجھے اپنی نادانی پر رنج کرنا چاہئے کہ تو نے طاہر کو چھوڑ کر نجس کو قبول کیا اور دولتِ باقی کے مقابلے میں دنیائے فانی کے موہوم آرام کو ترجیح دی، حضور سیدِ عالم صلے اللہ تعالے علیہ وسلم نے امام حسین کو اپنا پھول فرمایا ہے میں اس گلستان پر جان قربان کرنے کی تمنا رکھتا ہوں، رضائے رسول سے بڑھ کر کونین میں کون سی دولت ہے۔

کہنے لگا، اے حر! یہ تو میں خوب جانتا ہوں لیکن ہم لوگ سپاہی ہیں اور آج دولت و مال یزید کے پاس ہے۔

حر نے کہا اے کم ہمت! اس حوصلہ پر لعنت!

اب تو ناصح بد باطن کو یقین ہو گیا کہ اس کی چرب زبانی حر پر اثر نہیں کر سکتی اہلِ بیت کی محبت اس کے قلب میں اتر گئی ہے اور اس کا سینہ آلِ رسول علیہ السلام کی

ولا سے مملو ہے کوئی مکر و فریب اس پر نہ چلے گا باتیں کہتے کرتے ایک تیر حر کے سینہ پر کھینچ مارا، حر نے زخم کھا کر ایک نیزہ کا وار کیا جو سینہ سے پار ہو گیا اور زین سے اٹھا کر زمین پر ٹپک دیا، اس شخص کے تین بھائی تھے یکبارگی حر پر دو ڑ پڑے، حر نے آگے بڑھ کر ایک کا سر تلوار سے اڑا دیا، دوسرے کی کمر میں ہاتھ ڈال کر زمین سے اٹھا کر اس طرح پھینکا کہ گردن ٹوٹ گئی تیسرا بھاگ نکلا اور حر نے اس کا تعاقب کیا قریب پہنچ کر اس کی پشت پر نیزہ مارا وہ سینہ سے نکل گیا اب حر نے لشکر ابن سعد کے میمنہ پر حملہ کیا اور خوب زور جنگ ہوئی، لشکر ابنِ سعد کو حر کے جنگی ہنر کا اعتراف کرنا پڑا اور وہ جانباز صادق دادِ شجاعت دے کر فرزندِ رسول پر جاں فدا کر گیا۔

حضرتِ امام عالی مقام حر کو اٹھا کر لائے اور اس کے سر کو زانوئے مبارک پر رکھ کر اپنے پاک دامن سے اس کے چہرے کا غبار دور فرمانے لگے ابھی رمقِ جان باقی تھی، ابنِ زہرا کے پھول کی مہکتے دامن کی خوشبو حر کے دماغ میں پہنچی، مشام جاں معطر ہو گیا، آنکھیں کھول دیں دیکھا کہ ابنِ رسول اللہ کی گود میں ہے اپنے بخت و مقدر پر ناز کرتا ہوا فردوسِ بریں کو روانہ ہوا...... انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حر کے ساتھ اس کے بھائی اور غلام نے بھی نوبت بہ نوبت دادِ شجاعت دیکر اپنی جانیں اہلِ بیت پر قربان کیں، پچاس سے زیادہ آدمی شہید ہو چکے اب صرف خاندانِ اہلِ بیت باقی تھے اور دشمنانِ بدباطن کی انہیں پر نظر ہے یہ حضرات پروانہ وار حضرتِ امام پر نثار ہیں یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ امام عالی مقام کے اس چھوٹے سے لشکر میں سے اس مصیبت کے وقت کسی نے بھی ہمت نہ ہاری، رفقاء اور موالی میں سے کسی کو بھی تو اپنی جان پیاری نہ معلوم ہوئی، ساتھیوں میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جو اپنی جان لے کر بھاگتا یا دشمنوں کی پناہ چاہتا، جاں نثارانِ امام نے اپنے صدق و جانبازی میں پروانہ و بلبل کے افسانے ہیچ کر دئیے ہر ایک کی تمنا تھی اور ہر ایک کا اصرار

تھا کہ پہلے جان نثاری کا ان کو موقع دیا جائے عشق و محبت کے متوالے شوقِ شہادت میں مست تھے، تنوں کا سر سے جدا ہونا اور راہِ خدا میں شہادت پانا ان پر وجد کی کیفیت طاری کرتا ہے ایک کو شہید ہوتا دیکھ کر دوسروں کے دلوں میں شہادتوں کی امنگیں جوش مارتی تھیں۔

اہلِ بیت کے نوجوانوں نے خاکِ کربلا کے صفحات پر اپنے خون سے شجاعت و جوانمردی کے وہ بے مثال نقوش ثبت فرمائے جن کو تبدل ازمنہ کے ہاتھ محو کرنے سے قاصر ہیں، اب تک نیاز مندوں اور عقیدت کیشوں کی معرکہ آرائیاں تھیں جنہوں نے علمبردارانِ شجاعت کو خاک و خون میں ملا کر اپنی بہادری کے غلغلے دکھلائے تھے اب اسد اللہ کے شیرانِ حق کا موقع آیا اور علیِ مرتضٰے کے خاندان کے بہادروں کے گھوڑوں کے میدانِ کربلا کو جولان گاہ بنایا۔

ان حضرات کا میدان میں آنا تھا کہ بہادروں کے دل سینوں میں لرزنے لگے اور ان کے حملوں سے شیر دل بہادر چیخ اٹھے، اسد اللہی تلواریں تھیں یا شہابِ ثاقب کی آتش بازی بنی ہاشم کی نبرد آزمائی اور جاں شکار حملوں نے کربلا کی تشنہ لب زمین کو دشمنوں کے خون سے سیراب کر دیا اور خشک ریگستان سرخ نظر آنے لگا، نیزوں کی نوکوں پر صف شکن بہادروں کو اٹھانا اور خاک میں ملانا ہاشمی نوجوانوں کا معمولی کرتب تھا ہر ساعت نیا مبارز آتا تھا اور ہاتھ اٹھاتے ہی فنا ہو جاتا تھا، ان کی تیغِ بے نیام اجل کا پیام تھی اور نوکِ سناں قضاً کا فرمان، تلواروں کی چمک نے نگاہیں خیرہ کر دیں اور حرب و ضرب کے جوہر دیکھ کر کوہِ پیکر ترساں و ہراساں ہو گئے کبھی میمنہ پر حملہ کیا تو صفیں درہم برہم کر ڈالیں معلوم ہوتا تھا کہ سوار مقتولوں کے سمندر میں تیر رہا ہے، کبھی میسرہ کی طرف رخ کیا تو معلوم ہوا کہ مردوں کی جماعت کھڑی تھی جو اشارہ کرتے ہی لوٹ گئی، صاعقہ کی طرح چمکنے والی تیغ خون میں ڈوب ڈوب نکلتی تھی اور خون کے قطرات اس سے ٹپکتے تھے اس طرح خاندانِ

امام کے نوجوان اپنے اپنے جوہر دکھا دکھا کر امام عالی مقام پر جان قربان کرتے چلے جا رہے تھے خیمہ سے چلتے تھے تو بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ کے چمنستان کی دلکش فضا ان کی آنکھوں کے سامنے ہوتی تھی میدان کربلا کی راہ سے اس منزل تک پہنچنا چاہتے تھے۔

فرزندانِ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محاربہ نے دشمن کے ہوش اڑا دیے ابن سعد نے اعتراف کیا کہ اگر فریب کاریوں سے کام نہ لیا جاتا یا ان حضرات پر پانی بند نہ کیا جاتا تو اہل بیت کا ایک ایک نوجوان تمام لشکر کو برباد کر ڈالتا جب وہ مقابلہ کے لئے اٹھتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ قہرِ الٰہی آرہا ہے ان کا ایک ایک ہنر و صف شکنی و مبارز فگنی میں فرد تھا، الحاصل اہل بیت کے نونہالوں اور ناز کے پالوں نے میدان کربلا میں حضرتِ امام پر اپنی جانیں فدا کیں اور تیر و سناں کی بارش میں حمایتِ حق سے منہ موڑا، گردنیں کٹوائیں، خون بہائے، جانیں دیں مگر کلمۂ ناحق زبان پر نہ آنے دیا۔ نوبت بہ نوبت تمام شہزادے شہید ہوتے چلے گئے، اب حضرتِ امام کے سامنے ان کے نورِ اکبر حضرت علی اکبر حاضر ہیں، میدان کی اجازت چاہتے ہیں منت و سماجت ہو رہی ہے عجیب وقت ہے چہیتا بیٹا شفیق باپ سے گردن کٹوانے کی اجازت چاہتا ہے اور اس پر اصرار کرتا ہے جس کی کوئی ہٹ کوئی ضد ایسی نہ تھی جو پوری نہ کی جاتی، جس نازنین کو کبھی پدرِ مہربان نے انکاری جواب نہ دیا تھا آج اس کی یہ تمنا یہ التجا دل جگر پر کیا اثر کرتی ہوگی، اجازت دیں تو کس بات کی ؟ گردن کٹانے اور خون بہانے کی، نہ دیں تو چمنستانِ رسالت کا وہ گلِ شاداب کملایا جاتا ہے مگر اس آرزو مند شہادت کا اصرار اس حد پر تھا اور شوقِ شہادت نے ایسا وارفتہ بنا دیا تھا کہ چار و ناچار حضرت امام کو اجازت دینا ہی پڑی حضرتِ امام نے اس نوجوان جمیل کو خود گھوڑے پر سوار کیا، اسلحہ اپنے دستِ مبارک سے لگائے فولادی مغفر سر پر رکھا کمر پر پٹکا باندھا، تلوار حمائل کی، نیزہ اس نازپروردہ سیادت کے مبارک ہاتھ میں دیا اس وقت اہل بیت کی بیبیوں، بچوں پر کیا گزر رہی تھی

جن کا تمام کنبہ و قبیلہ برادر و فرزند سب شہید ہو چکے تھے اور ایک جگمگاتا ہوا چراغ بھی آخری سلام کر رہا تھا ان تمام مصائب کو اہلِ بیت نے رضائے حق کے لئے بڑے استقلال کے ساتھ برداشت کیا اور یہ انہی کا حوصلہ تھا حضرت علی اکبر خیمہ سے رخصت ہو کر میدانِ کارزار کی طرف تشریف لائے جنگ کے مطلع میں ایک آفتاب چمکا مشکیں کاکل کی خوشبو سے میدان مہک گیا چہرہ کی تجلی نے معرکۂ کارزار کو عالمِ انوار بنا دیا ۔

نورِ نگاہِ فاطمۂ آسماں جناب ! صبرِ دلِ خدیجۂ پاکِ ارم قباب
لختِ جگر امامِ حسین ابنِ بوتراب شیرِ خدا کا شیر وہ شیروں میں انتخاب
صورت تھی انتخاب تو قامت تھا لاجواب گیسو تھے مشکِ ناب تو چہرہ تھا آفتاب
چہرہ سے شاہزادہ کے اٹھا جبھی نقاب مہرِ سپہر ہو گیا خجلت سے آب آب
کاکل کی شام رخ کی سحر موسمِ شباب سنبل نثار شام فدائے سحر گلاب
شہزادۂ جمیل علی اکبرِ جمیل بستانِ حسن میں گلِ خوش منظرِ شباب
پالا تھا اہلِ بیت نے آغوشِ ناز میں شرمندہ اس کی نازکی سے شیشۂ حباب
صحرائے کوفہ عالمِ انوار بن گیا چمکا جو رن میں فاطمہ زہرا کا ماہتاب
خورشید جلوہ گر ہوا پشتِ سمند پر یا ہاشمی جوان کے رخ سے اٹھا نقاب
صولت نے مرحبا کہا شوکت تھی رجز خواں جرأت نے باگ تھامی شجاعت نے لی رکاب
چہرہ کو اس کے دیکھ کے آنکھیں جھپک گئیں دل کانپ اُٹھے ہو گیا اعدا کو اضطراب
سینوں میں آگ لگ گئی اعدائے دین کے غیض و غضب کے شعلوں سے دل ہو گئے کباب
نیزہ جگر شگاف تھا اس گل کے ہاتھ میں یا اژدہا تھا موت کا، یا اسورالعقاب
چمکا کے تیغ مردوں کو نامرد کر دیا اس سے نظر ملاتا یہ تھی کس کے دل میں تاب
کہتے تھے آج تک نہیں دیکھا کوئی جواں ایسا شجاع ہوتا جو اس شیر کا جواب
مردانِ کار لرزہ بر اندام ہو گئے شیر افگنوں کی حالتیں ہونے لگیں خراب

کوہ پیکروں کو تیغ سے دو پارہ کر دیا ‏ ‏ ‏ ‏ کی ضرب خود پر تو اڑا ڈالا تارکاب
تلوار تھی کہ صاعقۂ برق بار تھا ‏ ‏ ‏ ‏ یا از برائے رجم شیاطین تھا شہاب
چہرے میں آفتابِ نبوت کا نور تھا ‏ ‏ ‏ ‏ آنکھوں میں شانِ صولتِ حیدرِ بوتراب
پیاسا رکھا جنہوں نے انہیں سیر کر دیا ‏ ‏ ‏ ‏ اس جود پر ہے آج تری تیغ زہر آب

میداں میں اس کے حسنِ عمل دیکھ کے نعیمؔ
حیرت سے بدحواس سے تھے خفتنے تھے شیخ و شاب

میدانِ کربلا میں فاطمی نوجوان پشت سمند پر جلوہ آرا تھا، چہروں کی تابش ماہ تاباں کو شرما رہی تھی، سرو قامت نے اپنے جمال سے ریگستان کو بستانِ حسن بنا دیا، جوانی کی بہاریں قدموں پر نثار ہو رہی تھیں سنبل کاکل سے خجل برگِ گل اس کی نزاکت سے منفعل حسن کی تصویر مصطفٰے کی تنویر حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء کے جمال اقدس کا خطبہ پڑھ رہی تھی، یہ چہرۂ تاباں اس روئے درخشاں کی یاد دلاتا تھا ان سنگ دلوں پر حیرت جو اس گلِ شاداب کے مقابلے کا ارادہ رکھتے تھے ان بے دینوں پر بے شمار نفرت جو حبیبِ خدا کے نونہال کو گزند پہنچانا چاہتے تھے یہ اسد اللّٰہی شیر میدان میں آیا صفِ اعداء کی طرف نظر کی۔ ذو الفقارِ حیدری کو چمکایا اور اپنی زبان مبارک سے رجز شروع کی :۔

اَنَا عَلِیُّ بْنُ حُسَیْنِ بْنِ عَلِی ‏ ‏ ‏ ‏ نَحْنُ اَھْلُ الْبَیْتِ اَوْلٰی بِالنَّبِی

جس وقت شاہزادۂ عالی قدر نے یہ رجز پڑھی ہوگی کربلا کا چپہ چپہ اور ریگستانِ کوفہ کا ذرہ ذرہ کانپ گیا ہوگا۔ ان مدعیانِ ایمان کے دل پتھر سے بدرجہا بدتر تھے جنہوں نے اس نوبادۂ چمنستانِ رسالت کی زبانِ شیریں سے یہ کلمے سنے پھر بھی ان کی آتشِ عناد سرد نہ ہوئی اور کینہ سینہ سے کینہ دور نہ ہوا۔ لشکریوں نے عمرو بن سعد سے پوچھا یہ سوار کون ہے جسکی تجلی نگاہوں کو خیرہ کر رہی ہے اور جسکی ہیبت و صولت سے بہادروں کے دل ہراساں شانِ شجاعت اس کی ایک ایک ادا سے ظاہر ہے کہنے لگا یہ حضرت امام حسین

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ہیں صورت و سیرت میں اپنے جدِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے بہت مناسبت رکھتے ہیں، یہ سن کر شکریوں کو کچھ پریشانی ہوئی اور ان کے دلوں نے ان پر ملامت کی کہ اس آقا زادے کے مقابل آنا اور ایسے جلیل القدر مہمان کے ساتھ یہ سلوک بے مروتی کرنا نہایت سفلہ پن اور بد باطنی ہے لیکن ابنِ زیاد کے وعدے اور یزید کے انعام واکرام کی طمع دولت و مال کی حرص نے اس طرح گرفتار کیا تھا کہ وہ اہلِ بیت اطہار کی قدر و شان اور اپنے افعال و کردار کی شامت و نحوست جاننے کے باوجود اپنے ضمیر کی ملامت کی پرواہ نہ کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باغی بننے اور آلِ رسول کے خون سے کنارہ کرنے اور اپنے دارین کی روسیاہی سے بچنے کی انھوں نے کوئی پرواہ نہ کی۔ شاہزادۂ عالی وقار نے مبارز طلب فرمایا، صفِ اعداء میں کسی کو جنبش نہ ہوئی کسی بہادر کا قدم نہ بڑھا معلوم ہوتا تھا کہ شیر کے مقابل بکریوں کا ایک گلہ ہے جو دم بخود اور ساکت ہے۔

حضرتِ علی اکبر نے پھر نعرہ مارا اور فرمایا کہ اے ظالمانِ جفا کیش اگر بنی فاطمہ کے خون کی پیاس ہے تو تم میں سے جو بہادر ہو اسے میدان میں بھیجو، زورِ بازوئے علی دیکھنا ہو تو میرے مقابل آؤ مگر کس کو ہمت تھی جو آگے بڑھتا کس کے دل میں تاب و تواں تھی کہ شیر ژیاں کے سامنے آتا جب آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ دشمنانِ خونخوار میں سے کوئی ایک آگے نہ بڑھتا اور ان کو برابر ہمت نہیں ہے کہ ایک کو ایک کے مقابل کریں تو آپ نے سمند باد کی باگ اٹھائی اور توسن صبا رفتار کے مہمیز لگائی اور صاعقہ وار دشمن کے لشکر پر حملہ کیا جس طرف زد کی پرے پرے ہٹا دئے ایک ایک وار میں کئی کئی دیو پیکر گرا دئے، ابھی میمنہ پر چمکے تو اس کو منتشر کیا، ابھی میسرہ کی طرف پلٹے تو صفیں درہم برہم کر ڈالیں، کبھی قلبِ لشکر میں غوطہ لگایا تو گردن کشوں کے سر موسمِ خزاں کے پتوں کی طرح تن کے درختوں سے جدا ہو کر گرنے لگے،

ہر طرف شور برپا ہو گئے، دلاوروں کے دل چھوٹ گئے، بہادروں کی ہمتیں ٹوٹ گئیں کبھی نیزے کی ضرب تھی کبھی تلواروں کا وار تھا، شہزادۂ اہلِ بیت کا حملہ نہ تھا عذابِ الٰہی کی بلائے عظیم تھی، دھوپ میں جنگ کرتے کرتے چمنستانِ اہلِ بیت کے گل شاداب کو تشنگی کا غلبہ ہوا، باگ موڑ کر والد ماجد کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا

اے پدرِ بزرگوار پیاس کا بہت غلبہ ہے، غلبہ کی کیا انتہا تین دن سے پانی بند ہے تیز دھوپ اور اس میں جاں بازانہ دوڑ دھوپ گرم ریگستان، لوہے کے ہتھیار جو بدن پر لگے ہوئے ہیں وہ تمازتِ آفتاب سے آگ ہو رہے ہیں اگر اس وقت حلق تر کرنے کے لئے چند قطرے مل جائیں تو قاطعی شیر گربہ خصلتوں کو پیوندِ خاک کر ڈالے

شفیق باپ نے بیٹے کی پیاس دیکھی مگر پانی کہاں تھا جو اس تشنۂ شہادت کو دیا جاتا، دستِ شفقت سے چہرۂ گلگوں کا گرد و غبار صاف کیا اور انگشتری فرزندِ ارجمند کے دہانِ اقدس میں رکھ دی، پدرِ مہربان کی شفقت سے فی الجملہ تسکین ہوئی پھر شہزادہ نے میدان کا رخ کیا پھر صدا دی "ہل من مبارز" کوئی جان پہ کھیلنے والا ہو تو سامنے آئے عمرو بن سعد نے طارق سے کہا بڑے شرم کی بات ہے کہ اہلِ بیت کا اکیلا نوجوان میدان میں ہے اور تم ہزاروں کی تعداد میں جو اس نے پہلی مرتبہ مبارز طلب کیا ہے تو تمہاری جماعت میں کسی کو ہمت نہ ہوئی پھر وہ آگے بڑھا تو صفیں کی صفیں درہم برہم کر ڈالیں اور بہادروں کا کھیت کر دیا، بھوکا ہے پیاسا ہے دھوپ میں لڑتے لڑتے تھک گیا ہے خستہ اور ماندہ ہو چکا ہے پھر مبارز طلب کرتا ہے اور تمہاری تازہ دم جماعت میں سے کسی کو یارائے مقابلہ نہیں تف ہے تمہارے دعوائے شجاعت و بسالت پر، ہو کچھ غیرت تو میدان میں پہنچ کر مقابلہ کر کے فتح حاصل کر تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تو نے یہ کام انجام دیا تو عبداللہ ابن زیاد سے تجھ کو موصل کی حکومت دلا دوں گا، طارق نے کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں فرزندِ رسول اور اولادِ بتول سے مقابلہ کر کے اپنی عاقبت بھی خراب کروں پھر

بھی تو اپنا وعدہ وفا نہ کرے تو میں نہ دنیا کا رہا نہ دین کا ابن سعد نے قسم کھائی اور پختہ قول و قرار کیا۔

اس پر حریص طارق موصل کی حکومت کے لالچ میں گل بستانِ رسالت کے مقابلہ کے لئے چلا، سامنے پہنچتے ہی شہزادۂ والاتبار پر نیزہ کا وار کیا شہزادۂ عالی جاہ نے اس کا نیزہ رد فرما کر سینہ پر ایک ایسا نیزہ مارا کہ طارق کی پیٹھ سے نکل گیا اور وہ ایک دم گھوڑے سے گر گیا شہزادہ نے کمال ہنرمندی سے گھوڑے کو ایڑھ دے کر اس کو روند ڈالا اور ہڈیاں چور کر ڈالیں یہ دیکھ کر طارق کے بیٹے عمرو بن طارق کو طیش آیا اور وہ جھلاتا ہوا گھوڑا دوڑا کر شہزادہ پر حملہ آور ہوا شہزادہ نے ایک ہی نیزہ میں اس کا کام بھی تمام کر دیا۔

اس کے بعد اس کا بھائی طلحہ بن طارق اپنے بھائی اور باپ کا بدلہ لینے کے لئے آتشیں شعلہ کی طرح شہزادہ پر دوڑا حضرت علی اکبر نے اس کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر زین سے اٹھا لیا اور زمین پر اس زور سے ٹپکا کہ اس کا دم نکل گیا شہزادہ کی ہیبت سے لشکر میں شور برپا ہو گیا۔

ابن سعد نے ایک مشہور بہادر مصراع ابن غالب کو شہزادہ کے مقابلہ کے لئے بھیجا مصراع نے شہزادہ پر حملہ کیا آپ نے تلوار سے نیزہ قلم کر کے اس کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ زین تک کٹ گئی دو ٹکڑے ہو کر گر گیا اب کسی میں ہمت نہ رہی کہ تنہا اس شیر کے مقابل آتا۔ ناچار ابن سعد نے محکم بن طفیل بن نوفل کو ہزار سوار کے ساتھ شہزادہ پر یکبارگی حملہ کرنے کے لئے بھیجا، شہزادہ نے نیزہ اٹھا کر ان پر حملہ کیا اور انہیں دھکیل کر قلبِ لشکر تک پہنچا دیا۔

اس حملے میں شہزادہ کے ہاتھ سے کتنے بدنصیب ہلاک ہوئے، کتنے پیچھے ہٹے، آپ پر پیاس کی بہت شدت ہوئی پھر گھوڑا دوڑا کر پدر عالی کی خدمت

میں حاضر ہو کر عرض کیا اَلْعَطَشْ اَلْعَطَشْ! بابا پیاس کی بہت شدت ہے اس
مرتبہ حضرت امام نے فرمایا اے نور دیدہ حوض کوثر سے سیرابی کا وقت قریب آگیا ہے
دست مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا سے وہ جام ملے گا جس کی لذت نہ تصور میں آسکتی
ہے نہ زبان بیان کر سکتی ہے یہ سن کر حضرت علی اکبر کو خوشی ہوئی اور وہ پھر میدان
کی طرف لوٹ گئے اور لشکرِ دشمن کے یمین و یسار پر حملہ کرنے لگے اس مرتبہ لشکرِ
اشرار نے یکبارگی چاروں طرف سے گھیر کر حملے کرنا شروع کر دیئے آپ بھی حملہ فرماتے
رہے اور دشمن ہلاک ہو ہو کر خاک و خون میں لوٹتے رہے لیکن چاروں طرف سے
نیزوں کے زخموں نے تنِ نازنین کو چکنا چور کر دیا تھا اور چمنِ فاطمہ کا گل رنگین اپنے
خون میں نہا گیا تھا پیہم تیغ و سناں کی ضربیں پڑ رہی تھیں اور فاطمی شہسوار پر تیر و تلوار
کا مینہ برس رہا تھا اس حالت میں آپ پشتِ زین سے روئے زمین پر آئے
اور سروقامت نے خاکِ کربلا پر استراحت کی اس وقت آپ نے آواز دی
یَا اَبَتَاہُ اَدْرِکْنِیْ اے پدر بزرگوار مجھ کو لیجئے حضرتِ امام گھوڑا دوڑا کر میدان
میں پہنچے اور جانباز نونہال کو خیمہ میں لائے اس کا سر گود میں لیا، حضرتِ علی اکبر نے
آنکھ کھولی اور اپنا سر والد کی گود میں دیکھ کر فرمایا، جان مانیاز مندان قربان تو باد ہے
پدر بزرگوار میں دیکھ رہا ہوں آسمان کے دروازے کھلے ہیں بہشتی حوریں شربت
کے جام لئے انتظار کر رہی ہیں یہ کہا اور جان جان آفریں کے سپرد کی اناللہ وانا الیہ راجعون

اہل بیت کا صبر و تحمل اللہ اکبر! امید کے گلِ نو شگفتہ کو کملایا ہوا دیکھا اور
الحمد للہ کہا، ناز کے پالوں کو قربان کر دیا اور شکرِ الٰہی بجا لائے مصیبت و اندوہ کی کچھ
نہایت ہے فاقہ پر فاقے ہیں پانی کا نام و نشان نہیں بھوکے پیاسے فرزند تڑپ
تڑپ کر جانیں دے چکے ہیں جلتے ریت پر فاطمی نونہال ظلم و جفا سے ذبح کئے گئے
عزیز و اقارب، دوست و احباب، خادم موالی، دلبند جگر پیوند سب آئینِ وفا ادا کر کے

دوپہر میں شربتِ شہادت نوش کر چکے تھے اہل بیت کے قافلہ میں سناٹا ہو گیا ہے جن کا کلمہ کلمہ تسکینِ دل و راحتِ جان تھا، وہ نور کی تصویریں خاک و خون میں خاموش پڑی ہوئی ہیں۔ آلِ رسول نے رضا و صبر کا وہ امتحان دیا جس نے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا ہے بڑے سے لے کر بچے تک مبتلائے مصیبت تھے۔

حضرت امام کے چھوٹے فرزند علی اصغر جو ابھی کمسن ہیں شیر خوار ہیں پیاس سے بے تاب ہیں شدتِ تشنگی سے تڑپ رہے ہیں ماں کا دودھ خشک ہو گیا ہے پانی کا نام و نشان تک نہیں ہے اس چھوٹے بچے کی ننھی زبان باہر آتی ہے بے چینی میں ہاتھ پاؤں مارتے ہیں اور پیچ کھا کھا کر رہ جاتے ہیں کبھی ماں کی طرف دیکھتے ہیں اور ماں کو سوکھی زبان دکھاتے ہیں نادان بچہ کیا جانتا ہے کہ ظالموں نے پانی بند کر دیا ہے ماں کا دل اس بے چینی سے پاش پاش ہوا جاتا ہے کبھی بچہ باپ کی طرف اشارہ کرتا ہے وہ جانتا تھا کہ ہر چیز یہ لا کر دیا کرتے تھے میری اس بیکسی کے وقت بھی پانی بہم پہنچائیں گے چھوٹے بچے کی بے تابی دیکھی نہ گئی والدہ نے حضرت امام سے عرض کیا اس ننھی سی جان کی بیتابی دیکھی نہیں جاتی اس کو گود میں لے جایئے اور اس کا حال ظالمانِ سنگ دل کو دکھایئے اس پر تو رحم آئے گا اس کو تو چند قطرے دے دیں نہ یہ جنگ کرنے کے لائق ہے نہ میدان کے لائق ہے اس سے کیا عداوت ہے۔ حضرت امام اس چھوٹے نورِ نظر کو سینہ سے لگا کر سپاہِ دشمن کے سامنے پہنچے اور فرمایا کہ اپنا تمام کنبہ تو تمہاری بے رحمی اور جور و جفا کے نذر کر چکا اب اگر آتشِ بغض و عناد جوش پر ہے تو اس کے لئے میں ہوں یہ شیر خوار بچہ پیاس سے دم توڑ رہا ہے اس کی بے تابی دیکھو اور کچھ شائبہ بھی رحم کا ہو تو اس کا حلق تر کرنے کو ایک گھونٹ پانی دو جفا کارانِ سنگدل پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا اور ان کو ذرا رحم نہ آیا بجائے پانی کے ایک بدبخت نے تیر مارا جو علی اصغر کا حلق چھیدتا ہوا امام

کے بازو میں بیٹھ گیا امام نے وہ تیر کھینچا بچہ نے تڑپ کر جان دی باپ کی گود سے
ایک نور کا پتلا لپٹا ہوا ہے خون میں نہا رہا ہے اہل خیمہ کو گمان ہے کہ سیاہ دلان بیرحم
اس بچہ کو ضرور پانی دیں گے اور اس کی تشنگی دلوں پر ضرور اثر کرے گی۔

لیکن جب امام اس شگوفہ کو خیمہ میں لائے اور اس کی والدہ نے اول نظر میں
دیکھا کہ بچہ میں بے تابانہ حرکتیں نہیں ہیں سکون کا عالم ہے نہ وہ اضطراب ہے نہ
بیقراری، گمان ہوا کہ پانی دے دیا ہوگا حضرت امام سے دریافت کیا، فرمایا وہ بھی ساقیِ
کوثر کے جام رحمت و کرم سے سیراب ہونے کے لئے اپنے بھائیوں سے جا ملا
اللہ تعالےٰ نے ہماری یہ چھوٹی قربانی بھی قبول فرمائی۔ اَلحَمدُ لِلّٰہِ عَلیٰ
اِحسَانِہٖ وَ نَعمَائِہٖ۔

رضا و تسلیم کی امتحان گاہ میں امام حسین اور ان کے متوسلین نے وہ ثابت قدمی
دکھائی کہ عالم ملائکہ بھی حیرت میں آگیا ہوگا اِنِّی اَعلَمُ مَا لَا تَعلَمُونَ کا راز
ان پر منکشف ہوگیا ہوگا۔

حضرتِ امامِ عالیمقام کی شہادت

اب وہ وقت آیا کہ جاں نثار ایک ایک کر کے رخصت ہو چکے اور حضرت امام پر جانیں قربان کر گئے اب تنہا حضرت امام ہیں اور ایک فرزند حضرت امام زین العابدین وہ بھی بیمار و ضعیف باوجود اس ضعف و ناطاقتی کے خیمہ سے باہر آئے اور حضرت امام کو تنہا دیکھ کر میدان کارزار جانے اور اپنی جان نثار کرنے کے لئے نیزہ دست مبارک میں لیا لیکن بیماری، سفر کی کوفت، بھوک پیاس متواتر فاقوں اور پانی کی تکلیفوں سے ضعف اس درجہ ترقی کر گیا تھا کہ کھڑے ہونے سے بدن مبارک لرزتا تھا باوجود اس کے ہمت مردانہ کا یہ حال تھا کہ میدان کا عزم کر دیا۔

حضرتِ امام نے فرمایا جان پدر لوٹ آؤ، میدان جانے کا قصد نہ کرو، کنبہ قبیلہ عزیز واقارب، خدام، موالی جو ہمراہ تھے راہِ حق میں نثار کر چکا اور الحمد للہ کہ ان مصائب کو اپنے جدِ کریم کے صدقہ میں صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کیا اب اپنا ناچیز ہدیہ سر راہِ خدا میں نذر کرنے کے لئے حاضر ہے تمھاری ذات کے ساتھ بہت امیدیں وابستہ ہیں بیکسان اہلِ بیت کو وطن تک کون پہنچائے گا بیبیوں کی نگہداشت کون کرے گا، جدو پدر کی جو امانتیں میرے پاس ہیں کس کو سپرد کی جائیں گی، قرآن کریم محافظت اور حقائق عرفانیہ کی تبلیغ کا فرض کس کے سر پر رکھا جائیگا میری نسل کس سے چلے گی حسینی سیّدوں کا سلسلہ کس سے جاری ہوگا یہ سب توقعات تمھاری ذات سے وابستہ ہیں دومانِ رسالت ونبوت کے آخری چراغ تم ہی ہو تمہاری ہی طلعت سے دنیا

مستفید ہوگی، مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے دلدادگان حسن تمہارے ہی رخ تاباں سے حبیبِ حق کے انوار و تجلیات کی زیارت کریں گے اے نورِ نظر لختِ جگر یہ تمام کام تمہارے ذمہ کئے جاتے ہیں میرے بعد تم ہی میرے جانشین ہو گے تمہیں میدان جانے کی اجازت نہیں ہے۔

حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے عرض کیا کہ میرے بھائی تو جان نثاری کی سعادت پا چکے اور حضور کے سامنے ہی ساقیِ کوثر صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے آغوشِ رحمت و کرم میں پہنچنے میں تڑپ رہا ہوں مگر حضرتِ امام نے کچھ پذیرا نہ اور امام زین العابدین کو ان تمام ذمہ داریوں کا حامل کیا اور خود جنگ کے لئے تیار ہوئے۔

قبائے مصری پہنی اور عمامۂ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سر پر باندھا، سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی سپر پشت پر رکھی، حضرتِ حیدرِ کرار کی ذوالفقارِ آبدار حمائل کی اہلِ خیمہ نے اس منظر کو کن آنکھوں سے دیکھا امام میدان جانے کے لئے گھوڑے پر سوار ہوئے اس وقت اہلِ بیت کی بیکسی انتہا کو پہنچی ہے اور ان کا سردار ان سے طویل عرصہ کے لئے جدا ہوتا ہے نازپروردوں کے سروں سے شفقتِ پدری کا سایہ اٹھنے والا ہے، نونہالانِ اہلِ بیت کے گرد یتیمی منڈلا رہی ہے ازواج سے سہاگ رخصت ہو رہا ہے دکھے ہوئے اور مجروح دل امام کی جدائی سے کٹ رہے ہیں بے کس قافلہ حسرت کی نگاہوں سے امام کے چہرۂ دل افروز پر نظر کر رہا ہے سکینہ کی ترسی ہوئی آنکھیں پدرِ بزرگوار کی آخری دیدار کر رہی ہیں آن دو آن میں یہ جلوے ہمیشہ کے لئے رخصت ہونے والے ہیں اہلِ خیمہ کے چہروں سے رنگ اڑ گئے ہیں حسرت و یاس کی تصویریں کھڑی ہوئی ہیں نہ کسی کے بدن میں جنبش ہے نہ کسی کی زبان میں تابِ حرکت نورانی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے ہیں خاندانِ مصطفےٰ بے وطنی اور بیکسی میں اپنے سروں سے رحمت و کرم کے سایہ گستر کو رخصت کر رہا ہے حضرتِ امام نے اپنے

اہلِ بیت کو تلقین صبر فرمائی رضائے الٰہی پر صابر و شاکر رہنے کی ہدایت کی اور سب کو سپردِ خدا کر کے میدان کی طرف رخ کیا، اب نہ قاسم ہیں نہ ابوبکر و عمر نہ عثمان و عون نہ جعفر نہ عباس جو حضرتِ امام کو میدان جانے سے روکیں اور اپنی جانوں کو امام پر فدا کریں، علی اکبر بھی آرام کی نیند سو گئے جو حصولِ شہادت کی تمنا میں بے چین تھے تنہا امام ہیں اور آپ ہی کو اعدار کے مقابل جانا ہے۔

خیمہ سے چلے اور میدان میں پہنچے حق و صداقت کا روشن آفتاب سرزمین شام میں طالع ہوا، امید زندگانی و تمنائے زلیست کا گرد و غبار اس کے جلوے کو چھپا نہ سکا حبِ دنیا و اسائشِ حیات کی رات کے سیاہ پردے آفتابِ حق کی تجلیوں سے چاک چاک ہو گئے، باطل کی تاریکی اس کی نورانی شعاعوں سے کافور ہو گئی مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا فرزند راہِ حق میں گھر لٹا کر کنبہ کٹا کر سر بکف موجود ہے ہزارہا سپہ گراں نبرد آزما لشکرِ گراں سامنے موجود ہے اور اس کی پیشانی مصفا پر شکن بھی نہیں، دشمن کی فوجیں پہاڑوں کی طرح گھیرے ہوئے ہیں اور امام کی نظر میں پرکاہ کے برابر بھی ان کا وزن نہیں آپ نے ایک رجز پڑھی جو آپ کے ذاتی و نسبی فضائل پر مشتمل تھی اور اس میں شامیوں کو رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ناخوشی و ناراضگی اور ظلم کے انجام سے ڈرایا گیا تھا اس کے بعد آپ نے ایک خطبہ فرمایا اور اس میں حمد و صلوٰۃ کے بعد فرمایا، اے قوم خدا سے ڈرو جو سب کا مالک ہے، جان دینا جان لینا سب اس کے قدرت و اختیار میں ہے، اگر تم خداوند عالم جل جلالہ پر یقین رکھتے اور میرے جد حضرت سید الانبیا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہو تو ڈرو کہ قیامت کے دن میزانِ عدل قائم ہوگی اعمال کا حساب کیا جائے گا میرے والدین محشر میں اپنی آل کے بے گناہ خونوں کا مطالبہ کریں گے حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن کی شفاعت گنہگاروں کی مغفرت کا ذریعہ ہے اور تمام مسلمان جن کی شفاعت

کے امیدوار ہیں وہ تم سے میرے اور میرے جاں نثاروں کے خونِ ناحق کا بدلہ چاہیں گے تم میرے اہل و عیال اعزہ واطفال اصحاب و موالی میں سے ستر سے زیادہ کو شہید کر چکے اور اب میرے قتل کا ارادہ رکھتے ہو خبردار ہو جاؤ کہ عیش دنیا میں پائیداری و قیام نہیں اگر سلطنت کی طمع میں میرے درپئے آزار ہو تو مجھے موقع دو کہ میں عرب چھوڑ کر دنیا کے کسی اور حصہ میں چلا جاؤں اگر یہ کچھ منظور نہ ہو اور اپنی حرکات سے باز نہ آؤ تو ہم اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مرضی پر صابر و شاکر ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ رَضِیْنَا بِقَضَاءِ اللّٰہِ۔

حضرتِ امام کی زبانِ گوہر فشاں سے یہ کلمات سن کر کوفیوں میں سے بہت لوگ رو پڑے دل سب کے جانتے تھے کہ وہ برسرِ ظلم و جفا ہیں اور حمایتِ باطل کے لئے انہوں نے دارین کی روسیاہی لی ہے اور یہ بھی سب کو یقین تھا کہ امام مظلوم حق پر ہیں امام کے خلاف ایک ایک جنبش دشمنانِ حق کے لئے آخرت کی رسوائی و خواری کا موجب ہے اس لئے بہت سے لوگوں پر اثر ہوا اور ظالمانِ بد باطن نے بھی ایک لمحہ کے لئے اس سے اثر لیا۔ ان کے بدنوں پر ایک جھرجھری سی آگئی، اور ان کے دلوں میں ایک بجلی سی چمک گئی لیکن شمر وغیرہ بد سیرت و پلید طبیعت رذیل کچھ متاثر نہ ہوئے بلکہ یہ دیکھ کر کہ لشکریوں پر حضرتِ امام کی تقریر کا کچھ اثر معلوم ہوتا ہے کہنے لگے کہ آپ قصہ کوتاہ کیجئے اور ابنِ زیاد کے پاس چل کر یزید کی بیعت کر لیجئے تو کوئی آپ سے تعارض نہ کرے گا ورنہ بجز جنگ کے کوئی چارہ نہیں ہے حضرت امام کو انجام معلوم تھا لیکن یہ تقریر اقامتِ حجت کے لئے فرمائی تھی کہ انہیں کوئی عذر باقی نہ رہے۔

سیدِ انبیاء صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا نورِ نظر، خاتونِ جنت فاطمۃ الزہرا کا لختِ جگر بیکسی، بھوک پیاس کی حالت میں آل و اصحاب کی مفارقت کا زخم دل پر لئے ہوئے

گرم ریگستان میں بیس ہزار لشکر کے سامنے تشریف فرما ہے تمام حجتیں قطع کردی گئیں اپنے فضائل اور اپنی بے گناہی سے اعداء کو اچھی طرح آگاہ کردیا اور بار بار بتادیا کہ میں بقصد جنگ نہیں آیا اور اس وقت تک ارادۂ جنگ نہیں ہے اب بھی موقع دو تو واپس چلا جاؤں مگر بیس ہزار کی تعداد امام کو بے کس و تنہا دیکھ کر جوش بہادری دکھانا چاہتی ہے۔

جب حضرتِ امام نے اطمینان فرمایا کہ سیاہ دلانِ بد باطن کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہا اور وہ کسی طرح خونِ ناحق و ظلم بے نہایت سے باز آنے والے نہیں تو امام نے فرمایا کہ تم جو ارادہ رکھتے ہو پورا کرو اور جس کو میرے مقابلہ کے لئے بھیجنا چاہتے ہو بھیجو، مشہور بہادر اور یگانہ نبرد آزما جن کو سخت وقت کے لئے محفوظ رکھا گیا تھا میدان میں بھیجے گئے ایک بے حیا ابنِ زہرار کے مقابل تلوار چمکاتا آتا ہے امام تشنہ کام کو آب تیغ دکھاتا ہے پیشوائے دین کے سامنے اپنی بہادری کی ڈینگیں مارتا ہے غرور و قوت میں سرشار ہے کثرتِ لشکر اور تنہائی امام پر نازاں ہے آتے ہی حضرتِ امام کی طرف تلوار کھینچتا ہے ابھی ہاتھ اٹھا ہی تھا کہ امام نے ضرب فرمائی سر کٹ کر دور جاگرا اور غرور و شجاعت خاک میں مل گیا، دوسرا بڑھا اور چاہا کہ امام کے مقابلے میں ہنرمندی کا اظہار کرکے سیاہ دلوں کی جماعت میں سرخ روئی حاصل کرے ایک نعرہ مارا اور پکار کر کہنے لگا کہ بہادران کوہ شکن شام و عراق میں میری بہادری کا غلغلہ ہے اور مصر و روم میں میں شہرۂ آفاق ہوں دنیا بھر کے بہادر میرا لوہا مانتے ہیں آج تم میرے زورِ قوت کو اور داؤ پیچ کو دیکھو۔

ابنِ سعد کے لشکری اس متکبر سرکش کی تعلیوں سے بہت خوش ہوئے اور سب دیکھنے لگے کہ کس طرح امام سے مقابلہ کرے گا لشکریوں کو یقین تھا کہ حضرتِ امام پر بھوک پیاس کی تکلیف حد سے گزر چکی ہے صدموں نے ضعیف کردیا ہے

دوڑ پڑے اور حضرت امام کو گھیر لیا اور تلوار برسانی شروع کی اور حضرت امام کی بہادری کی ستائش ہو رہی تھی اور آپ خونخواروں کے انبوہ میں اپنی تیغ آبدار کے جوہر دکھا رہے تھے جس طرف گھوڑا بڑھا دیا پرے کے پرے کاٹ ڈالے دشمن ہیبت زدہ ہو گئے اور حیرت میں آ گئے کہ امام کے حملۂ جانستاں سے رہائی کی کوئی صورت نہیں ہزاروں آدمیوں میں گھرے ہوئے ہیں اور دشمنوں کا سر اس طرح اڑا رہے ہیں جس طرح بادِ خزاں کے جھونکے درختوں سے پتے گرا تے ہیں ابن سعد اور اس کے مشیروں کو بہت تشویش ہوئی کہ اکیلے امام کے مقابل ہزاروں کی جماعتیں ہیچ ہیں کوفیوں کی عزت خاک میں مل گئی تمام نامورانِ کوفہ کی جماعتیں ایک حجازی جوان کے ہاتھ جان نہ بچا سکیں تاریخِ عالم میں ہماری نامردی کا یہ واقعہ اہلِ کوفہ کو ہمیشہ رسوائے عالم کرتا رہے گا۔ کوئی تدبیر کرنا چاہیے تجویز یہ ہوئی کہ دست بدست جنگ میں ہماری ساری فوج بھی اس شیرِ حق سے مقابلہ نہیں کر سکتی بجز اس کے کہ کوئی صورت نہیں ہے کہ ہر چہار طرف سے امام پر تیروں کا مینہ برسایا جائے اور جب خوب زخمی ہو چکیں تو نیزوں کے حملوں سے تن نازنین کو مجروح کیا جائے۔ تیر اندازوں کی جماعتیں ہر طرف سے گھر آئیں اور امام تشنہ کام کو گردابِ بلا میں گھیر کر تیر برسانے شروع کر دئے۔ گھوڑا اس قدر زخمی ہو گیا کہ اس میں کام کرنے کی قوت باقی نہ رہی ناچار حضرت امام کو ایک جگہ ٹھہرنا پڑا ہر طرف سے تیر آ رہے ہیں اور امامِ مظلوم کا تن نازپرور نشانہ بنا ہوا ہے نورانی جسم زخموں سے چکنا چور اور لہولہان ہو رہا ہے بے شرم کوفیوں نے سنگ دلی سے محترم مہمان کے ساتھ یہ سلوک کیا ایک تیر پیشانی اقدس پر لگا، یہ پیشانی مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی بوسہ گاہ تھی یہ سیمائے نور حبیب خدا کے آرزومندانِ جمال کا قرار دل ہے بے ادبانِ کوفہ نے اس پیشانی مصفا اور اس جبین پر ضیاء کو تیر سے گھائل کیا حضرت کو چکر آ گیا اور گھوڑے سے نیچے آ ئے اب نامردانِ سیاہ باطن نے نیزوں پر رکھ لیا نورانی پیکر خون میں نہا گیا اور

آپ شہید ہو کر زمین پر گر پڑے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ظالمانِ بدکیش نے اسی پر اکتفا نہیں کیا اور حضرتِ امام کی مصیبتوں کا اسی پر خاتمہ نہیں ہو گیا دشمنانِ ایمان نے سرِ مبارک کو تنِ اقدس سے جدا کرنا چاہا اور نصر ابن خرشہ اس ناپاک ارادہ سے آگے بڑھا مگر امام کی ہیبت سے اس کے ہاتھ کانپ گئے اور تلوار چھوٹ پڑی۔ خولی ابنِ یزید پلید نے یا شبل یا ابن یزید نے بڑھ کر سرِ اقدس کو تنِ مبارک سے جدا کر دیا۔

صادقِ جانباز نے عہدِ وفا پورا کیا اور دینِ حق پر قائم رہ کر اپنا کنبہ، اپنی جان راہِ خدا میں اس اولوالعزمی سے نذر کی، سوکھا گلا کاٹا گیا اور کربلا کی زمین سید الشہدا کے خون سے گلزار بنی سر و تن کو خاک میں ملا کر اپنے جدِ کریم کے دین کی حقانیت کی عملی شہادت دی اور ریگستانِ کوفہ کے ورق پر صدق و امانت پر جان قربان کرنے کے نقوش ثبت فرمائے۔ اَعْلَی اللّٰہُ تَعَالٰی مَکَانَہٗ وَاَسْکَنَہٗ بُحْبُوْبَۃَ جِنَانِہٖ وَاَمْطَرَ عَلَیْہِ شَآبِیْبَ رَحْمَتِہٖ وَرِضْوَانِہٖ۔ کربلا کے بیابان میں ظلم و جفا کی آندھی چلی مصطفائی چمن کے غنچہ و گل بادِ سموم کی نذر ہو گئے خاتونِ جنت کا لہلہاتا باغ دوپہر میں کاٹ ڈالا گیا، کوفیوں کے متاع بے دینی و بے حمیتی کے سیلاب سے غارت ہو گئے فرزندانِ آلِ رسول کے سر سے سردار کا سایہ اٹھا بچے اس غریب الوطنی میں یتیم ہوئے، بیبیاں بیوہ ہوئیں مظلوم بچے اور بیکس بیبیاں گرفتار کئے گئے۔

محرم ۶۱ھ کی دسویں تاریخ جمعہ کے روز چھپن سال پانچ ماہ پانچ دن کی عمر میں حضرتِ امام نے اس ناپائیدار سے رحلت فرمائی اور داعیِ اجل کو لبیک کہی ابنِ زیادِ بدنہاد نے سرِ مبارک کو کوفہ کے کوچہ و بازار میں پھروایا اور اس طرح اپنی بے حمیتی و بے حیائی کا اظہار کیا پھر حضرت سید الشہدا اور ان کے تمام جانباز شہداء کے

ایسے وقت امام پر غالب آجانا کچھ مشکل نہیں ہے جب سپاہ شام کا گستاخ جفا جو سرکشانہ گھوڑا کو داتا سامنے آیا حضرت امام نے فرمایا تو مجھے جانتا نہیں جو میرے اس دلیری سے آتا ہے ہوش میں ہو اس طرح ایک ایک مقابل آیا تو تیغ خون آشام سے سب کا کام تمام کر دیا جائے گا۔ حسین کو کمزور و بیکس دیکھ کر حوصلہ مندیوں کا شمار کر رہے ہو نامرد و میری نظر میں تمہاری کوئی حقیقت نہیں شامی جوان یہ سن کر اور طیش میں آگیا اور بجائے جواب کے حضرت امام پر تلوار کا وار کیا حضرت امام نے اس کا وار بچا کر کمر پر تلوار ماری معلوم ہوتا تھا کھیرا تھا کاٹ ڈالا۔ اہل شام کو اب یہ اطمینان تھا کہ حضرت کے سوا اب تو کوئی باقی ہی نہ رہا کہاں تک نہ تھکیں گے، پیاس کی حالت دھوپ کی تپش مضمحل کر چکی تھی۔ بہادری کے جوہر دکھلانے کا وقت ہے جہاں تک ہو ایک ایک مقابل کیا جائے کوئی تو کامیاب ہوگا اس طرح سنتے ننھے دمبدم شیر صولت، پیل پیکر تیغ زن حضرت امام کے مقابل رہے مگر جو سامنے آیا ایک ہی ہاتھ میں اس کا قصہ تمام فرمایا کسی کے سر پر تلوار ماری تو زین تک کاٹ ڈالی کسی کے حمائل ہاتھ مارا تو قلمی تراش دیا خود مغفر کاٹ ڈالے جوشن و آئینے قطع کر دئے کسی کو نیزہ پر اٹھایا اور زمین پر ٹپک دیا کسی کے سینے میں نیزہ مارا اور پار نکال دیا۔
زمین کربلا میں بہادران کوفہ کا کھیت بو دیا۔ ناموران صف شکن کے خونوں سے کربلا کے تشنہ ریگستان کو سیراب فرما دیا نعشوں کے انبار لگ گئے بڑے بڑے فخر روزگار بہادر کام آگئے لشکر اعدا میں شور برپا کر دیا کہ جنگ کا یہ انداز رہا تو حیدر کا شیر کوفہ کے زن و اطفال کو بیوہ و یتیم بنا کر چھوڑے گا اور اس کی تیغ بے پناہ سے کوئی بہادر جان بچا کر نہ لے جا سکے گا، موقع مت دو اور چاروں طرف سے گھیر کر یکبارگی حملہ کرو۔ فرومائیگان روباہ سیرت حضرت امام کے مقابلہ سے عاجز آئے اور یہی صورت اختیار کی اور ماہ چرخ حقانیت پر جور و جفا کی تاریک گھٹا چھا گئی اور ہزاروں نوجوان

سروں کو اسیران اہل بیت کے ساتھ شمر ناپاک کی ہمراہی یزید کے پاس دمشق بھیجا۔ یزید نے سر مبارک اور اہل بیت کو حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مدینہ طیبہ بھیجا اور وہاں حضرت امام کا سر مبارک آپ کی والدہ ماجدہ حضرت خاتون جنت رضی اللہ تعالےٰ عنہا یا حضرت امام حسن کے پہلو میں مدفون ہوا۔

اس واقعہ ہائلہ سے حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو جو رنج پہنچا اور مبارک کو جو صدمہ پہنچا اندازہ اور قیاس سے باہر ہے امام احمد اور بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ ایک روز میں دوپہر کے وقت حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوا میں نے دیکھا کہ سنبل معنبر وگیسوئے معطر بکھرے ہوئے اور غبار آلود ہیں، دست مبارک میں ایک خون بھرا شیشہ ہے یہ حال دیکھ کر دل بے چین ہوگیا، میں نے عرض کیا اے آقا! قربانت شوم یہ کیا حال ہے، فرمایا حسین اور ان کے رفیقوں کا خون ہے میں اسے آج صبح سے اٹھا رہا ہوں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اس تاریخ و وقت کو یاد رکھا جب خبر آئی تو معلوم ہوا کہ حضرت امام اسی وقت شہید کئے گئے۔ حاکم نے بیہقی میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے ایک حدیث روایت کی انہوں نے بھی اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے سر مبارک وریش اقدس پر گرد وغبار ہے، عرض کیا جانِ ما کنیزاں نثارِ تو باد، یارسول اللہ یہ کیا حال ہے، فرمایا ابھی امام حسین کے مقتل میں گیا تھا۔ بیہقی ابونعیم نے بصرہ ازدیہ سے روایت کی کہ جب حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید کئے گئے تو آسمان سے خون برسا، صبح کو ہمارے مٹکے گھڑے اور تمام برتن خون سے بھرے ہوئے تھے بیقہی ابونعیم نے زہری سے روایت کی کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ جس روز شہید کئے گئے اس روز بیت المقدس میں جو پتھر اٹھایا جاتا تھا اس کے نیچے تازہ خون

پایا جاتا تھا بیہقی نے امام حبان سے روایت کی ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن اندھیرا ہو گیا اور تین روز کامل اندھیرا رہا اور جس شخص نے منہ پر زعفران اغازہ، ملا اس کا منہ جل گیا اور بیت المقدس کے پتھروں کے نیچے تازہ خون پایا گیا بیہقی نے حضرت جمیل بن مرہ سے روایت کی کہ یزید کے لشکریوں نے لشکر امام میں ایک اونٹ پایا اور امام کی شہادت کے روز اس کو ذبح کیا اور پکایا تو اندراین کی طرح کڑوا ہو گیا اور اس کو کوئی کھا نہ سکا۔ ابو نعیم نے سفیان سے روایت کی وہ کہتے ہیں کہ مجھ کو میری دادی نے خبر دی کہ حضرت امام کی شہادت کے دن میں نے دیکھا رس (کسم) راکھ ہو گیا اور گوشت آگ ہو گیا بیہقی نے علی بن شبیر سے روایت کی کہ میں نے اپنی دادی سے سنا وہ کہتی تھیں کہ میں حضرت امام کی شہادت کے زمانے میں جوان لڑکی تھی کئی روز آسمان رویا۔ یعنی آسمان سے خون برسا۔ بعض مؤرخین نے کہا کہ سات روز تک آسمان خون رویا اس کے اثر سے دیواریں اور عمارتیں رنگین ہو گئیں اور جو کپڑا اس سے رنگین ہوا اس کی سرخی پرزے پرزے ہونے تک نہ گئی۔ ابو نعیم نے حبیب بن ثابت سے روایت کی کہ میں نے جنوں کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر اس طرح نوحہ خوانی کرتے سنا ہے

مَسَحَ النَّبِیُّ جَبِیْنَہٗ   فَلَہٗ بَرِیْقٌ فِی الْخُدُوْدِ !

اس جبیں کو نبی نے چوما تھا   ہے وہی نور اس کے چہرے پر

اَبَوَاہُ مِنْ عُلْیَا قُرَیْشٍ   وَجَدُّہٗ خَیْرُ الْجُدُوْدِ

اس کے ماں باپ ہیں برترین قریش   اس کے نانا جہاں سے بہتر

ابو نعیم نے حبیب بن ثابت سے روایت کی کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سے سوائے آج کے کبھی جنوں کو نوحہ کرتے اور روتے نہ سنا تھا مگر آج سنا تو میں نے جانا کہ میرا فرزند حسین رضی اللہ عنہ شہید ہو گیا میں نے اپنی لونڈی کو بھیج کر خبر منگائی تو معلوم ہوا کہ

حضرت امام شہید ہو گئے جن اس نوحہ کے ساتھ زاری کرتے تھے :۔

اَلَا یَا عَیْنُ فَابْتَہِلِیْ بِجُھْدٍ | وَمَنْ یَّبْکِیْ عَلَی الشُّھَدَاءِ بَعْدِیْ
ہو سکے جتنا روئے تو اے چشم | کون روئے گا پھر شہیدوں کو
عَلٰی رَھْطٍ تَقُوْدُھُمُ الْمَنَایَا | اِلٰی مُتَجَبِّرٍ فِیْ مُلْکِ عَھْدِیْ
پاس ظالم کے کھینچ کر لائی | موت ان بیکسوں غریبوں کو

ابن عساکر نے منہال بن عمرو سے روایت کی وہ کہتے ہیں واللہ میں نے بچشم خود دیکھا کہ جب سر مبارک امام حسین رضی اللہ تعالے عنہ کو لوگ نیزے پر لئے جاتے تھے اس وقت میں دمشق میں تھا سر مبارک کے سامنے ایک شخص سورۂ کہف پڑھ رہا تھا جب وہ اس آیت پر پہنچا اِنَّ اَصْحٰبَ الْکَھْفِ وَالرَّقِیْمِ کَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا۔

(اصحاب کہف و رقیم ہماری نشانیوں میں سے تھے) اس وقت اللہ تعالے نے سر مبارک کو گویائی دی، بزبانِ فصیح فرمایا اَعْجَبُ مِنْ اَصْحٰبِ الْکَھْفِ قَتْلِیْ وَحَمْلِیْ (اصحاب کہف کے قتل کے واقعہ سے میرا قتل اور میرے سر کو لئے پھرنا عجیب تر ہے) درحقیقت بات یہی ہے کیونکہ اصحاب کہف پر کافروں نے ظلم کیا تھا اور حضرت امام کو ان کی جد کی امت نے مہمان بنا کر بلایا پھر بے وفائی سے پانی تک بند کر دیا آل و اصحاب کو حضرت امام کے سامنے شہید کیا پھر خود حضرت امام کو شہید کیا اہل بیت کو اسیر کیا سر مبارک کو شہر شہر پھرایا، اصحاب کہف سالہا سال کی طویل خواب کے بعد بولے یہ ضرور عجیب ہے مگر سر مبارک کا تن سے جدا ہونے کے بعد کلام فرمانا اس سے عجیب تر ہے۔

ابو نعیم نے بطریق ابن لہیعہ ابی حنبل سے روایت کی کہ حضرت امام کی شہادت کے بعد جب بدنصیب کوفی سر مبارک کو لے کر چلے اور پہلی منزل میں ایک پڑاؤ پر بیٹھ کر

شربت خرما پینے لگے اس وقت ایک لوہے کا قلم نمودار ہوا اس نے خون سے یہ شعر لکھا ؎

اَترجُو اُمَّۃٌ قَتَلَتْ حُسَیْنًا　　شَفَاعَۃَ جَدِّہٖ یَوْمَ الْحِسَابِ

یہ بھی منقول ہے کہ ایک منزل میں جب اس قافلہ نے قیام کیا وہاں ایک دیر تھا دیر کے راہب نے ان لوگوں کو اسی ہزار درہم دے کر سر مبارک کو ایک شب اپنے پاس رکھا غسل دیا، عطر لگایا، ادب و تعظیم کے ساتھ تمام شب زیارت کرتا اور روتا رہا اور رحمتِ الٰہی کے جو انوار سر مبارک پر نازل ہو رہے تھے ان کا مشاہدہ کرتا رہا تھی کہ یہی اس کے اسلام کا باعث ہوا۔ اشقیا نے جب دراہم تقسیم کرنے کے لئے تھیلیوں کو کھولا تو دیکھا سب میں ٹھیکریاں بھری ہوئی ہیں اور ان کے ایک طرف لکھا ہے:۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰہَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ

(خدا کو ظالموں کے کردار سے غافل نہ جانو)

اور دوسری طرف یہ آیت مکتوب ہے۔ وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ (اور ظلم کرنے والے عنقریب جان لیں گے کہ کس کروٹ بیٹھتے ہیں)

غرض زمین و آسمان میں ایک ماتم برپا تھا تمام دنیا رنج و غم میں گرفتار تھی شہادت امام کے دن آفتاب کو گرہن لگا ایسی تاریکی ہوئی کہ دوپہر میں تارے نظر آنے لگے آسمان رویا زمین روئی، ہوا میں جنات نے نوحہ خوانی کی، راہب تک اس حادثۂ قیامت نما سے کانپ گئے اور رو پڑے۔ فرزندِ رسول جگر گوشۂ بتول، سردارِ قریش امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک ابن زیاد متکبر کے سامنے طشت میں رکھا اور وہ فرعون کی طرح مسندِ تکبر پر بیٹھے۔ اہل بیت اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھیں ان کے دلوں کا کیا حال ہوا ہوگا۔ پھر سر مبارک اور تمام شہداء کے سروں کو شہر شہر نیزوں پر پھرایا جائے اور وہ یزید پلید کے سامنے لا کر اسی طرح رکھے جائیں اور وہ خوش ہو اس کو کون برداشت

کر سکتا ہے۔ یزید کی رعایا بھی بگڑ گئی اور ان سے یہ نہ دیکھا گیا اس پر اس نابکار نے اظہار ندامت کیا مگر یہ ندامت اپنی جماعت کو قبضہ رکھنے کے لئے تھی دل تو اس ناپاک کا اہل بیت کرام کے عناد سے بھرا ہوا تھا حضرت امام پر ظلم ستم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور آپ نے اور آپ کے اہل بیت نے صبر و رضا کا وہ امتحان دیا جو دنیا کو حیرت میں ڈال دیتا ہے راہ حق میں وہ مصیبتیں اٹھائیں جن کے تصور سے دل کانپ جاتا ہے۔ یہ کمال شہادت و جانبازی ہے اور اس میں امت مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے حق و صداقت پر استقامت و استقلال کی بہترین تعلیم ہے۔

حضراتِ حسنینِ کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مجموعی فضائل

حضرتِ علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں، جب حضرتِ حسن پیدا ہوئے تو میں نے (عرب کے عام طریقے کے مطابق) ان کا نام حرب (جنگ، جنگ جو) رکھا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا مجھے میرا بیٹا دکھاؤ، تم نے اس کا نام کیا رکھا ہے؟ عرض کیا، حرب! فرمایا بلکہ اس کا نام حسن ہے۔

جب حضرتِ حسین پیدا ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا مجھے میرا بیٹا دکھاؤ، تم نے اس کا نام کیا رکھا ہے؟ عرض کیا حرب! فرمایا بلکہ وہ حسین ہے۔

جب تیسرا بیٹا پیدا ہوا تو میں نے اس کا نام حرب رکھا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا مجھے میرا بیٹا دکھاؤ، تم نے اس کا نام کیا رکھا ہے؟ عرض کیا حرب! فرمایا بلکہ وہ محسن ہے۔

پھر میں نے ان کے نام حضرتِ ہارون علیہ السلام کے صاحبزادوں شبر، شبیر اور مشبر کے نام پر رکھے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

حضرتِ عمران بن سلیمان فرماتے ہیں :-

"حسن اور حسین اہلِ جنت کے نام ہیں، دورِ جاہلیت میں یہ نام نہیں تھے۔"

ابن الاعرابی حضرتِ مفضل سے روایت کرتے ہیں :-

"اللہ تعالےٰ نے یہ نام مخفی رکھے حتّٰی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اپنے نواسوں کا نام حسن وحسین رکھا۔"

حضرتِ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا :-

"حسن وحسین دنیا سے میرے دو پھول ہیں"

حضرتِ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں :-

"حضرتِ حسن سر سے سینے تک نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے بہت زیادہ مشابہ تھے اور حضرتِ حسین اس سے نچلے حصے میں (یعنی چلنے پھرنے میں) آپ کے بہت زیادہ مشابہ تھے۔" [1]

حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں :-

"حضراتِ حسنین کریمین نبیِ اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے سامنے کشتی کیا کرتے تھے اور حضور فرماتے یہ حسن ہے، حضرتِ فاطمہ نے عرض کیا آپ یہ کیوں فرماتے ہیں؟ فرمایا جبریلِ امین فرماتے ہیں یہ حسین ہے۔"

حضرتِ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا :-

"حسن وحسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں سوائے خالہ زاد بھائیوں حضرتِ عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام کے (ایک روایت میں ہے) ان کے

---

[1] اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی فرماتے ہیں ؎

معدوم نہ تھا سایۂ شاہِ ثقلین — اس نور کی جلوہ گہ تھی ذاتِ حسنین

تمثیل نے اس سایہ کے دو حصے کئے — آدھے سے حسن بنے آدھے سے حسین

والد اُن سے بہتر ہیں "

حضرتِ اسامہ بن زید رضی اللہ تعالےٰ عنہما فرماتے ہیں میں ایک رات کسی ضرورت کے تحت نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا، آپ باہر تشریف لائے تو کسی چیز کو اٹھائے ہوئے تھے جو مجھے معلوم نہ ہو سکی، جب میں عرضِ حاجت سے فارغ ہوا تو عرض کیا آپ یہ کیا اٹھائے ہوئے ہیں، آپ نے چادر مبارک ہٹائی تو میں نے دیکھا کہ آپ کے دونوں پہلوؤں میں حضرات حسنین کریمین ہیں، آپ نے فرمایا :-

" یہ دو میرے بیٹے ہیں، میرے نواسے ہیں، اے اللہ! میں ان سے اُن کے محبین سے محبت رکھتا ہوں تو بھی انہیں اور ان کے محبین کو محبوب رکھ "

حضرتِ ابو بردہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، اتنے میں حسنین کریمین آ گئے، انہوں نے سرخ قمیصیں پہن رکھی تھیں اور وہ لڑکھڑاتے ہوئے چل رہے تھے، نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم منبر سے اترے اور انہیں اپنے سامنے بٹھا لیا پھر فرمایا :-

" اللہ تعالےٰ نے سچ فرمایا تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ (آزمائش) ہیں، میں نے ان دو بچوں کو لڑکھڑاتے ہوئے چلتے دیکھا تو میں نے برداشت نہیں کیا یہاں تک کہ میں نے سلسلۂ گفتگو منقطع کیا اور انہیں اٹھا لیا "

حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ نے ایک کندھے پر حضرتِ حسن اور دوسرے کندھے پر حضرتِ حسین کو اٹھایا ہوا تھا، آپ کبھی انہیں چومتے اور کبھی اُنہیں، یہاں تک کہ ہمارے پاس تشریف لے آئے اور فرمایا :-

"جس نے انہیں محبوب رکھا اس نے مجھے محبوب رکھا اور جس نے انہیں دشمن رکھا اس نے مجھے دشمن رکھا"

حضرتِ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں، نبی اکرم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، جب آپ سجدے میں جاتے تو حسنین کریمین آپ کی پشت مبارک پر چڑھ جاتے، صحابہ کرام جب انہیں روکنا چاہتے تو آپ اشارہ فرماتے کہ انہیں رہنے دو، جب نماز سے فارغ ہوئے تو انہیں اپنی گود میں اٹھالیا اور فرمایا:

"جسے مجھ سے محبت ہے اس کو چاہیے کہ ان دونوں سے محبت رکھے"

حضرتِ انس رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں نبیِ اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ کے اہلِ بیت میں سے آپ کو کون زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا حسن و حسین۔

حضرتِ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت ہے کہ وہ حسنین کریمین کو لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! یہ آپ کے دونواسے ہیں انہیں کچھ عطا فرمائیے، فرمایا:

"حسن کے لئے میری ہیبت اور سیادت[1] ہے اور حسین کے لئے میری جرأت اور سخاوت ہے (رضی اللہ تعالٰی عنہم)"

---

[1] اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرتِ امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ افضل ہیں" (حاشیہ النیرۃ الوضیہ)

تیسرا مقصد

اہلِ بیت کی محبت اور اس پر اجرِ عظیم، ان کا بغض اور اسکی بھاری سزا

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:۔

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى

"تم فرما دو میں تم سے تبلیغ کا کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، ہاں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ میرے رشتہ داروں سے محبت رکھو"

قربیٰ مصدر ہے جس کا معنی رشتہ داری ہے اس سے پہلے مضاف مقدر ہے فی ذوی القربیٰ یعنی رشتہ دار "فی القربیٰ" فرمایا اور للقربیٰ نہیں فرمایا کیونکہ (فی ظرفیت کے لئے ہے) اور ظرفیت میں محبت کی تاکید اور مبالغہ زیادہ ہے۔

امام سیوطی نے در منثور میں اور بہت سے دیگر مفسرین نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا:۔

"صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کے وہ کون سے رشتے دار ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہے؟ فرمایا: علی، فاطمہ اور ان کی اولاد"

درِ منثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے ہے:۔

"انصاری صحابہ فرماتے ہیں کہ اہلِ بیت نے ہمارے قول و فعل سے فخر محسوس کیا حضرت عباس نے فرمایا: ہمیں تم پر فضیلت ہے، یہ بات نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ کی مجلس میں تشریف لے گئے اور فرمایا اے گروہ انصار! کیا تم بے عزت نہیں تھے تو اللہ تعالےٰ نے تمہیں میرے ذریعے عزت عطا فرمائی؟ انہوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! کیا تم مجھے جواب نہیں دیتے؟ عرض کیا حضور! آپ کیا فرمانا چاہتے ہیں؟

فرمایا: کیا تم یہ نہیں کہتے کہ کیا آپ کو آپ کی قوم نے نکال نہیں دیا تھا تو ہم نے آپ کو پناہ دی؟ کیا انہوں نے آپ کی تکذیب نہیں کی تھی تو ہم نے آپ کی تصدیق کی؟ کیا انہوں نے آپ کو کمزور نہ جانا تو ہم نے آپ کی امداد کی؟ آپ اسی طرح فرماتے رہے یہاں تک کہ انصار گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے اور عرض کیا ہمارے تمام اموال و املاک خدا و رسول کے لئے ہیں، تو یہ آیت نازل ہوئی:۔

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى

حضرت طاؤس فرماتے ہیں اس کے بارے میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:۔

"اس سے مراد نبیِ اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہیں"۔

مقریزی نے فرمایا، مفسرین کی ایک جماعت نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

"اے حبیب! اپنے پیروکار مومنوں کو فرما دو کہ میں تبلیغِ دین پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا سوائے اس کے کہ تم میرے رشتہ داروں سے محبت رکھو"۔

حضرت ابو العالیہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے راوی ہیں:۔

اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى

"یہ نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہیں"۔

ابو اسحاق فرماتے ہیں میں نے حضرت عمرو بن شعیب سے اس آیہ کریمہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا:۔

"قُربیٰ سے مراد نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے رشتے دار ہیں"۔

تنبیہ

اگر یہ سوال کیا جائے کہ تبلیغِ وحی پر اجر طلب کرنا جائز نہیں ہے، اللہ تعالےٰ نے

بہت سے رسولوں علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں فرمایا :۔

وَمَآ اَسْـَٔلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ

"میں تم سے تبلیغِ دین پر کوئی اجر نہیں مانگتا"۔

اور ہمارے رسول تو ان سب سے افضل ہیں، لہٰذا آپ تبلیغِ دین پر اجر طلب نہ کرنے کے زیادہ حق دار ہیں، خود نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اجر طلب نہ کرنے کی تصریح فرمائی ہے :۔

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ

"تم فرمادو کہ میں تبلیغِ اسلام پر تم سے اجر نہیں مانگتا اور میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں"۔

نیز تبلیغ آپ پر واجب تھی ۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے :۔

بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ

"جو کچھ تمھارے رب کی طرف سے تم پر اتارا گیا اس کی تبلیغ کرو"۔

واجب کے ادا کرنے پر اجر کا طلب کرنا مناسب نہیں ہے جیسے تمام اشیاء سے افضل رسالت کا مقابلہ سامانِ دنیا سے کرنا لائق نہیں ہے۔ اجر کا طلب کرنا موجب تہمت بھی ہے (کہ ممکن ہے معاوضہ نہ ملے تو آپ تبلیغ نہ فرمائیں) ثابت ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے لئے اجر کا طلب کرنا جائز نہیں ہے اور اس جگہ رشتہ داروں کی محبت کا مطالبہ کیا گیا ہے جو اجر کے قائم مقام ہے ؎

وَلَا عَیْبَ فِیْہِمْ غَیْرَ اَنَّ سُیُوْفَہُمْ

بِہِنَّ فُلُوْلٌ مِّنْ قِرَاعِ الْکَتَآئِبِ

"ان میں سوائے اس کے اور کوئی عیب نہیں ہے کہ ان کی تلواروں میں دشمنوں سے ٹکرانے کے سبب دندانے ہیں (یعنی یہ تو عیب نہیں ہے

لہذا مؤکد طریقہ سے معلوم ہوا کہ ان میں کوئی عیب نہیں ہے"

یعنی میں تم سے سوائے اس کے اور کچھ طلب نہیں کرتا اور یہ اجر نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں کی باہمی محبت واجب ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ

"ایمان دار مرد اور ایمان دار عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں"

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

"مسلمان ایک عمارت کی طرح ہیں جس کا ایک حصہ دوسرے کی تقویت کا باعث ہوتا ہے"

جب مسلمانوں کی باہمی محبت واجب ہوئی تو اشرف المسلمین اور آپ کے اہلِ بیت رضی اللہ تعالیٰ عنھم کے حق میں بہ طریقِ اولیٰ واجب ہوگی (اور واجب کا ادا کرنا اجر نہیں کہلاتا)

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ استثنار منقطع ہے اجرًا پر کلام مکمل ہوگیا ہے۔ پھر فرمایا: اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى یعنی لیکن میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ میرے رشتہ داروں سے محبت کرو (مختصر خطیب وخازن)

سُدّی، ابوالدیلم سے راوی ہیں کہ جب حضرتِ امام زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو گرفتار کر کے لایا گیا اور انھیں دمشق کے راستے میں کھڑا کیا گیا تو وہاں کا ایک باشندہ کھڑا ہوا اور کہنے لگا، خدا کا شکر ہے جس نے تمہیں قتل کیا، تمہارا استیصال (خاتمہ) کیا اور فتنے کا سینگ کاٹ دیا، امام زین العابدین نے اسے فرمایا: کیا تو نے قرآن پاک پڑھا ہے؟ اس نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا: تو نے آل حٰم پڑھی ہے؟ اس نے کہا میں نے قرآن مجید پڑھا ہے لیکن آل حٰم نہیں پڑھی آپ نے فرمایا: تم نے یہ آیت قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى نہیں پڑھی؟

اس نے کہا وہ لوگ آپ ہی ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔

میں کہتا ہوں میرا گمان یہ ہے کہ وہ شخص ایماندار نہ تھا، ہاں اس کا ایمان تھا لیکن بتوں اور مصنوعی خداؤں پر، کیونکہ ایسی بکواس اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے والوں کی زبان سے صادر نہیں ہو سکتی۔ اس شخص کے دل میں ایمان کیسے ٹھہر سکتا ہے جو آلِ مصطفےٰ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وعلیہم وسلم کے شہید کرنے اور ان کے استیصال پر خدا کا شکر ادا کرے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ابوجہل، اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اس ملحد سے بڑا دشمن تھا۔

ہمارے زمانے میں بھی ایسے گمراہوں کی کمی نہیں ہے جو اہل بیت نبوت و معدن رسالت سے نفرت رکھتے ہیں۔ ہم نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے کہ اللہ تعالےٰ، نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم، سلف صالحین، علماء امت یا اولیائے امت نے جو اہل بیت کے امتیازی فضائل و مناقب بیان کئے ہیں انہیں سن کر ان کی پیشانیوں پر شکن پڑ جاتے ہیں۔ ان کا رنگ بدل جاتا ہے اور وہ زبان حال سے اس امر کی آرزو کرتے ہیں کہ کاش وہ فضائل انہیں نہ دیئے گئے ہوتے اور کبھی کمزور اقوال، موضوع روایات اور خود ساختہ آثار پیش کرنے کا تکلف کرتے ہیں تاکہ ان کے ذریعے اللہ تعالےٰ کے نور کو بجھا دیں حالانکہ اللہ تعالےٰ اپنے نور کو کامل فرمانے والا ہے اگرچہ کافر ناپسند رکھیں۔

میں نے زمخشری کی تفسیر کشاف میں دیکھا کہ اس نے اس آیت کی تفسیر میں ایک طویل حدیث نقل کی جسے امام رازی نے اس کے حوالے سے تفسیر کبیر میں نقل کیا اور وہ یہ ہے نبی کرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"جو شخص آلِ محمد کی محبت پر فوت ہوا اس نے شہادت کی موت پائی، سن لو! جو شخص آلِ محمد کی محبت پر فوت ہوا وہ اس حال میں فوت ہوا کہ اس کے گناہ بخش دیئے گئے ہیں، خبردار! جو شخص آلِ محمد کی محبت پر فوت ہوا وہ تائب ہو کر فوت ہوا جان لو!

جو شخص آلِ محمد کی محبت پر فوت ہوا' اسے پہلے ملک الموت اور پھر منکر نکیر جنت کی خوشخبری دیتے ہیں، آگاہ باشید! جو شخص آلِ محمد کی محبت پر فوت ہوا' اسے اس اعزاز کے ساتھ جنت روانہ کیا جاتا ہے، جس طرح دلہن دولہا کے گھر بھیجی جاتی ہے۔ اچھی طرح سن لو! جو شخص آلِ محمد کی محبت پر فوت ہوا، اس کی قبر میں جنت کے دو دروازے کھول دئے جاتے ہیں' جان لو! جو شخص آلِ محمد کی محبت پر فوت ہوا، وہ مسلکِ اہلِ سنت وجماعت پر فوت ہوا، خوب ذہن نشین کر لو! جو شخص آلِ محمد کے بغض پر مرا وہ قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا، "اللہ تعالےٰ کی رحمت سے ناامید" خبردار! جو شخص آلِ محمد کے بغض پر مرا وہ کافر مرا۔ کان کھول کر سن لو! جو شخص آلِ محمد کے بغض پر مرا وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا" (صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وسلم)

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں :۔

"میں کہتا ہوں، آلِ محمد (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) وہ حضرات ہیں جن کی نسبت حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے جن کا تعلق آپ سے کامل ترین ہو گا وہی آل ہیں، اس میں شک نہیں کہ حضرتِ فاطمہ، حضرتِ علی اور حضراتِ حسنین کریمین کا تعلق آپ سے نہایت قوی تھا اور یہ نقل متواتر سے معلوم کی طرح ہے لہٰذا ضروری ہے کہ وہی آل ہوں نیز لوگوں کا آل میں اختلاف ہے بعض نے کہا وہ قریبی رشتہ دار ہیں اور بعض نے کہا کہ وہ آپ کی امت ہے اگر ہم آل کو قریبی رشتہ داروں پر محمول کریں تو وہی آل ہیں اور اگر اس امت پر محمول کریں جس نے آپ کی دعوت قبول کی ہے تو بھی وہ آل

میں داخل ہیں، ثابت ہوا کہ وہ ہر صورت پر آل ہیں اور دوسروں کا آل میں داخل ہونا اختلافی ہے۔

صاحبِ کشاف روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت (قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا) نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا آپ کے وہ رشتہ دار کونسے ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہے؟ فرمایا علی، فاطمہ اور ان کے دو صاحبزادے (رضی اللہ تعالےٰ عنہم) ثابت ہوا کہ یہ چاروں نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار ہیں اور جب یہ ثابت ہوگیا تو واجب ہوا کہ وہ مزید تعظیم کے ساتھ مخصوص ہوں، اس پر چند وجوہ دلالت کرتی ہیں :-

۱- اللہ تعالےٰ کا ارشاد اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی،

۲- اس میں شک نہیں کہ نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم حضرتِ فاطمہ سے محبت رکھتے تھے، اور فرمایا :

" فاطمہ میری لختِ جگر ہے، جو چیز اسے اذیت دیتی ہے، مجھے اذیت دیتی ہے۔"

اور نقلِ متواتر سے ثابت ہے کہ آپ حضرتِ علی اور حضراتِ حسنین کریمین سے محبت رکھتے تھے اور جب یہ ثابت ہے تو تمام امت پر ان کی محبت واجب ہے، اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے : (ترجمہ آیاتِ کریمہ)

۱- میری پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پا جاؤ،

۲- ان لوگوں کو ڈرنا چاہیے جو آپ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں،

۳- تم فرما دو اگر تم اللہ تعالےٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو،

۴- تمہارے لئے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بہترین رہنمائی ہے،

(۳) آلِ پاک کے لئے دعا عظیم منصب ہے اسی لئے اس دعا کو نماز میں التحیات کا خاتمہ بنایا گیا اور وہ یہ ہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ، یہ تعظیم آلِ اطہار کے ماسوا میں نہیں پائی جاتی۔

ان تمام امور سے ثابت ہوتا ہے کہ اہلِ بیت کی محبت واجب ہے۔

فتوحاتِ مکیہ کے ۲۹ ویں باب کی عبارت کا ایک حصہ مقصدِ اول میں نقل ہو چکا ہے اس کے بعد سلطان العارفین، امام الصوفیہ، شیخ اکبر سیدی محی الدین ابنِ عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :-

" جب تجھے بارگاہِ الٰہی میں اہلِ بیت کا مقام معلوم ہو چکا اور یہ بات واضح ہو گئی کہ کسی مسلمان کو ان سے صادر ہونیوالے کسی فعل پر مذمت نہیں کرنی چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پاک فرما دیا ہے، اب یہ بھی جان لینا چاہئے کہ جو شخص ان کی مذمت کرتا ہے وہ مذمت اسی کی طرف لوٹتی ہے اور اگر وہ اس پر ظلم کریں تو وہ اس کے گمان میں ظلم ہے، درحقیقت ظلم نہیں ہے، اگر ظاہرِ شریعت ان پر حق کی ادائیگی کا حکم کرے، ان کا ہم پر زیادتی کرنا ایسا ہی ہے جیسے تقادیرِ الٰہیہ ہم پر جاری ہوتی ہیں، تقدیرِ الٰہی کے مطابق جس شخص کا جان و مال ڈوبنے، جل جانے یا ایسے ہی دیگر مہلک امور کا شکار ہو جائے یا اس کا کوئی عزیز جل جائے یا ہلاک ہو جائے یا اسے کوئی تکلیف پہنچے تو یہ تمام صورتیں اس کے دلی مقصد کے مطابق نہیں ہیں لیکن اسے یہ جائز نہیں کہ وہ قضا و قدر کی برائی کرے، اسے چاہئے کہ ایسے مواقع پر تسلیم و رضا کا مظاہرہ کرے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو صبر کرے اور سب سے بلند مقام یہ ہے کہ شکر کرے کیونکہ اس میں مصیبت زدہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت نعمتیں ہیں۔ ان مذکورہ صورتوں

کے ماسوا میں کوئی بہتری نہیں ہے کیونکہ ان صورتوں کے ماسوا میں تنگدلی، ناپسندیدگی، ناراضگی اور بارگاہِ الٰہی میں بے ادبی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اسی طرح اہلِ بیت کرام کی طرف سے جس مسلمان کے جان و مال، عزت، اہل و عیال اور احباب پر کوئی زیادتی ہوئی ہو اسے رضا، تسلیم اور صبر سے کام لینا چاہیے، ہرگز ان کی برائی نہ کرے اگرچہ شریعت کے مقرر کردہ احکام ان پر لاگو ہوں گے لیکن اس سے ان کی مذمت کی ممانعت میں فرق نہیں آتا، یوں سمجھنا چاہیے کہ تقدیرِ الٰہی اسی طرح تھی، ہم نے ان کی مذمت کی ممانعت اس لئے کی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انہیں ایسی فضیلت سے ممتاز کیا ہے جس میں ہم ان کے ساتھ شریک نہیں ہیں۔

جہاں تک احکامِ شرعیہ کا تعلق ہے تو نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم یہودیوں سے قرض لیتے تھے اور جب وہ اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے تو بہترین انداز میں ادا فرماتے اور جب ایک یہودی نے آپ کے ساتھ سخت کلامی کی تو فرمایا اسے چھوڑ دو! صاحب حق ایسی باتیں کیا ہی کرتا ہے۔ ایک موقع پر نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر فاطمہ بنتِ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہا وسلم) بھی چوری کریں تو ان کا ہاتھ بھی کاٹ دیا جائیگا، اللہ تعالےٰ نے انہیں ایسے کاموں سے محفوظ رکھا۔

اللہ تعالیٰ مالک و مختار ہے جس طرح اور جس حال پر چاہتا ہے، احکام صادر فرماتا ہے، یہ اللہ تعالےٰ کے احکام ہیں، اس کے باوجود اللہ تعالےٰ نے ان کی مذمت نہیں فرمائی، اس وقت گفتگو ہمارے حقوق میں ہے، ہماری کیا حیثیت ہے کہ ہم ان سے مطالبہ کریں حالانکہ ہمیں اختیار ہے، چاہیں تو لے لیں اور چاہیں تو چھوڑ دیں، افضل تو یہ ہے کہ

ہم عام آدمی سے بھی حق طلبی نہ کریں، اس بنا پر کوئی ہماری مذمت نہیں کر سکتا، اہلِ بیتِ کرام کے ساتھ ہمارا معاملہ کیا ہونا چاہیئے۔

اہلِ بیتِ کرام نے اگر ہمارا کوئی حق لے لیا اور ہم اپنے حق سے دست بردار ہو گئے اور انہیں معاف کر دیا تو ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کے دربار میں بڑی نعمت اور قرب کا مقام ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احکامِ خداوندی ہم تک پہنچانے پر ہم سے سوائے اپنے رشتے داروں کی محبت کے اور کچھ طلب نہیں کیا، اور اس میں صلہ رحمی کا راز ہے، نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو کچھ مطالبہ فرمایا ہے قدرت کے باوجود جو شخص اسے پورا نہیں کرتا، قیامت کے دن بارگاہِ رسالت میں کیا منہ لے کر جائے گا اور کیونکر آپ کی شفاعت کی امید رکھے گا حالانکہ نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو رشتے داروں کی محبت کا حکم دیا تھا اسے پورا نہیں کیا (یہ تو عام رشتے داروں کی بات ہے) اہلِ بیت کا کیا مقام ہو گا جو آپ کے قریب ترین رشتہ دار ہیں۔

قرآنِ پاک میں مودت کا لفظ آیا ہے جس کا معنٰی ہے، محبت پر ثابت قدم رہنا، جسے کسی چیز کی مودت ہوا سے ہر حال میں محبوب رکھتا ہے اور جب ہر حال میں مودت و محبت حاصل ہو تو اگر اہلِ بیت نے اس کا حق لے لیا ہے تو مطالبے کا حق رکھنے کے باوجود ازراہِ محبت ان سے باز پرس نہیں کرے گا اور انہیں اپنے اوپر ترجیح دے گا اپنے آپ کو ان پر ترجیح نہیں دے گا، محبِ صادق نے کہا محبوب کا ہر فعل محبوب ہے، ایک اور شخص نے کہا:

میں محبوب کی وجہ سے کالے رنگ والوں سے بھی محبت رکھتا ہوں

اس کی وجہ سے میں سیاہ کتوں سے بھی محبت رکھتا ہوں۔

ہم نے یہی مفہوم اس طرح ادا کیا ہے:

میں تیری محبت کے سبب تمام حبشیوں کو محبوب رکھتا ہوں اور

تیرے نام ہی کے سبب میں چودھویں کے چاند سے محبت رکھتا ہوں۔

کہتے ہیں کہ مجنوں (قیس عامری) کے ساتھ سیاہ کتے بود و باش اختیار کرتے تھے اور وہ ان سے محبت رکھتا تھا کیونکہ لیلی بھی سیاہ فام تھی م جس محبوبہ کی محبت وجہِ سعادت اور قربِ خداوندی کا ذریعہ نہیں تھی اس کے محب کا یہ حال ہے، اس کے بارے میں سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ محبت میں سچا تھا اور محبت اس کے رگ و پے میں رچ بس گئی تھی۔

اگر تجھے اللہ تعالے اور اس کے رسولِ مکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی سچی محبت حاصل ہے تو تو رسولِ اکرم صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کے اہلِ بیت سے محبت رکھے گا اور تیری طبیعت اور خواہش کے خلاف جو امر اُن سے تیرے حق میں سرزد ہوگا اسے تو ان کی ادائے دلبری سمجھے گا اور چونکہ ان سے تیری محبت خدا کے لئے ہو گی اس لئے تو اس بات کو اللہ تعالے کی عنایت سمجھے گا کہ اس کے محبوبوں اہلِ بیتِ کرام سے تیرا تصور کیا اور تیرا ذکر کیا اور اس نعمت پر اللہ تعالے کا شکر ادا کرے گا کہ انہوں نے تجھے اللہ تعالے کی پاک کی ہوئی زبانوں سے یاد کیا جن کی پاکیزگی تک تیرا علم نہیں پہنچ سکتا۔

تو نبی اکرم صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کی طرف محتاج ہے اور آپکا تجھ پر احسان ہے کہ اللہ تعالے نے تجھے آپ کے ذریعے ہدایت عطا فرمائی

جب ہم تمہیں حضورِ انور صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے اہلِ بیت کا بے ادب پائیں تو ہمیں تمہاری اس بات کا کس طرح اعتبار ہو سکتا ہے کہ تمہیں ہم سے شدید محبت ہے اور تم ہمارے حقوق کی بڑی رعایت کرتے ہو، تمہارا اپنے نبی صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے اہلِ بیتؑ کا گستاخ ہونا اس بنا پر ہے کہ تمہارا ایمان کمزور ہے، تیرے لئے اللہ تعالٰے کی خفیہ تدبیر ہے اور وہ تجھے آہستہ آہستہ اس طور پر جہنم کی طرف دھکیلتا ہے کہ تجھے خبر نہیں۔

خفیہ تدبیر کا طریقہ یہ ہے کہ تو کہتا ہے اور اعتقاد رکھتا ہے کہ تو اللہ تعالٰے کے دین و شریعت کی حفاظت کرتا ہے اور تو کہتا ہے کہ میں اپنا وہ حق طلب کرتا ہوں جو اللہ تعالٰے نے میرے لئے جائز فرمایا ہے اور اس جائز طلب کے ضمن میں مذمت، بغض، عداوت اور اپنے آپ کو اہلِ بیت پر ترجیح دینا پایا جاتا ہے حالانکہ تجھے اس خفیہ تدبیر کا پتا نہیں ہے۔

اس مہلک مرض کا شافی علاج یہ ہے کہ تو ان کے مقابل اپنا کوئی حق نہ جان اور اپنے حق سے دست بردار ہو جا، کہ مطلبے کے ضمن میں مذکورہ چیزیں نہ آجائیں تو مسلمانوں کا حاکم نہیں ہے کہ تجھ پر حد کا قائم کرنا مظلوم کا انصاف اور حق کا صاحبِ حق کے سپرد کرنا لازم ہو اور اگر تو حاکم ہے اور محکوم علیہ اہلِ بیت میں سے ہے تو کوشش کر کہ صاحبِ حق اپنا حق چھوڑ دے، اگر وہ نہ ملنے تو تجھ پر لازم ہے کہ ان کے بارے میں شریعت کا حکم جاری کر! اے دوست! اگر اللہ تعالٰے تجھ پر منکشف فرما دے کہ قیامت کے دن بارگاہِ الٰہی میں اہلِ بیت کا کیا مقام ہوگا تو تو آرزو کرے گا کہ ان کے غلاموں کا غلام بن جائے، اللہ تعالٰے ہمیں رشد و ہدایت الہام فرمائے۔

پھر چند سطروں کے بعد فرمایا:-

اقطاب کے اسرار میں سے یہ ہے کہ وہ اہلِ بیت کے مقام اور اللہ تعالیٰ کی بیان فرمودہ ان کی بلندیٔ درجات کو جانتے ہیں، ان کے اسرار میں سے اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر کا جاننا ہے جو اس نے اپنے ان بندوں سے فرمائی جو اہلِ بیت سے عداوت رکھتے ہیں حالانکہ ان کا دعویٰ ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت ہے اور آپ کا فرمان ہے کہ میرے رشتہ داروں سے محبت رکھو، خود نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اہلِ بیت میں سے ہیں، اہلِ بیت کے بارے میں نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے جس حکم پر عمل کرنے کا مطالبہ فرمایا تھا، اکثر لوگوں نے اسے پورا نہیں کیا اور خدا اور رسول کی نافرمانی کی، ہاں انہیں صرف ان حضرات اہلِ بیت سے محبت ہے جنہوں نے ان پر احسان کیا، یہ اپنی اغراض سے محبت ہوئی اور اپنے آپ سے عشق ہوا (نہ کہ اہلِ بیتِ کرام سے)"

(شیخِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عبارت ختم ہوئی، اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے علوم و برکات سے نفع عطا فرمائے)

اہلِ محبت کی آپس میں ایک دوسرے سے محبت اسی طرح واجب ہے جس طرح دوسروں پر ان کی محبت واجب ہے بلکہ یہ زیادہ ضروری ہے کیونکہ اس میں صلہ رحمی بھی ہے۔

اب ہم دوبارہ آیت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

بعض حضرات نے کہا قُربیٰ سے مراد حضرتِ عبد المطلب کی اولاد ہے، علامہ قسطلانی نے مواہبِ لدنیہ میں یہی قول اختیار کیا اور فرمایا قُربیٰ سے مراد وہ حضرات ہیں جو حضورِ انور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے جدِ اقرب حضرتِ عبد المطلب کی طرف منسوب ہیں۔

علامہ ابنِ حجر مکی نے صواعقِ محرقہ میں فرمایا، اہلِ بیت، آلِ پاک اور ذوی القربیٰ سے مراد ہر اس آیت وحدیث میں جو ان کی فضیلت میں وارد ہے، بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کے مومن ہیں۔

علامہ صبّان نے اسعاف الراغبین میں اسی کو ترجیح دی، انہوں نے عترتِ طاہرہ کا اضافہ کیا اور فرمایا ان چار لفظوں کا ایک ہی مطلب ہے جیسے کہ مواہب میں ہے۔ ابنِ عطیہ نے کہا میرے نزدیک تمام قریش قربیٰ ہیں اگرچہ وہ مرتبے میں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں۔

امامِ مقریزی نے فرمایا :۔

"مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں تمام ایمان لانے والوں سے خطاب ہے، کیونکہ تمام عرب نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی قوم ہیں جن سے آپ ہیں، لہٰذا ان کے ماسوا عجمیوں پر لازم ہے کہ ان سے دوستی اور محبت رکھیں، متعدد احادیث میں عرب کی محبت کا حکم آیا ہے تمام عربوں سے قریش نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے زیادہ قریب ہیں لہٰذا ہر عربی پر لازم ہے کہ قریش کی تعظیم کرے اور ان سے محبت رکھے اس لئے کہ وہ نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی قوم ہیں، قریش کی فضیلت اور انہیں مقدم جاننے کے بارے میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں، بنی ہاشم

نبی اکرم صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کا قبیلہ ہیں اس لئے ان کے ماسوا قریش پر ان کی محبت والفت پر لازم ہے، حضرت علی، حضرتِ فاطمہ، حضراتِ حسنین کریمین اور ان کی اولاد نبی اکرم صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کے بہت ہی قریب ہیں اس لئے بنی ہاشم پر ان کی محبت وتکریم واجب ہے، ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہے:

ان کا یہ فرمانا کہ بنی ہاشم پر پنجتن پاک کی محبت واجب ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ قریش اور عرب وعجم سب پر واجب ہے، اسی طرح پہلی صورتوں میں،

ان کا یہ فرمانا کہ عرب کی محبت میں متعدد حدیثیں وارد ہیں، پھر یہ ارشاد کہ دوسروں پر قریش کی تفضیل وتقدیم میں کئی حدیثیں وارد ہیں اس کی کسی قدر تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

قریش کی فضیلت میں نبی اکرم صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کے چند ارشادات یہ ہیں:۔

۱۔ تمام لوگ خیر وشر میں قریش کے تابع ہیں،

۲۔ جو شخص قریش کی بے عزتی کا ارادہ کرے گا اللہ تعالےٰ اسے بے عزت کریگا،

۳۔ اللہ تعالےٰ نے قریش کو ایسی سات صفات میں فضیلت دی جو نہ ان سے پہلے کسی کو دیں نہ بعد میں،

(۱) قریش کو یہ فضیلت دی کہ میں ان میں سے ہوں۔

(۲) (آخری) نبوت ان میں ہے،

(۳) بیت اللہ شریف کی دربانی ان میں ہے،

(۴) حاجیوں کو پانی پلانا ان میں ہے،

(۵) اللہ تعالےٰ نے ہاتھیوں کے مقابل ان کی امداد فرمائی،

(۶) انہوں نے دس سال اللہ تعالےٰ کی عبادت کی۔ اس وقت ان کے سوا کوئی عبادت کرنے والا نہ تھا۔

(۷) ان کے حق میں سورہ قریش نازل فرمائی جس میں ان کے سوا کسی کا ذکر نہیں ہے۔

۴ - لوگ قریش کے تابع ہیں، مسلمان ان کے مسلمانوں کے اور کافر ان کے کافروں کے، لوگ خیر و شر کی کانیں ہیں، جو ان میں سے جاہلیت میں بہتر تھے وہ اسلام میں بھی بہتر ہیں بشرطیکہ دین کی واقفیت حاصل کر لیں،

۵ - اے لوگو! قریش کی مذمت نہ کرو، ہلاک ہو جاؤ گے، ان سے پیچھے نہ رہو گمراہ ہو جاؤ گے، انہیں سکھاؤ نہیں، ان سے علم حاصل کرو کیونکہ وہ تم سے زیادہ عالم ہیں، اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ قریش فخر میں مبتلا ہو جائیں گے تو میں انہیں بتا دیتا کہ بارگاہِ الٰہی میں ان کا کیا مقام ہے!

۶ - قریش سے محبت رکھو کیونکہ جو ان سے محبت رکھے گا اللہ تعالےٰ ان سے محبت رکھے گا۔

۷ - قریش کی محبت ایمان اور ان کا بغض، کفر ہے،

۸ - قریش کو آگے بڑھاؤ، ان سے آگے نہ بڑھو، اگر قریش کے فخر میں مبتلا ہونے کا خوف نہ ہوتا تو میں انہیں بتا دیتا کہ دربارِ خداوندی میں ان کا کیا مقام ہے۔

۹ - قریش لوگوں کی بہتری ہیں جس طرح کھانا نمک ہی سے درست ہو سکتا ہے، دوسرے لوگ قریش ہی کے ذریعے درست ہو سکتے ہیں۔ قریش اللہ تعالےٰ کے برگزیدہ ہیں، جو شخص ان کے لئے جنگ تیار کرے گا اس سے بھلائی چھین لی جائے گی اور جو انہیں نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے گا، دنیا و آخرت میں رسوا کیا جائے گا۔

۱۰- قریش کو گالی نہ دو کیونکہ ان کا ایک عالم تمام روئے زمین کو علم سے بھر دے گا۔

امامِ احمد وغیرہ نے کہا یہ عالم امام شافعی رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں کیونکہ قریش میں ان کے برابر کسی کا علم آفاقِ عالم میں نہیں پھیلا، امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے حضرتِ صالح نے امامِ شافعی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مناقب میں بیان کیا:

" ایک دن امام شافعی میرے والد کی عیادت کے لئے تشریف لائے وہ بیمار تھے، فوراً کھڑے ہو گئے اور امام کی آنکھوں کے درمیان پیشانی پر بوسہ دیا، پھر انہیں اپنی جگہ بٹھایا اور خود ان کے سامنے بیٹھ گئے اور لحہ بہ لحہ ان سے مسائل پوچھتے رہے۔ جب امامِ شافعی اٹھے اور سوار ہوئے تو میرے والد نے ان کی رکاب تھام لی اور ان کے ساتھ چلے، یہ بات یحییٰ بن معین کو پہنچی تو انہوں نے کہا سبحان اللہ! آپ نے اس طرح کیوں کیا؟ تو انہوں نے فرمایا اے ابو زکریا (یحییٰ بن معین کی کنیت) اگر ایک طرف میں چلتا اور دوسری طرف تم چلتے تو تم فائدہ حاصل کرتے اور امامِ شافعی کی خچر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا جو شخص فقہ حاصل کرنا چاہتا ہے اسے اس خچر کی دم سونگھنی چاہئے (یعنی پیچھے پیچھے چلنا چاہئے) رضی اللہ تعالےٰ عنہ وعن سائر الائمہ۔

عرب کی محبت اور فضیلت میں وارد نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے چند ارشادات یہ ہیں :-

۱- عرب کی محبت ایمان ہے اور ان کا بغض کفر ہے جس نے عرب سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔

۲- تین وجوہ کی بنا پر عرب سے محبت رکھو کیونکہ :

(۱) میں عربی ہوں،

(۲) قرآنِ مجید عربی ہے،

(۳) اہلِ جنت کا کلام عربی ہے،

امام مناوی نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا :-

" ان الفاظ میں عرب کی محبت پر برانگیختہ کیا گیا ہے اور اس حیثیت کا اعتبار کیا گیا ہے کہ وہ عرب ہیں، کبھی ان میں بعض اوصاف زائد پائے جاتے ہیں جو زیادہ محبت کا تقاضا کرتے ہیں مثلاً ان میں ایمان اور ایمان کے لحاظ سے مختلف مراتب پائے جاتے ہیں، بعض اوقات ان میں ایسے اوصاف پائے جاتے ہیں جن کی بنا پر ان سے بہت زیادہ بغض ہونا چاہیے مثلاً کفر اور نفاق، اللہ تعالیٰ ان کے ایک گروہ کے بارے میں فرماتا ہے " اعراب سخت کافر ہیں" جب بندے کو اس بنا پر ان کی محبت کی توفیق دی جائے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان سے ہیں، قرآنِ پاک ان کی لغت میں نازل ہوا اور اللہ تعالیٰ کا کلام ان کی زبان میں ہے کیونکہ اس زبان میں مٹھاس، فصاحت اور استقامت پائی جاتی ہے تو یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کا ذریعہ ہوگا اور جب کسی بندے کو رسوا کر دیا جائے اور وہ مذکورہ پہلوؤں کے اعتبار سے ان سے بغض رکھے تو اس سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بغض لازم آئے گا اور وہ کفر ہے، ہاں ان کے کفر یا نفاق کی بنا پر ان سے بغض رکھنا واجب ہے۔

اس سے ظاہر ہو گیا کہ کبھی محبت واجب ہے اور کبھی بغض، اور مذکورہ بالا حیثیت کے اعتبار سے محبت باقی رہ جاتی ہے۔

انبیاءِ کرام میں سے چھ حضرات، حضرتِ نوح، حضرتِ ہود، حضرتِ اسمٰعیل، حضرتِ صالح، حضرتِ شعیب اور حضرتِ محمدِ مصطفےٰ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وعلیہم وسلم عربی تھے اور باقی غیر عرب تھے۔

۳- جس نے عرب سے محبت کی وہ میرا سچا دوست ہے۔

عزیزی نے فرمایا :-

کیونکہ انہوں نے اپنی جانیں راہِ خداوندی میں قربان کر دیں حتّٰی کہ انہوں نے اسلام کو غالب کر دیا اور کفر کی تاریکی دور کر دی۔"

علامہ مناوی فرماتے ہیں :-

" محبت کی سچائی کی علامت یہ ہے کہ ہر اس چیز سے محبت رکھی جائے جو محبوب کی طرف منسوب ہے، کیونکہ جو شخص کسی انسان سے محبت رکھتا ہے اس کے محلے کے کتے کو بھی اچھا جانتا ہے، پس جب محبت قوی ہوتی ہے تو محبوب کے ارد گرد کی چیزوں اور اس کے اسباب تک پہنچ جاتی ہے، یہ اللہ تعالےٰ کی محبت میں شرک نہیں ہے کیونکہ جو شخص محبوب کے قاصد کو اس لئے محبوب رکھتا ہے کہ وہ محبوب کا قاصد ہے اسکے کلام سے اس لئے محبت کرتا ہے کہ وہ محبوب کا کلام ہے اور محبوب سے نسبت رکھنے والوں سے اس لئے محبت رکھتا ہے کہ یہ اس کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ شخص کسی دوسرے سے محبت رکھتا ہے بلکہ یہ تو کمال محبت کی دلیل ہے۔

۴- جنہوں نے عرب کو گالی دی وہی مشرک ہیں۔

۵- جس نے عرب سے دھوکہ کیا وہ میری شفاعت میں داخل نہیں ہوگا اور میری محبت نہیں پائے گا۔

۶- امام ترمذی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ

صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

" اے سلمان ! مجھ سے بغض نہ رکھ، اپنے دین سے جدا ہو جائے گا
میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میں آپ سے کس طرح بغض رکھ سکتا ہوں؟
حالانکہ آپ کے طفیل مجھے اللہ تعالےٰ نے ہدایت دی ہے، فرمایا تو عرب
سے بغض رکھے گا تو مجھ سے بغض رکھے گا "

۷۔ حضرتِ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا: عرب سے وہی بغض رکھے گا جو منافق ہو گا۔

۸۔ قیامت کے دن لوا الحمد میرے ہاتھ میں ہو گا اور اس دن عرب، تمام مخلوق کی نسبت مجھ سے زیادہ قریب ہوں گے۔

۹۔ جب عرب کی عزت جاتی رہے گی تو اسلام کی عزت جاتی رہے گی۔

امامِ مناوی نے فرمایا :۔

" اس سے یا تو اہلِ اسلام مراد ہیں یا خود اسلام مراد ہے کیونکہ عرب کی کمزوری کا اثر یہ ہو گا کہ دین کمزور ہو جائے گا اس لئے کہ اصل اسلام انہی سے پیدا ہوا انہی کی بدولت غالب اور عام ہوا، جب عرب کمزور ہو جائیں گے تو دین میں اس کا اثر ظاہر ہو جائے گا، اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اسلام کا نظم ونسق بہتر ہوتا ہے، جود وکرم، نرمی، محبت اور ہمدردی سے اور بخل، تنگی، عجلت، حسد اور حرص سے اجتناب پر، عرب نرم مزاج، کریم الطبع اور عمدہ اخلاق کے مالک ہیں، اس حقیقت کا انکار معاند اور سرکش کے سوا کوئی نہیں کرے گا۔ جب وہ عزت میں ہوں گے تو اسلام عزت میں ہو گا اور جب وہ کمزور ہوئے تو اسلام کمزور ہو جائے گا۔

عرب کی فضیلت صرف عربی زبان کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ان کی فضیلت کا راز مذکورہ بالا صفات میں مضمر ہے، اِذَا ذَلَّتْ الْعَرَبُ عرب ذلیل ہو جائیں گے، کا مطلب یہ ہے کہ جب ان کا معاملہ کمزور ہو جائیگا ان کی قدر و منزلت کم ہو جائے گی، ان پر ظلم کیا جائے گا، انہیں حقیر اور بے وقعت جانا جائے گا اور ان پر دوسروں کو فضیلت دیجائیگی۔

۱۰- نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

حُبُّ الْعَرَبِ اِیْمَانٌ وَ بُغْضُهُمْ نِفَاقٌ

"عرب کی محبت ایمان ہے اور ان کا بغض منافقت"

اس کی شرح میں امام مناوی نے فرمایا :-

"جب کوئی انسان عرب سے محبت رکھتا ہے تو یہ اس کے ایمان کی علامت ہے اور جب ان سے بغض رکھتا ہے تو یہ اس کے نفاق کی علامت ہے کیونکہ یہ دین انہی میں سے پیدا ہوا اور اس دین کا قیام انہی کی تلواروں اور ہمتوں سے تھا، ظاہر ہے کہ جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ اسی بنا پر بغض رکھتا ہے اور یہ کفر ہے۔ میں نے ابو منصور ثعالبی کی کتاب 'سرالادب فی مجاری کلام العرب' دیکھی، انہوں نے اس کے خطبہ میں ایسا کلام ذکر کیا جو ہمارے مقصد کے مناسب ہے، انہوں نے بسم اللہ شریف اور حمد کے بعد فرمایا :

جو شخص اللہ تعالےٰ سے محبت رکھتا ہے وہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے محبت رکھے گا اور جو رسول اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے وہ عرب سے محبت رکھے گا اور جو عرب سے محبت رکھتا ہے وہ عربی زبان سے محبت رکھے گا، جس کتاب میں افضل الکتب

(قرآنِ پاک)، افضل العرب والعجم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور جو عربی زبان سے محبت رکھتا ہے وہ اس پر مداومت کرے گا اور اپنی ہمت اسکی طرف صرف کرے گا، جس شخص کو اللہ تعالٰے نے اسلام کی ہدایت عطا فرمائی ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیا ہے اور اسے قوی بصیرت اور عمدہ طبیعت عطا فرمائی ہے، وہ عقیدہ رکھے گا کہ حضرتِ محمدِ مصطفٰے صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم تمام رسولوں سے افضل ہیں۔ دینِ اسلام تمام ادیان سے افضل ہے، عرب تمام امتوں سے افضل ہیں، عربی تمام لغات اور زبانوں سے افضل ہے اور اسے سمجھنے کی طرف متوجہ ہونا دینداری ہے کیونکہ یہ علم کا ذریعہ، دین کی واقفیت کے لئے چراغ اور دنیا وآخرت کی اصلاح کی چابی ہے، پھر یہ زبان فضائل، خصائلِ حمیدہ اور مناقب کے لئے وہی حیثیت رکھتی ہے جو پانی کے لئے چشمے اور آگ کے لئے چقماق کی ہے۔

اگر اس کی خصوصیات کے احاطے، اس کے استعمالات و تصرفات کی واقفیت اور اس کے جلیل الشان فضائل و دقائق سے کامل آگاہی کا صرف یہ فائدہ ہوتا کہ اعجازِ قرآن کا قوی یقین اور بنیادِ ایمان، نبوت کے اثبات میں زیادہ بصیرت حاصل ہو گی تو اس کے آثار و فوائد کے حسن کے لئے یہی کافی تھا، حالانکہ اللہ تعالٰے نے اسے جو مختلف مناقب ومحاسن عطا فرمائے ہیں انہیں لکھنے سے لکھنے والوں کے قلم اور ہاتھ عاجز ہیں۔"

تنبیہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات میں قریش یا عرب یا اہلِ بیت سے بغض رکھنے والے یا انہیں گالی دینے والے یا انہیں دھوکہ دینے والے کو کافر یا منافق قرار دیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ بغض و عداوت اس لئے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ان میں سے ہیں اور عرب آپ کا خاندان اور قبیلہ ہیں اور آپ کے اہلِ بیت ہیں، اگر بغض و عداوت کسی اور وجہ سے ہو اسے آپ کے خاندان اور قبیلہ ہونے اور آپ کے اہلِ بیت ہونے سے تعلق نہ ہو تو بعض اوقات اس کا حکم مختلف ہوتا ہے، جیسے شروحِ حدیث وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے بلکہ یہ ایسا امر ہے جو دین کے قواعد سے معلوم ہے۔

نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالےٰ نے حضرتِ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے کنانہ کو اور کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو منتخب فرمایا۔

ابنِ تیمیہ کہتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عرب، عجم سے افضل ہیں، قریش تمام عرب سے افضل ہیں، بنی ہاشم قریش سے افضل ہیں اور نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم بنی ہاشم سے افضل ہیں۔ پس آپ کی ذات اور آپ کا نسب تمام انسانوں سے افضل ہے، عرب، قریش اور بنی ہاشم کی فضیلت محض اس لئے نہیں کہ نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ان میں سے ہیں، اگرچہ یہ ان کی بڑی فضیلت ہے بلکہ انہیں اپنی ذات کے اعتبار سے بھی فضیلت حاصل ہے اسی لئے نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ذات اور نسب کے لحاظ سے تمام سے افضل ہیں ورنہ دَور لازم آئے گا۔

میں کہتا ہوں جب تم نے یہ جان لیا تو اب تمہیں جان لینا چاہیے کہ عرب کی فضیلت، ان کی محبت پر ابھارنے اور ان سے نفرت کرنے یا گالی اور دھوکے

وغیرہ سے انہیں اذیت دینے سے پرہیز کرنے کے بارے میں جو ارشادات وارد ہیں، وہ قریش کو بھی شامل ہیں کیونکہ وہ عرب کا خلاصہ ہیں، یہ تمام فضائل اور خاص قریش کے فضائل بنی ہاشم کو حاصل ہیں کیونکہ وہ قریش کا خلاصہ ہیں اور جو فضائل عرب، قریش اور بنی ہاشم کے حق میں وارد ہیں وہ اہلِ بیت کو شامل ہیں، خواہ ہم یہ کہیں کہ اہل بیت بنو عبد المطلب ہیں یا یہ کہیں کہ خاص طور پر حضرتِ علی، حضرتِ فاطمہ اور حضراتِ حسنین کریمین ہیں کیونکہ وہ منتخب سے منتخب خلاصہ، خلاصہ اور بہتر سے بہتر ہیں، اس کا عکس نہیں ہے کیونکہ اہلِ بیتِ کرام کے ایسے خصوصی فضائل ہیں جو بنی ہاشم میں نہیں پائے جاتے اور خاص بنی ہاشم کے ایسے مناقب ہیں جو قریش میں نہیں ہیں اور قریش کے ایسے خصوصی فضائل ہیں جو باقی عرب میں نہیں پائے جاتے۔

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی

کے بارے میں کچھ اور اقوال بھی ہیں۔

امامِ طبری نے فرمایا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اے قریش! میں تم سے تبلیغ دین پر کوئی اجر نہیں طلب کرتا البتہ یہ کہتا ہوں کہ چونکہ تم سے میری رشتے داری ہے اس لئے مجھ سے محبت رکھو اور میرے ساتھ جو تمہاری نسبت ہے اس کی بنا پر صلہ رحمی کرو۔

حضرتِ ابنِ عباس، ابن اسحاق اور قتادہ فرماتے ہیں کہ قریش کی ہر شاخ سے نبیِ اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو نسبی یا ازدواجی تعلق تھا، اس بنا پر آیت کا معنےٰ یہ ہوگا کہ یہ قریش کی اذیت رسانی کو دور کرنے اور ان سے سلامتی طلب کرنے کے لئے تالیفِ قلب تھی۔

اس سے پہلے جو روایات نقل ہو چکی ہیں، ان سے معلوم ہو چکا ہے کہ

واضح یہ ہے کہ یہ آیت نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کے بارے میں وارد ہے۔ حضرتِ علی، حضرتِ فاطمہ، حضراتِ حسنین کریمین اور قیامت تک پیدا ہونے والی ان کی اولاد بہر حال اس آیت میں داخل ہے، خواہ ہم یہ کہیں کہ یہ آیت خاص ان کے حق میں ہے یا بنی عبد المطلب کے ایمانداروں یا بنی ہاشم کے مومنوں کے بارے میں وارد ہے۔

فصل

ابن ابی حاتم حضرتِ ابنِ عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے اس آیت کی تفسیر نقل کرتے ہیں :-

مَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً

"جو شخص نیکی کرتا ہے"

انہوں نے فرمایا اس سے مراد نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی آلِ پاک کی محبت ہے۔

انہی سے روایت ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :

" اللہ تعالےٰ سے محبت رکھو کہ وہ تمہیں روزی عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالےٰ کی محبت کے سبب مجھ سے اور میری محبت کے سبب میرے اہلِ بیت سے محبت رکھو"

حضرتِ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں :-

" اہلِ بیت کی ایک دن کی محبت ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے"

حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں نبیِ اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا :-

" تم میں سے بہتر وہ ہے جو میرے بعد میرے اہل سے اچھا ہوگا"

امامِ طبرانی وغیرہ راوی ہیں کہ نبیِ اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا :-

" کوئی بندہ (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک مجھے اپنی جان سے ،

میری اولاد کو اپنی اولاد سے، میرے اہل کو اپنے اہل سے، میری ذات کو اپنی ذات سے زیادہ محبوب نہ جانے۔"

حضور سید الانبیاء صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :-

"میرے اہلِ بیت اور میری امت سے ان کے محب حوض پر (انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) ان دو انگلیوں کی طرح ایک ساتھ وارد ہوں گے۔"

محبوبِ خدا صلے اللہ تعالے علیہ وسلم سے مروی ہے، آپ نے فرمایا :-

"ہم اہل بیت کی محبت لازم پکڑو کیونکہ ہماری محبت والا جو شخص اللہ تعالے سے ملے گا، ہماری شفاعت سے جنت میں جائے گا، اس ذاتِ اقدس کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے' ہمارا حق پہچانے بغیر کسی بندے کا عمل اسے فائدہ نہ دے گا۔"

امام دیلمی راوی ہیں کہ حضور شفیع المذنبین صلے اللہ تعالے علیہ وسلم نے فرمایا :-

"جو شخص وسیلہ چاہتا ہے اور اس کی خواہش ہے کہ میری بارگاہ میں اس کی کوئی خدمت ہو جس کی بدولت میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں تو اسے میرے اہلِ بیت کی خدمت کرنی چاہیے اور انہیں خوش کرنا چاہیے۔"

حضرتِ علی مرتضٰے رضی اللہ تعالے عنہ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالے علیہ وسلم نے خبر دی :-

سب سے پہلے میں، فاطمہ اور حسن و حسین جنت میں داخل ہوں گے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے محبین کا کیا حال ہو گا؟ فرمایا وہ ہمارے پیچھے ہوں گے۔

امامِ احمد روایت کرتے ہیں :-

" نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے حسنین کریمین کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا جس نے مجھ سے ان دو سے اور ان کے والدین سے محبت رکھی وہ قیامت کے دن میرے ساتھ میرے درجہ میں ہوگا "

میرے درجہ میں ہوگا، اس سے مراد یہ ہے کہ وہ (بصورتِ خادم) اس درجے میں دکھائی دے گا، یہ مطلب نہیں کہ اس کا مقام بھی وہی ہوگا۔

امامِ طبرانی مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا :-

" جس شخص نے حضرتِ عبدالمطلب کی اولاد پر کوئی احسان کیا اور اس نے اس کا بدلہ نہیں دیا، کل قیامت کے دن جب وہ مجھ سے ملے گا تو میں اسے بدلہ دوں گا "

حضرتِ شافعِ محشر صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا :-

" قیامت کے دن میں چار قسم کے لوگوں کی شفاعت کروں گا :-

(۱) میری اولاد کی عزت کرنے والا

(۲) ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے والا

(۳) وہ شخص جو ان کے امور کے لئے کوشش کرے، جب انہیں اس کی ضرورت پیش آئے۔

(۴) دل اور زبان سے ان کی محبت کرنے والا۔

ابنِ نجار اپنی تاریخ میں حضرتِ حسن بن علی رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :

" ہر شے کی ایک بنیاد ہوتی ہے اور اسلام کی بنیاد صحابہ اور اہلِ بیت کی محبت ہے "

امام طبرانی حضرتِ ابنِ عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

"کسی آدمی کے قدم چلنے سے عاجز نہیں ہوتے (یعنی موت کے وقت) یہاں تک کہ اس سے چار چیزوں کے بارے میں پوچھا جاتا ہے :

(۱) تو نے اپنی عمر کس کام میں صرف کی ؟

(۲) تو نے اپنے جسم کو کس کام میں استعمال کیا ؟

(۳) تو نے اپنا مال کہاں سے حاصل کیا اور کہاں خرچ کیا ؟

(۴) اور ہم اہلِ بیت کی محبت کے بارے میں پوچھا جاتا ہے۔

امام دیلمی حضرتِ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں :۔

"تم میں سے پل صراط پر بہت زیادہ ثابت قدم وہ ہوگا جسے میرے اہلِ بیت اور میرے اصحاب سے شدید محبت ہوگی"

حدیث صحیح میں ہے کہ حضرتِ عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں شکایت کی کہ قریش ہم سے بے رخی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور ہمارے آنے پر اپنی گفتگو منقطع کر دیتے ہیں، رسولِ اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے حتیٰ کہ رُخِ انور گلگوں ہوگیا اور دونوں مبارک آنکھوں کے درمیان رگ ابھر آئی اور فرمایا :

" ان لوگوں کا کیا حال ہے جو گفتگو میں مصروف ہوتے ہیں، جب میرے اہلِ بیت میں سے کسی کو دیکھتے ہیں تو سلسلۂ گفتگو منقطع کر دیتے ہیں! بخدا ! کسی انسان کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوگا مگر اس وقت کہ انہیں میری رشتہ داری کی بنا پر محبوب رکھے (ایک روایت میں ہے) اس ذاتِ اقدس کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کسی انسان کے دل میں ایمان اس وقت ہی داخل ہوگا جب تمہیں خدا و رسول کے لئے

محبوب رکھے۔"

محبوبِ خدا صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جسے پانچ چیزیں عطا کی گئیں اسے عملِ آخرت کے ترک پر سزا نہیں دی جائے گی:۔

(۱) نیک بیوی

(۲) نیک بیٹے

(۳) لوگوں سے اچھا میل جول

(۴) اپنے شہر میں اچھی طرح رہائش،

(۵) محمد مصطفٰے صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی آلِ پاک سے محبت"

امامِ طبرانی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے راوی ہیں:۔

"نبیِ اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے جو آخری بات کہی وہ یہ تھی کہ میرے اہلِ بیتِ کرام کے ساتھ اچھا معاملہ کرنا"

حضرتِ علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ نے فرمایا:۔

"اپنی اولاد کو تین خصلتیں سکھاؤ، اپنے نبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی محبت، آپ کے اہلِ بیت کی محبت اور قرآنِ مجید پڑھنا"

نبیِ رحمت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"اللہ تعالےٰ کے لئے تین عزتیں ہیں جس نے ان کی حفاظت کی، اس نے اپنے دین و دنیا کے معاملہ کی حفاظت کی، جس نے انہیں ضائع کیا اللہ تعالےٰ اس کی کسی چیز کی حفاظت نہیں فرمائے گا، صحابہ نے عرض کیا وہ کیا ہیں؟ فرمایا اسلام کی عزت، میری عزت اور میرے رشتہ داروں کی عزت۔"

اکابرِ سلف وخلف اہلِ بیت کی کمال محبت پر کاربند رہے ہیں، سیدِ اکابر حضرتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں :۔

"رسولِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کی خدمت مجھے اپنے رشتہ داروں کی صلہ رحمی سے زیادہ محبوب ہے "

امامِ بخاری حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے راوی ہیں :

"نبیِ اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے احترام کے پیشِ نظر اہلِ بیت کا احترام کرو "

ابنِ علان نے شرح ریاض الصالحین میں کہا :۔

"مصنف یعنی امامِ نووی نے کہا اِرْقَبُوْا یعنی حضورِ اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی رعایت کرو، آپ کا احترام کرو اور آپ کی عزت کرو "

امامِ مناوی کہتے ہیں کہ حافظ زرندی نے فرمایا :۔

"تمام علماء مجتہدین اور ائمہ مہتدین کے لئے اہلِ بیت کی محبت میں بہت بڑا حصہ اور نمایاں فخر تھا، جیسے اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا :

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى

میں کہتا ہوں حافظ زرندی نے علماء مجتہدین اور ائمہ مہتدین کی قید اس لئے لگائی کہ وہ امت کے مقتدا ہیں، جب ان کا یہ طریقہ ہے تو کسی مومن کو لائق نہیں کہ ان سے پیچھے رہے کیونکہ وصفِ ایمان اہلِ بیت کی محبت کے واجب ہونے کے لئے کافی ہے، جس قدر ایمان زیادہ ہوگا محبت بھی اتنی ہی زیادہ ہوگی، اسی لئے علمائے مجتہدین اور ائمہ مہتدین کے لئے ان کی محبت میں بہت بڑا حصہ اور نمایاں فخر تھا۔

امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرتِ ابراہیم بن عبداللہ محض ابن حسن مثنیٰ بن امام حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہم کی حمایت کی اور لوگوں کو فتوے دیا کہ لازماً ان کے ساتھ

اور ان کے بھائی محمد کے ساتھ رہیں۔ کہتے ہیں کہ امامِ اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی قید و بند درحقیقت اسی سبب کی بنا پر تھی، اگرچہ بظاہر سبب یہ تھا کہ آپ نے منصبِ قضا قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

امامِ اہلِ مدینہ حضرتِ امامِ مالک بن انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرتِ ابراہیم بن زید بن علی زین العابدین ابن امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہم کی حمایت کی اور لوگوں کو فتوےٰ دیا کہ ان کے ساتھ رہنا ضروری ہے اسی لئے کئی سال مخفی رہے، بعض نے کہا کہ امامِ اعظم ابوحنیفہ نے ابراہیم بن عبداللہ محض کی حمایت کی تھی اور امام مالک نے ان کے بھائی حضرتِ محمد کی حمایت کی تھی۔

اس بارے میں مجھے امامِ جلیل احمد بن حنبل رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے کسی خاص بات کا علم نہیں ہے، لیکن وہ کمال تقوےٰ اور وقتِ نظر کے باوجود یزید کے کفر اور اس پر لعنت کے جائز ہونے کے قائل تھے، اس کا سبب یہی تھا کہ وہ نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی آلِ پاک سے کامل محبت رکھتے تھے اور ان کے نزدیک دلیل بھی ثابت ہو گی۔

امامِ قرشی نبیِ اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے چچا کی اولاد امام محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ تعالےٰ عنہ رسولِ اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی آلِ پاک کی شدید محبت کی بنا پر اس حال میں بغداد لے جائے گئے کہ وہ پابندِ سلاسل تھے، اس سلسلے میں انہیں ایسے امور پیش آئے جن کی تفصیل طویل ہے، اہلِ بیتِ کرام سے ان کی محبت یہاں تک پہنچی کہ کج رو گمراہوں نے انہیں رفض کی طرف منسوب کر دیا حالانکہ وہ اس سے قطعاً بری تھے۔

ابنِ سبکی اپنی طبقات میں امامِ شافعی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے شاگرد ربیع بن سلیمان مرادی سے سندِ متصل سے روایت کرتے ہیں کہ ہم امامِ شافعی کے ساتھ مکہ مکرمہ

سے منیٰ کی طرف روانہ ہوئے ۔ امامِ شافعی جس وادی میں اترتے اور جس گھاٹی پر چڑھتے یہ کہتے جاتے تھے :

"اے سوار! منیٰ کی وادی مُحَصَّب میں ٹھہر!
اس کی وادیٔ خیف میں کھڑے ہونے اور بیٹھنے والے کو کہہ
سحری کے وقت جب حجاجِ کرام دریائے فرات کی متلاطم امواج کی طرح
منیٰ کی طرف جائیں ۔
اگر ابالفرض) آلِ محمد (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وعلیہم وسلم) کی محبت رفض ہے
تو جن وانس گواہ ہو جائیں کہ میں رافضی ہوں ''

امامِ شافعی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ان اشعار میں اہلِ بیت کی محبت کے فرض ہونے کی تصریح کی ہے ،

" اے رسول اللہ (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) کے اہلِ بیت! آپکی محبت
اللہ تعالےٰ کی طرف سے فرض ہے جس کا حکم قرآنِ پاک میں نازل فرمایا
تمہارے لئے یہ عظیم فخر کافی ہے کہ تم پر
جو شخص درود شریف نہیں بھیجتا اس کی نماز نہیں ہوتی "

علامہ صبان نے فرمایا :-

" مطلب یہ ہے کہ نماز کامل نہیں ہوتی اور امامِ شافعی کے مرجوح قول کے مطابق صحیح نہیں ہوتی ، ان کا یہ کہنا کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں اس محبت کا حکم دیا ہے ،

وہ ارشاد یہ ہے :

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى

اللہ تعالےٰ ہمیں اور تمہیں توفیق عطا فرمائے ، ان ائمہ اور امتِ مسلمہ

کے راہنماؤں کو دیکھ اور اہلِ بیتِ نبوت کی محبت میں ان کے آثار کی پیروی کر، اگر تو مسلمان سُنّی ہے تو دینی امور میں ان ائمۂ اربعہ میں سے کسی ایک کا مقلد ہوگا، اگرچہ بہت سے مسائل میں ان کا اختلاف ہے لیکن اس مسئلے میں سب متفق ہیں جیسا کہ تو دیکھ چکا ہے۔

اور اگر میری اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے تو یزیدی ہے یا زیادی (ابنِ زیاد کی طرف منسوب) ہے تو اپنے اسلافِ لئام کا کردار دیکھ تو اسے اہلِ نار کا سا پائے گا، ان کے حالات تلاش کر تجھے ایسے حالات ملیں گے جو شرم اور عار کا باعث ہیں، اگر تو عقلمند ہے تو ضرور جان لے گا کہ وہ بدترین گمراہی اور قبیح جہالت پر گامزن تھے نتیجۃً تو ان کے طریقے کی خلاف ورزی کر کے جنت میں داخل ہوگا اور قیامت کے دن انعام یافتہ حضرات انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے گروہ میں اٹھایا جائے گا،

اور اگر تجھے اپنے اسلاف کے ساتھ جہنم ور بُرے ٹھکانے میں شریک ہونے پر اصرار ہے تو ان کا طریقہ اپنا لے، تجھے بھی وہی انتہائی گمراہی حاصل ہو جائے گی جو انہیں حاصل ہوئی اور تجھ پر بھی وہی ہلاکت اور وبال آئے گا جو ان پر آیا ہے اور ان کی طرح گلے میں طوق اور پاؤں میں زنجیریں ڈال کر تجھے بھی جہنم کی طرف گھسیٹا جائے گا، یہ دو ہی ٹھکانے ہیں، جنت یا دوزخ، ان سے خلاصی نہیں، جو چاہے اختیار کرلے۔"

سیدی عبدالوہاب شعرانی مِنَنِ کبریٰ میں فرماتے ہیں:۔

"مجھ پر اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے ایک یہ ہے کہ میں سادات کرام کی بے حد تعظیم کرتا ہوں اگرچہ لوگ ان کے نسب میں

طعن کرتے ہوں، میں اس تعظیم کو اپنے اوپر ان کا حق تصور کرتا ہوں، اسی طرح علماء و اولیاء کی اولاد کی تعظیم شرعی طریقے سے کرتا ہوں اگرچہ وہ متقی نہ ہوں پھر میں سادات کی کم از کم اتنی تعظیم و تکریم کرتا ہوں جتنی والیٔ مصر کے کسی بھی نائب یا لشکر کے قاضی کی ہو سکتی ہے۔

ساداتِ کرام کے آداب میں سے یہ ہے کہ ہم ان سے عمدہ بستر، اعلیٰ مرتبے اور بہتر طریقے پر نہ بیٹھیں، ان کی مطلقہ یا بیوہ عورت سے نکاح نہ کریں، اسی طرح کسی سیدزادی سے نکاح نہ کریں، ہاں اگر ہم میں سے کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ میں ان کی تعظیم کا حقِ واجب ادا کر سکتا ہوں اور ان کی مرضی کے مطابق عمل کر سکتا ہوں (تو پھر ان سے نکاح کر سکتا ہے) لیکن ان کے بعد کسی دوسری عورت سے نکاح نہ کرے اور نہ ہی کنیز خریدے (تاکہ ان کی دل شکنی نہ ہو) ہم اپنی قدرت کے مطابق انہیں خوراک اور لباس مہیا کریں گے اس میں کمی نہیں کرینگے اور ان سے کہیں گے کہ آپ کے جدِ امجد رسولِ اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اسے پسند فرمایا ہے (کہ اخراجات حسبِ استطاعت ہوں)

اسی طرح جب وہ ہم سے کسی جائز خواہش کا اظہار کریں تو ہم اسے پورا کریں گے، جب وہ کھڑی ہوں تو جوتے ان کے آگے رکھیں گے اور جب وہ ہمارے پاس آئیں تو ہم ان کے احترام کے لئے کھڑے ہو جائیں گے کیونکہ وہ نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی اولادِ پاک میں سے ہیں اگرچہ خرید و فروخت کا موقع ہو، ہم کسی سیدزادی کے بدن کی طرف نہیں دیکھیں گے، ہاں یہ الگ صورت ہے کہ ہم پر شرعاً لازم ہو جائے (مثلاً علاج معالجہ کے وقت) اگر ہم سے کوئی جوتے بیچتا ہے تو ہم ان کے

تہبند یا شلوار کی طرف نہیں دیکھیں گے کیونکہ یہ بات ان کے جدِ امجد رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی ناراضگی کا باعث ہوگی۔"

علامہ شعرانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ "البحر المورود فی المواثیق والعھود" میں فرماتے ہیں:۔

" ہم سے یہ عہد لیا گیا ہے کہ ہم ہرگز سیدزادی سے نکاح نہ کریں مگر اس وقت کہ ہم اپنے آپ کو ان کا خادم تصور کریں کیونکہ وہ نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی لختِ جگر ہیں، جو شخص اپنے آپ کو ان کا غلام تصور کرے اور یہ عقیدہ رکھے کہ جب میں نے ان کی نافرمانی کی تو میں نافرمان غلام اور گنہگار ہوں گا تو وہ نکاح کرے ورنہ اسے لائق نہیں ہے، جو شخص تبرک کے لئے ان سے نکاح کرے اسے کہا جائے گا کہ سلامتی غنیمت سے مقدم ہے (یعنی یہ خطرہ بہرحال باقی رہے گا کہ ممکن ہے ان کی تعظیم کا حق ادا نہ ہو سکے اس لئے اجتناب ہی بہتر ہے) خصوصاً جب ان کے بعد کسی اور عورت سے نکاح کرے یا کنیز خریدے یا اپنے بخل اور سختی سے انہیں تکلیف دے، رہا برکت حاصل کرنے کا مسئلہ تو وہ نکاح کے بغیر ان کی خدمت کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ سیدہ کے حق کی ادائیگی اور ان کی صحیح تعظیم وہی کر سکتا ہے جس کا نفس مر چکا ہو، دنیا سے بے رغبتی کے مقام پر فائز ہو اور اس کا دل نورِ ایمان سے اس طرح منور ہو کہ اس کے نزدیک نبیِ اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی اولاد اپنے اہل، اولاد اور مال سے زیادہ محبوب ہو کیونکہ جو چیز سادات کو تکلیف دے گی وہ رسولِ اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی اذیت کا باعث ہوگی، سیدی علی خواص اس شخص کو منع کرتے تھے جو سیدہ کی طرف اس حالت میں

دیکھتا کہ انہوں نے جوتا، تہ بند اور نقاب پہنا ہوا ہو اور دیکھنے والے کو فرماتے کہ اگر تمہارے سامنے کوئی شخص تمہاری بیٹی کے تہ بند کی طرف دیکھے تو تمہیں تشویش ہوگی یا نہیں ؛ اسی طرح نبیِ اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو تشویش ہوتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ایماندار کو چاہیئے کہ جب کسی سیّدہ سے خرید و فروخت کرے یا ان کا فصد کرے یا ان کا علاج کرے تو نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے انتہائی خجالت اور حیاء کے ساتھ یہ کام انجام دے، بالخصوص جوتے بیچنے والے کو بہت احتیاط کرنی چاہیئے۔

جانِ برادر ! اگر تو احکامِ شرعیہ پر سختی سے کاربند ہے اور تمہیں ان کی طرف دیکھے بغیر چارہ نہیں ہے مثلاً ان کے بارے میں گواہی دینا ہے تو چاہیئے کہ تو پہلے صاحبِ شرع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دل میں اجازت طلب کر پھر ان کی طرف نظر کر اور اگر تجھے رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی اولاد سے کامل محبت ہے تو وہ تم سے جو چیز خریدنا چاہیں، انہیں بطور ہدیہ پیش کر دے۔"

پھر حضرتِ علامہ شعرانی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا :-

"ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ اگر ہماری بیٹی یا بہن کا جہیز بیشمار ہو اور کوئی فقیر سیّد اس کے نکاح کا پیغام دیں جن کے پاس اس کے مہر اور صبح و شام کے کھانے کے علاوہ کچھ نہ ہو تو ہم ان سے نکاح کر دیں اور انہیں مایوس نہ کریں، کیونکہ فقر عیب نہیں ہے جس کی بنا پر پیغامِ نکاح رد کر دیا جائے بلکہ یہ تو شرافت ہے اور رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اس کی آرزو کی ہے بلکہ

اپنے رب کریم جل مجدہ سے دعا کی ہے کہ آپ کو قیامت کے دن فقراء اور مساکین کے گروہ میں اٹھائے اور دعا کی ہے کہ اے اللہ! میرے اہل کا قُوت بنا یعنی اتنا کھانا عطا فرما کہ صبح و شام اس سے کچھ نہ بچے، تو جس چیز کو نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اپنی اولاد اور اہل بیت کے لئے پسند فرمایا ہے وہ انتہائی فضیلت والی ہے، جو شخص فقیر سید کو اپنی بیٹی کا رشتہ دینے سے انکار کر دے اس پر خداوندی ناراضگی کا خوف ہے، اللہ تعالےٰ بے نیاز اور محمود ہے۔

اسی طرح ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ جب ہم راستے میں کسی سید یا سیدہ کے پاس سے گزریں جو لوگوں سے سوال کر رہے ہوں تو ہم انہیں اپنی طاقت کے مطابق پیسے، کھانا یا کپڑے پیش کریں یا انہیں پیشکش کریں کہ ہمارے پاس قیام کیجئے تاکہ حسبِ استطاعت ان کی ضروریاتِ شرعیہ پوری کی جائیں۔ جو شخص رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ رکھتا ہے اس کے لئے یہ امر کس قدر قبیح ہے کہ وہ آپ کی اولاد کے پاس سے گزرے، وہ راستے میں سوال کر رہے ہوں اور یہ شخص انہیں کچھ پیش نہ کرے۔ اللہ تعالےٰ بخشنے والا مہربان ہے۔"

(یہ علامہ شعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلام تھا انہی کے الفاظ میں)

ملا علی قاری نے سیرت میں بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا:-

"اہل بیت سے پیش آنے کے بارے میں میری وصیت سن لو کیونکہ میں ان کی طرف سے قیامت کے دن تم سے جھگڑا کروں گا اور جس سے میں مخاصمت کروں گا اللہ تعالےٰ اسے مغلوب فرما دیگا

اور جسے اللہ تعالٰے مغلوب فرمائے گا اسے جہنم میں داخل فرما دیگا۔

حدیث صحیح میں ہے جیسا کہ بہت سے اہل سنت نے بیان کیا :۔

" جب ابولہب کی صاحبزادی ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائیں تو انہیں کہا گیا کہ تمہاری ہجرت تمہیں بے نیاز نہیں کرے گی ، تم تو جہنم کے ایندھن کی بیٹی ہو! انہوں نے یہ بات نبی اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم سے عرض کی تو آپ سخت ناراض ہوئے اور برسر منبر فرمایا :

ان لوگوں کا کیا حال ہے جو مجھے میرے نسب اور رشتہ داروں کے بارے میں اذیت دیتے ہیں! خبردار! جس نے میرے نسب اور رشتہ داروں کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ تعالٰے کو اذیت دی "۔

امام طبرانی اور حاکم، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہما سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا :۔

" اے بنو عبدالمطلب! میں نے تمہارے لئے اللہ تعالٰے سے تین چیزوں کی دعا کی ہے :

(۱) تم میں جو دین پر قائم ہے اسے ثابت قدمی عطا فرمائے ،

(۲) تمہارے بے علم کو علم عطا فرمائے اور

(۳) تمہارے بے راہ کو ہدایت عطا فرمائے ،

اگر کوئی شخص بیت اللہ شریف کے ایک کونے اور مقام ابراہیم کے درمیان چلا جائے اور نماز پڑھے اور روزے رکھے پھر وہ اہل بیت کی دشمنی پر مر جائے تو وہ جہنم میں جائے گا "۔

امام طبرانی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہما سے راوی ہیں :۔

"بنو ہاشم اور انصار کا بغض کفر ہے اور عرب کا بغض منافقت"۔

ابن عدی اور امام بیہقی شعب الایمان میں حضرت علی مرتضٰے رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا :-

" جو شخص میری عترت عیب اور انصار کو نہیں پہچانتا (یعنی تعظیم نہیں کرتا) تو اس کی تین میں سے کوئی ایک وجہ ہوگی یا تو وہ منافق ہے، یا ولد الزنا ہے یا جب اس کی ماں اس سے حاملہ ہوئی ہوگی تو وہ پاک نہیں ہوگی"۔

امام طبرانی معجم اوسط میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰے عنہما سے راوی ہیں، وہ فرماتے ہیں :-

" ہمیں نبی اکرم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا میں نے آپ کو فرماتے سنا کہ اے لوگو! جو شخص ہم اہل بیت کو مبغوض رکھے گا، اللہ تعالٰے قیامت کے دن اسے یہودی بنا کر اٹھائے گا"۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا :-

" ہم اہل بیت کو کوئی شخص مبغوض نہیں رکھے گا مگر اللہ تعالٰی اسے جہنم میں داخل فرمائے گا"۔

یہ حدیث امام حاکم نے روایت کی اور اسے شرط شیخین پر صحیح قرار دیا۔

حضرت علی مرتضٰے کرم اللہ تعالٰے وجہہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰے عنہ کو فرمایا :-

" دیکھنا ہمارے بغض سے اجتناب کرنا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ

تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہم سے بغض یا حسد کرے گا اسے قیامت کے دن حوضِ کوثر سے آگ کے چابکوں سے دور کیا جائے گا۔"

(طبرانی شریف)

امام احمد نے مرفوعاً (یعنی نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا ارشاد) روایت کیا :-

"جو شخص اہلِ بیت سے بغض رکھے وہ منافق ہے"

سرورِ دو عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا :-

"جس شخص نے میرے اہلِ بیت پر ظلم کیا اور مجھے میری عترتِ پاک کے بارے میں اذیت دی، اس پر جنت حرام کر دی گئی"

امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا :-

"میں نے سات قسم کے لوگوں پر لعنت کی ہے اور ہر نبی کی دعا مقبول ہوتی ہے، ان میں سے آپ نے اس شخص کو شمار کیا جو آپ کی اولاد کے ساتھ وہ معاملہ جائز سمجھتا ہے جسے اللہ تعالےٰ نے حرام کیا ہے"

فصل

سلف صالحین وغیرہم کے تکریم اہلِ بیت کے چند واقعات

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں فرمایا یحیٰی ابن سعید انصاری، عبید بن حنین سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ تعالے عنہما نے بیان کیا کہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس گیا وہ منبر پر خطبہ دے رہے تھے۔ میں منبر پہ چڑھا اور کہا میرے باپ کے منبر سے اتریے اور اپنے باپ کے منبر پر جایئے حضرت عمر نے فرمایا میرے باپ کا منبر نہیں تھا اور مجھے پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا"

میں اپنے سامنے رکھی ہوئی کنکریوں سے کھیلتا رہا، جب آپ منبر سے اترے تو مجھے اپنے گھر لے گئے پھر مجھے فرمایا کتنا اچھا ہو اگر آپ گاہے گاہے تشریف لائیں۔ فرماتے ہیں ایک دن میں ان کے پاس گیا آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے تنہائی میں مصروف گفتگو تھے اور عبداللہ ابن عمر دروازے پر کھڑے تھے۔ ابن عمر واپس ہوئے تو میں بھی ان کے ساتھ واپس آگیا۔

بعد میں حضرت عمر سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا کیا بات ہے میں نے آپ کو نہیں دیکھا، میں نے کہا امیر المؤمنین! میں آیا تھا آپ حضرت معاویہ سے گفتگو فرما رہے تھے تو میں ابن عمر کے ساتھ واپس آگیا، انہوں نے فرمایا:-

"آپ ابن عمر سے زیادہ حق دار ہیں، ہمارے سروں کے بال اللہ تعالیٰ نے آپ کی برکت سے اگائے ہیں۔"

ابو الفرج اصفہانی، عبید اللہ بن عمر قواریری سے روایت کرتے ہیں کہ ہمیں یحیٰی ابن سعید

نے سعید بن ابان قرشی سے روایت کی کہ حضرت عبداللہ بن حسن بن حسن، حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس گئے وہ نوعمر تھے ان کی بڑی بڑی زلفیں تھیں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انہیں اونچی جگہ بٹھایا، ان کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کی ضرورتیں پوری کیں پھر ان کے جسم کے ایک بل کو پکڑ کر اتنا دبایا کہ انہوں نے تکلیف محسوس کی اور فرمایا شفاعت کرنے کے لئے اسے یاد رکھنا، جب وہ تشریف لے گئے تو ان کی قوم نے انہیں ملامت کی اور کہا آپ نے ایک نوعمر بچے کے ساتھ ایسا سلوک کیا۔ انہوں نے فرمایا: مجھے معتبر آدمی نے بیان کیا گویا کہ میں رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس سے سن رہا ہوں، آپ نے فرمایا:۔

"فاطمہ میری لختِ جگر ہیں انکی خوشی کا سبب میری خوشی کا باعث ہے"

اور میں جانتا ہوں کہ اگر حضرتِ فاطمۃ الزہرا تشریف فرما ہوتیں تو میں نے جو کچھ ان کے بیٹے سے کیا ہے اس سے خوش ہوتیں، لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے جو اُن کے پیٹ کی چٹکی لی ہے اور جو کچھ آپ نے انہیں کہا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا "بنو ہاشم کا ہر فرد شفاعت کرے گا، مجھے توقع ہے کہ مجھے ان کی شفاعت حاصل ہوگی"

انہی حضرت عبداللہ بن حسن بن حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے روایت ہے کہ میں کسی کام سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دروازے پر گیا انہوں نے فرمایا: جب آپ کو مجھ سے کوئی کام ہو تو پیغام بھیج دیا کریں یا تحریر فرما دیا کریں مجھے اللہ تعالےٰ سے حیا آتی ہے کہ میں آپ کو اپنے دروازے پر دیکھوں۔

روایت ہے کہ جب جعفر بن سلیمان نے امام مالک کو کوڑے لگوائے اور جو سزا دینا تھی دی اور انہیں بے ہوشی کی حالت میں اٹھا کر لے جایا گیا لوگ آپ کے پاس آئے جب افاقہ ہوا تو فرمایا: میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے مارنے والے کو معاف کر دیا ہے

بعد میں اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا :-

"مجھے خوف ہے کہ مرنے کے بعد بارگاہِ رسالت میں حاضری ہوگی تو مجھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حیا آئے گی کہ میری وجہ سے آپ کی آل کا ایک فرد جہنم میں جائے۔"

کہتے ہیں کہ خلیفہ منصور نے آپ سے کہا کہ میں جعفر سے آپ کا بدلہ دلواتا ہوں تو امام نے فرمایا خدا کی پناہ! ایسا نہیں ہو سکتا بخدا! جب چابک میرے جسم سے اٹھتا تھا تو میں انہیں نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی قرابت کی بنا پر معاف کر دیتا تھا۔

شیخ اکبر سیدی محی الدین ابن عربی اپنی تصنیف "مسامرات الاخیار" میں اپنی سند متصل سے حضرت عبداللہ ابن مبارک سے روایت کرتے ہیں کہ بعض متقدمین کو حج کی بڑی آرزو تھی انہوں نے فرمایا :-

"مجھے ایک سال بتایا گیا کہ حجاج کا ایک قافلہ بغداد شریف میں آیا ہے۔ میں نے ان کے ساتھ حج کے لئے جانے کا ارادہ کیا، اپنی آستین میں پانچ سو دینار ڈالے اور بازار کی طرف نکلا تاکہ حج کی ضروریات خرید لاؤں میں ایک راستے پر جا رہا تھا کہ ایک عورت میرے سامنے آئی۔ اس نے کہا اللہ تعالےٰ تم پر رحم فرمائے میں سیدزادی ہوں، میری بچیوں کے تن ڈھانپنے کے لئے کپڑا نہیں ہے اور آج چوتھا دن ہے کہ ہم نے کچھ نہیں کھایا، اس کی گفتگو میرے دل میں اتر گئی میں نے وہ پانچ سو دینار اس کے دامن میں ڈال دیئے اور انہیں کہا آپ اپنے گھر جائیں اور ان دیناروں سے اپنی ضروریات پوری کریں، میں نے اللہ تعالےٰ کا شکر کیا اور واپس آ گیا، اللہ تعالےٰ نے اس بار حج پر جانے کا شوق میرے دل سے نکال دیا۔

دوسرے لوگ چلے گئے ، حج کیا اور واپس لوٹ آئے ، میں نے سوچا کہ دوستوں سے ملاقات کر آؤں اور انہیں سلام کر آؤں چنانچہ میں گیا جس دوست سے ملتا اسے سلام کہتا اور کہتا اللہ تعالیٰ تمہارا حج قبول فرمائے اور تمہاری کوشش کی جزائے خیر عطا فرمائے تو وہ مجھے کہتا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا حج بھی قبول فرمائے ، کئی دوستوں نے اسی طرح کہا ، رات کو سویا تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی ۔ آپ نے فرمایا لوگ تمہیں حج کی جو مبارکباد دے رہے ہیں اس پر تعجب نہ کرو تم نے ایک کمزور اور ضرورتمند کی امداد کی تو میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ، اللہ تعالیٰ نے ہو بہو تجھ جیسا فرشتہ پیدا فرمایا جو ہر سال تمہاری طرف سے حج کریگا ۔ اب اگر چاہو تو حج کرو اور اگر چاہو تو حج نہ کرو ۔"

شیخ زین الدین عبدالرحمٰن خلال بغدادی فرماتے ہیں کہ مجھے تیمور لنگ کے ایک امیر نے بتایا کہ جب تیمور لنگ مرض موت میں مبتلا ہوا تو ایک دن اس پر سخت اضطراب طاری ہوا ، منہ سیاہ ہو گیا اور رنگ بدل گیا ، جب افاقہ ہوا تو لوگوں نے اسے صورت بیان کی تو اس نے کہا میرے پاس عذاب کے فرشتے آئے تھے اتنے میں رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا " اسے چھوڑ دو کیونکہ یہ میری اولاد سے محبت رکھتا تھا اور ان کی خدمت کرتا تھا چنانچہ وہ چلے گئے ۔"

شمس الدین محمد بن حسن خالدی فرماتے ہیں ہمارے ایک ساتھی نے خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی اور آپ کے پاس تیمور لنگ کو دیکھا ، اس ساتھی نے کہا اے دشمن خدا ! تم یہاں پہنچ گئے ہو ؟ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا : " اے محمد ! اس کا سبب یہ ہے کہ یہ میری اولاد سے محبت رکھتا تھا "

علامہ ابن حجر مکی حنفی تقی الدین فارسی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بعض

ائمہ سے روایت کی کہ وہ سادات کرام کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: سادات میں ایک شخص تھا جسے مُطیر کہا جاتا تھا وہ اکثر لہو ولعب میں مصروف رہتا تھا جب وہ فوت ہوا تو اس وقت کے عالم نے اس کا جنازہ پڑھنے میں توقف کیا تو انہوں نے خواب میں نبی اکرم صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کی زیارت کی آپ کے ہمراہ حضرت فاطمۃ الزہرا تھیں انہوں نے اس عالم سے اعراض کیا، جب اس نے درخواست کی کہ مجھ پر نظر رحمت فرمائیں تو حضرتِ خاتونِ جنت اسکی طرف متوجہ ہوئیں، اس پر عتاب فرمایا اور ارشاد فرمایا:۔

"کیا ہمارا مقام مُطیر کے لئے کفایت نہیں کر سکتا؟"

علامہ مقریزی فرماتے ہیں مجھے قاضی القضاۃ عزالدین عبدالعزیز بن عبدالعزیز بکری بغدادی حنبلی نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مسجدِ نبوی میں موجود ہوں، کیا دیکھتا ہوں کہ قبر مقدس کھلی اور اس میں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور تشریف فرما ہوئے، آپ نے اسی طرح کفن زیب تن فرمایا ہوا تھا مجھے دستِ اقدس سے قریب آنے کا اشارہ کیا، میں اٹھا اور آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا مجھے فرمایا مؤید کو کہو کہ عجلان کو رہا کردے۔

میں بیدار ہوا اور حسبِ معمول سلطان مؤید کی مجلس میں پہنچ گیا اور متعدد بار قسم کھا کر اسے بتایا کہ میں نے کبھی عجلان کو نہیں دیکھا اور نہ ہی میری اس سے شناسائی ہے اس کے بعد میں نے واقعہ بیان کیا، بادشاہ چپ رہا، میں بھی بیٹھا رہا یہاں تک کہ مجلس برخاست ہو گئی، بادشاہ اپنی مجلس سے اٹھا اور قلعہ کے تہ خانے میں گیا اور اتنی دور جا کر ٹھہر گیا جتنی دور زور سے پھینکا ہوا تیر جا کر گرتا ہے، پھر امیر مدینہ سید عجلان حسینی کو قید خانے سے بلایا اور رہا کر دیا۔

علامہ مقریزی نے کہا سید سراج ابن مقبل حسنی نے ا۔ نے باپ مقبل کو ۸۲۵ھ

میں گرفتار کیا جو کہ ینبع کے امیر تھے ان کی جگہ ان کے بھتیجے کو امیر مقرر کر دیا گیا، مقبل کو گرفتار کر کے اسکندریہ لے جایا گیا۔ وہیں قید میں ان کا وصال ہوا، اتفاق کی بات ہے کہ ان کے اسی بیٹے سرداح کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروا دی گئیں حتیٰ کہ ان کی آنکھوں کے ڈھیلے بہ گئے اور دماغ متورم اور متعفن ہو گیا وہ ایک مدت تک قاہرہ کے باہر رہے اس وقت وہ نابینا ہی تھے، پھر وہ مدینہ طیبہ گئے اور اپنے جدّ امجد حضرت محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کے مزار مبارک کے سامنے حاضر ہو کر اپنی تکلیف کی شکایت کی، روئے اور اللہ تعالےٰ سے دعا کی، واپس آکر رات کو سوئے تو خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے جمال جہاں افروز سے مشرف ہوئے، آپ نے اپنا دستِ اقدس ان کی آنکھوں میں پھیرا، بیدار ہوئے تو اللہ تعالےٰ نے ان کی بینائی لوٹا دی تھی، یہ خبر اہلِ مدینہ میں مشہور ہو گئی۔ ایک عرصہ تک ان کے پاس رہے پھر قاہرہ واپس چلے آئے۔

بادشاہ ملک اشرف برسباری کو ان کی آمد کی اطلاع ملی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ بینا ہیں، بادشاہ نے انہیں گرفتار کر لیا اور قبیلہ مزینہ کے ان دو افراد کو طلب کیا جنہوں نے سرداح کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری تھیں اور ان دونوں کو بری طرح مارا، انہوں نے بادشاہ کے سامنے تسلی بخش گواہ پیش کئے جنہوں نے گواہی دی کہ ہمارے سامنے سلائی گرم کی گئی اور ہمارے دیکھنے کی بات ہے کہ سرداح کی آنکھوں میں پھیر دی گئی، یہاں تک کہ ان کی آنکھوں کے ڈھیلے بہ نکلے تو بادشاہ نے انھیں چھوڑ دیا۔

اسی طرح اہلِ مدینہ نے بتایا کہ ہم نے سرداح کو اس حالت میں دیکھا کہ ان کے دونوں ڈھیلے غائب تھے پھر ایک صبح دیکھا کہ وہ اچھے بھلے بینا تھے اور سرداح نے انہیں اپنے خواب کا واقعہ بیان کیا تھا بادشاہ نے سرداح کو رہا کر دیا ۸۲۳ھ کی

طاعون میں ان کا وصال ہوا۔ رحمۃ اللہ تعالےٰ و رضی عنہ۔

شیخ عمدوی نے اپنی کتاب مشارق الانوار میں ابن جوزی کی تصنیف ملتقط سے نقل کیا کہ بلخ میں ایک علوی قیام پذیر تھا اس کی ایک زوجہ اور چند بیٹیاں تھیں قضائے الٰہی سے وہ شخص فوت ہوگیا، ان کی بیوی کہتی ہیں کہ میں شماتتِ اعداء کے خوف سے سمرقند چلی گئی، میں وہاں سخت سردی میں پہنچی، میں نے اپنی بیٹیوں کو مسجد میں داخل کیا اور خود خوراک کی تلاش میں چل دی، میں نے دیکھا کہ لوگ ایک شخص کے گرد جمع ہیں، میں نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو لوگوں نے کہا یہ رئیسِ شہر ہے۔ میں اس کے پاس پہنچی اور اپنا حالِ زار بیان کیا اس نے کہا اپنے علوی ہونے پر گواہ پیش کرو، اس نے میری طرف کوئی توجہ نہیں دی، میں واپس مسجد کی طرف چل دی میں نے راستے میں ایک بوڑھا بلند جگہ بیٹھا ہوا دیکھا جس کے گرد کچھ لوگ جمع تھے میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ محافظِ شہر ہے اور مجوسی ہے، میں نے سوچا ممکن ہے اس سے کچھ فائدہ حاصل ہو جائے چنانچہ میں اس کے پاس پہنچی، اپنی سرگزشت بیان کی اور رئیسِ شہر کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا تھا بیان کیا اور اسے یہ بھی بتایا کہ میری بچیاں مسجد میں ہیں اور ان کے کھانے پینے کے لئے کوئی چیز نہیں ہے۔

اس نے اپنے خادم کو بلایا اور کہا اپنی آقا (یعنی میری بیوی) کو کہہ کہ وہ کپڑے پہن کر اور تیار ہو کر آئے، چنانچہ وہ آئی اور اس کے ساتھ چند کنیزیں بھی تھیں بوڑھے نے اسے کہا اس عورت کے ساتھ فلاں مسجد میں جا اور اس کی بیٹیوں کو اپنے گھر لے آ، وہ میرے ساتھ گئی اور بچیوں کو اپنے گھر لے آئی، شیخ نے اپنے گھر میں ہمارے لئے الگ رہائش گاہ کا انتظام کیا، ہمیں بہترین کپڑے پہنائے، ہمارے غسل کا انتظام کیا اور ہمیں طرح طرح کے کھانے کھلائے۔

آدھی رات کے وقت رئیس شہر نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہوگئی ہے اور لواء الحمد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سر انور پر لہرا رہا ہے، آپ نے اس رئیس سے اعراض فرمایا، اس نے عرض کیا حضور آپ مجھ سے اعراض فرما رہے ہیں حالانکہ میں مسلمان ہوں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے مسلمان ہونے پر گواہ پیش کرو، وہ شخص حیرت زدہ رہ گیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تو اس علوی عورت کو جو کچھ کہا تھا آ بھول گیا؟ یہ محل اس شیخ کا ہے جس کے گھر میں اس وقت وہ عورت ہے۔

رئیس بیدار ہوا تو رو رہا تھا اور اپنے منہ پر طمانچے مار رہا تھا، اس نے اپنے غلاموں کو اس عورت کی تلاش میں بھیجا اور خود بھی تلاش میں نکلا، اسے بتایا گیا کہ وہ عورت مجوسی کے گھر میں قیام پذیر ہے، یہ رئیس اس مجوسی کے پاس گیا اور کہا وہ علوی عورت کہاں ہے؟ اس نے کہا میرے گھر میں ہے، رئیس نے کہا اسے میرے ہاں بھیج دو، شیخ نے کہا یہ نہیں ہو سکتا، رئیس نے کہا مجھ سے یہ ہزار دینار لے لو اور اسے میرے ہاں بھیج دو، شیخ نے کہا بخدا! ایسا نہیں ہو سکتا اگرچہ تم لاکھ دینار بھی دو، جب رئیس نے زیادہ اصرار کیا تو شیخ نے اسے کہا جو خواب تم نے دیکھا ہے میں نے بھی دیکھا ہے اور جو محل تم نے دیکھا ہے وہ واقعی میرا ہے، تم اس لئے مجھ پر فخر کر رہے ہو کہ تم مسلمان ہو، بخدا وہ علوی خاتون جیسے ہی ہمارے گھر میں تشریف لائیں تو ہم سب ان کے ہاتھ پر مسلمان ہو چکے ہیں اور ان کی برکتیں ہمیں حاصل ہو چکی ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی تو آپ نے مجھے فرمایا چونکہ تم نے اس علوی خاتون کی تعظیم و تکریم کی ہے اس لئے یہ محل تمہارے لئے اور تمہارے گھر والوں کے لئے ہے اور تم جنتی ہو۔

سیدی عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں سید شریف نے حضرت خطاب رحمۃ اللہ تعالیٰ

علیہ کی خانقاہ میں بیان کیا کہ کاشف البحیرہ نے ایک سید کو مارا تو اسے اسی رات خواب میں رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس حال میں زیارت ہوئی کہ آپ اس سے اعراض فرما رہے ہیں، اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا کیا گناہ ہے؟ فرمایا: تو مجھے مارتا ہے حالانکہ میں قیامت کے دن تیرا شفیع ہوں، اس نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے یاد نہیں کہ میں نے آپ کو مارا ہو۔ آپ نے فرمایا: کیا تو نے میری اولاد کو نہیں مارا؟ اس نے عرض کیا ہاں، فرمایا: تیری ضرب میری ہی کلائی پر لگی ہے، پھر آپ نے اپنی کلائی نکال کر دکھائی جس پر ورم تھا جیسے کہ شہد کی مکھی نے ڈنک مارا ہو، ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

علامہ مقریزی فرماتے ہیں مجھے رئیس شمس الدین محمد بن عبد اللہ عمری نے بیان کیا کہ میں ایک دن قاضی جمال الدین محمود عجمی کی خدمت میں حاضر ہوا جو قاہرہ کے محتسب (گورنر) تھے، وہ اپنے نائبوں اور خادموں کے ہمراہ سید عبد الرحمٰن طباطبی مؤذن کے گھر تشریف لے گئے ان سے اجازت طلب کی وہ اپنے گھر سے باہر آئے تو انہیں محتسب کے ان کے ہاں آنے پر حیرت ہوئی، وہ انہیں اندر لے گئے ہم بھی ان کے ساتھ اندر چلے گئے اور سید عبد الرحمٰن کے سامنے اپنے اپنے مرتبے پر بیٹھ گئے جب اطمینان سے بیٹھ گئے تو قاضی جمال الدین نے کہا حضرت مجھے معاف کر دیجئے انہوں نے پوچھا جناب کیوں معاف کر دوں؟ انہوں نے کہا کل رات میں قلعہ پر گیا اور بادشاہ یعنی ملک ظاہر برقوق کے سامنے بیٹھا تو آپ تشریف لائے اور مجھ سے بلند جگہ بیٹھ گئے، میں نے اپنے دل میں کہا یہ بادشاہ کی مجلس میں مجھ سے اونچے کیوں بیٹھے ہیں؟ رات کو میں سویا تو مجھے نبی اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی آپ نے مجھے فرمایا: محمود! تو اس بات سے عار محسوس کرتا ہے کہ میری اولاد سے نیچے بیٹھے؟ یہ سن کر سید عبد الرحمٰن رو پڑے اور کہا جناب میں کون ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم مجھے یاد فرمائیں، یہ سننا تھا کہ تمام حاضرین کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں،
سب نے سید صاحب سے دعا کی درخواست کی اور واپس آگئے۔

سیدی محمد فاسی فرماتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ کے بعض حسنی سادات کو ناپسند رکھتا
تھا کیونکہ بظاہر ان کے افعال سنت کے مخالف تھے، خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم نے میرا نام لے کر فرمایا اے فلاں! کیا بات ہے میں دیکھتا ہوں کہ تم میری
اولاد سے بغض رکھتے ہو، میں نے عرض کیا خدا کی پناہ! یا رسول اللہ! میں تو ان کے
خلافِ سنت افعال کو ناپسند رکھتا ہوں فرمایا: کیا یہ فقہی مسئلہ نہیں ہے کہ نافرمان اولاد
نسب سے ملحق ہوتی ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! فرمایا: یہ نافرمان اولاد
ہے، جب میں بیدار ہوا تو ان میں سے جس سے بھی ملتا اس کی بے حد تعظیم کرتا، یہ
واقعہ اہل بیت کی خصوصیات میں گزر چکا ہے۔

علامہ ابن حجر مکی ہیتمی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کے خاندان کے بارے میں فرمایا:۔

فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ

"اگر وہ تمہاری نافرمانی کریں تو انھیں فرما دو میں تمہارے اعمال سے بری ہوں"
حق قرابت اور تعلق نسب کی بنا پر یہ نہیں فرمایا کہ میں تم سے بری ہوں۔

علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں کہ عراق کا ایک امیر سادات سے شدید محبت رکھتا
تھا اور ان کی انتہائی تعظیم و تکریم کرتا تھا، اس کی مجلس میں جب کوئی سید موجود ہوتا تو انہیں
سب سے آگے بٹھاتا اگرچہ وہاں ان سے زیادہ مالدار اور بڑے مرتبے والا دنیا دار
موجود ہوتا۔ ایک دفعہ ایک سید اس امیر کی مجلس میں آئے، اس وقت وہاں ایک بہت بڑا
عالم موجود تھا، سید صاحب کو بیٹھنے کے لئے جو جگہ ملی وہ اس عالم سے اونچی تھی، وہ
اس جگہ بیٹھ گئے، وہ اس کے مستحق بھی تھے اور جانتے تھے کہ امیر اس سے راضی ہوگا۔

اس سے عالم کے چہرے پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے اور اس نے نامناسب گفتگ
شروع کردی، امیر نے اس کی بات پر توجہ نہ دی اور دوسری بات شروع کردی۔

کچھ دیر بعد جب یہ معاملہ بھول گیا تو امیر نے اس عالم کے بیٹے کے متعلق پوچھ
جو تحصیل علم میں مصروف تھا، اس عالم نے کہا وہ متون یاد کرتا ہے اسباق پڑھتا ہے
اس نے یہ پڑھا ہے وہ پڑھا ہے، اس کا ایک سبق صبح کے وقت مقرر ہے ایک سبق
دوسرے وقت معین ہے، اسی طرح اس کے دیگر حالات بیان کرتا رہا، امیر نے کہ
کیا تو نے اس کے لئے ایسا نسب بھی مہیا کیا ہے اور اسے ایسی شرافت بھی سکھ
ہے کہ وہ نبی اکرم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی اولاد میں سے ہو جائے، عالم اپنی حرکت
فراموش کر چکا تھا، اس نے کہا یہ فضیلت فراہم کرنے اور سکھانے سے حاصل نہیں
ہوسکتی، یہ تو اللہ تعالٰے کی عنایت ہے اس میں کسب کو دخل نہیں ہے، امیر نے
بڑے زور سے کہا خبیث! جب تجھے یہ بات معلوم ہے تو تو نے سید صاحب کے
اونچی جگہ بیٹھنے کو کیوں ناگوار محسوس کیا، بخدا! آئندہ تم میری مجلس میں نہیں آؤ گے
پھر حکم دیا اور اسے وہاں سے نکلوا دیا۔

خاتمہ

فضائلِ صحابہ اور اس حقیقت کا بیان کہ صحابہ کرام کے بغض کے ہوتے ہوئے اہلِ بیت کی محبت کچھ فائدہ نہ دیگی

نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے صحابہ رنج و راحت میں آپ کے ساتھ رہے سختی اور نرمی میں آپ کی خدمت کی، جان و مال آپ پر فدا کیا۔ آپ کے سامنے تلواروں اور نیزوں سے شجاعت کا اظہار کیا، آپ کے دوست کو دوست اور دشمن کو دشمن جانا، اگرچہ دشمنی رکھنے والے ان کے باپ، دادا، بیٹے، بھائی اور خاندان سے تعلق رکھتے ہوں، اپنے رشتے داروں سے زیادہ نبیِ اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے رشتہ داروں سے خیر خواہی رکھتے تھے۔

سید الصحابہ حضرتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے والد حضرت ابو قحافہ جب فتح مکہ کے دن ایمان لائے تو نبیِ اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے انہیں اس پر مبارکباد دی، صدیقِ اکبر نے عرض کیا بخدا! مجھے ابوطالب کا ایمان لانا ان کے ایمان لانے سے زیادہ محبوب ہے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ وہ آپ کو بہت محبوب ہیں۔ نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے چچا حضرتِ عباس ایمان لائے تو حضرتِ عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے عرض کیا بخدا مجھے اپنے باپ خطاب کے ایمان لانے سے ان کا ایمان لانا زیادہ محبوب ہے کیونکہ حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب ہیں۔

مہاجرین صحابہ کرام نے ابتدائے اسلام میں قریش کی دشمنی ایذا رسانی اور انکی طرف سے ایسی ایسی مصیبتیں برداشت کیں کہ اگر ان کی جگہ پہاڑ بھی ہوتے تو ٹھہر نہ سکتے، اس کے باوجود وہ اللہ تعالٰے کے دین کی بجائے دوسرا دین قبول کرنے پر تیار نہ ہوئے اور انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی محبت سے، بڑے سے بڑا مانع بھی روک نہ سکا۔ اس مقام پر انصار کو نہ بھول جانا، اللہ تعالٰے ان پر، ان کے بیٹوں اور پوتوں پر بے پایاں رحمتیں نازل فرمائے، انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم اور صحابہ مہاجرین پر اپنے مال نچھاور کر دئے اور اپنی جانیں فدا کر دیں، حتیٰ کہ اللہ تعالٰے کا دین غالب آگیا۔

اللہ تعالٰے تم پر رحمت نازل فرمائے، تم سید الانصار حضرت سعد بن معاذ کا جواب دیکھو جب واقعہ بدر سے کچھ پہلے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے مشورہ دو، مہاجرین میں سے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، اور حضرت مقداد رضی اللہ تعالٰے عنہم نے جواب دیا اور بہت اچھا جواب دیا، لیکن آپ نے ان کے جوابات پر اکتفا نہیں کیا اور دوبارہ فرمایا، مجھے مشورہ دو، تین دفعہ یہ ارشاد فرمایا، حضرت سعد رضی اللہ تعالٰے عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! خدا کی قسم یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہمیں مخاطب فرما رہے ہیں، آپ نے فرمایا ہاں، انہوں نے عرض کیا :-

"ہم آپ پر ایمان لائے ہیں، آپ کی تصدیق کی ہے اور یہ گواہی دی ہے کہ آپ جو کچھ لائے ہیں، حق ہے اور اسی بناء پر ہم نے آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کے عہد و پیمان باندھے ہیں، یا رسول اللہ! آپ چلئے، جس کے تعلقات آپ قائم رکھنا چاہتے ہیں، قائم رکھیں اور جس کے تعلقات آپ منقطع فرمانا چاہتے ہیں،

قطع کردیں، جس سے چاہیں آپ صلح فرمائیں اور جسے چاہیں آپ دشمن قرار دیں، ہمارے جتنے اموال لینا چاہیں لے لیں اور جو ہمیں دینا چاہیں دے دیں، آپ ہم سے جو لے لیں گے وہ ہمیں اس مال سے زیادہ محبوب ہوگا جو آپ رہنے دیں گے، آپ جو حکم فرمائیں گے ہم اسکی تعمیل کریں گے۔

اس ذاتِ اقدس کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اگر آپ ہمیں سمندر میں داخل ہونے کا حکم دیں تو ہم سب آپ کے پیچھے پیچھے سمندر میں داخل ہو جائیں گے اور ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہ رہے گا، ہم دشمن کا مقابلہ کرنے سے گھبراتے نہیں ہیں ہم جنگ کے وقت صابر اور مقابلے کے سچے ہیں، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری ایسی جانثاری دکھائے کہ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔

آپ اللہ تعالیٰ کی برکت کے ساتھ چلئے، ہم آپ کے دائیں اور بائیں ہوں گے، ہم ان لوگوں کی طرح نہیں ہیں جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہہ دیا تھا کہ آپ جائیں اور آپکا رب، آپ جنگ کریں، ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ آپ جائیں اور آپ کا رب، آپ جنگ کریں، ہم آپ کے پیچھے پیچھے ہیں۔[1]

درحقیقت تمام صحابہ کرام مہاجرین و انصار انہی صفات سے موصوف تھے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

---

[1] سعدؓ نے مقداد اٹھ کر عرض کی اے سرورِ عالم — نبی کا حکم ہو تو پھاند جائیں ہم سمندر میں
نہیں ہیں قوم موسےٰ کی طرح کہہ دینے والے ہم — جہاں کو محو کر دیں نعرۂ اللہ اکبر میں
(شاہنامۂ اسلام)

تنبیہ امام فخرالدین رازی نے اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى کی تفسیر میں فرمایا،
اس میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کا عظیم مقام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ

"اسلام کی طرف سبقت کرنیوالے ہی سابق ہیں، یہی مقرب ہیں"

جو شخص اللہ تعالےٰ کی عبادت کرے گا، اللہ تعالےٰ کے نزدیک مقرب ہے
لہذا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى کے تحت داخل ہے۔

حاصل یہ ہے کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے اہل بیت اور
اصحاب کی محبت کے واجب ہونے پر دلالت کرتی ہے اور یہ مقصد صرف ہمارے
اصحاب اہلِ سنت وجماعت کے مذہب پر ہی برقرار رہ سکتا ہے جو صحابہ واہل بیت
کی محبت کے جامع ہیں۔

نبیِ اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"میرے اہلِ بیت سفینۂ نوح علیہ السلام کی طرح ہیں؛ جو اس سے
وابستہ ہوا نجات پا گیا"

اور یہ بھی فرمایا:۔

"میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، تم ان میں سے جس کی اقتدا
کرو گے، ہدایت پا جاؤ گے"

ہم اس وقت تکلیف کے سمندر (دنیا) میں ہیں، ہمیں شبہات اور
خواہشات کی موجیں تھپیڑے مار رہی ہیں، سمندر میں سفر کرنے والا دو چیزوں کا
محتاج ہوتا ہے:۔

(۱) ایسی کشتی جو عیب اور سوراخ سے محفوظ ہو،

(۲) نورانی ستارے جو ظاہر ہوں،

مسافر جب اس کشتی پر سوار ہو جائے اور ان ستاروں پر نظر رکھے تو غالباً سلامتی کی امید ہے۔ اسی لئے ہمارے اصحاب اہلِ سنت، اہلِ بیت کے سفینے پر سوار ہیں اور صحابہ کرام ایسے نورانی ستاروں پر نظر جمائے ہوئے ہیں لہٰذا انہیں امید ہے کہ اللہ تعالےٰ انہیں دنیا میں سلامتی اور آخرت میں سعادت عطا فرمائے ۔"

(امامِ رازی کا کلام ختم ہوا) ۔

صحابہ کرام کے عمومی فضائل میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے :۔

"میرے صحابہ اور میرے خسروں کے بارے میں میرا پاس کرو، جو شخص ان کے بارے میں میرا پاس کرے گا، اللہ تعالےٰ دنیا و آخرت میں اس کی حفاظت فرمائے گا اور جو شخص ان کے بارے میں میرا پاس اور لحاظ نہیں کرے گا اللہ تعالےٰ اس سے بری ہے اور جس سے اللہ بری ہو، قریب ہے کہ اسے پکڑ لے ۔"

سرورِ عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

"میرے اصحاب کی عزت کرو کہ وہ تم سب سے بہتر ہیں"

امامِ مسلم نے سیدِ انس وجان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا :۔

"میرے کسی صحابی کو گالی نہ دو، اس ذاتِ اقدس کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کردے تو وہ ان کے سیر یا آدھ سیر جَو کو نہیں پہنچ سکتا ۔"

نفیس فائدہ حافظ سیوطی نے امام سبکی (رحمہا اللہ تعالیٰ) سے نقل کیا کہ حدیث شریف میں ان لوگوں سے خطاب ہے جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے اور اَصْحَابِیْ سے مراد وہ صحابہ ہیں جو فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے، اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد لَوْ اَنَّ اَحَدَکُمْ اَنْفَقَ (الحدیث) (اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو ان کے سیر اور آدھ سیر کو نہیں پہنچ سکتا)

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے :۔

لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا۔

"فتح سے پہلے خرچ کرنیوالے اور جہاد کرنے والے (اور بعد والے) برابر نہیں ہیں، ان کا درجہ ان لوگوں سے بڑا ہے جنہوں نے فتح کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا۔"

اس بنا پر حدیث شریف ان صحابہ کے بارے میں ہے جو فتح سے پہلے ایمان لائے، بعد والے صحابہ ان کے حکم میں ہیں کیونکہ بعد والے لوگوں کی نسبت متأخرین صحابہ کا وہی مقام ہے جو متقدمین کا ان کی نسبت مقام ہے۔

علامہ سبکی فرماتے ہیں :۔

"میں نے اپنے شیخ علامہ تاج الدین بن عطاء اللہ سے سنا، وہ اپنی مجلسِ وعظ میں ایک اور مطلب بیان فرما رہے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے انوار و تجلیات میں بعد میں آنے والے لوگوں کو ملاحظہ

فرماتے تھے۔ حدیثِ مذکور میں ان انوار و تجلیات کے لحاظ سے بعد کے لوگوں سے تمام صحابہ کرام کے حق میں خطاب فرمایا خواہ وہ فتح سے پہلے ایمان لائے ہوں یا بعد میں "

حضور سید الاولین والآخرین صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

" اللہ تعالےٰ نے مجھے منتخب فرمایا، میرے لئے اصحاب منتخب فرمائے اور میرے لئے ان میں سے وزراء، انصار اور خسر بنائے، جو انہیں گالی دے اس پر اللہ تعالےٰ تمام فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت، اللہ تعالےٰ اس سے نہ فرض قبول فرمائے گا نہ نفل " (طبرانی)

حضرتِ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما فرماتے ہیں :۔

" حضرت سید الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کو گالی نہ دو، ان کا ایک گھڑی کا قیام تمہاری تمام زندگی کی عبادت سے بہتر ہے "

باعثِ تخلیقِ کونین صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

" میرے اصحاب کے بارے میں اللہ تعالےٰ سے ڈرو، اللہ تعالیٰ سے ڈرو، میرے بعد انہیں نشانۂ اعتراض نہ بنانا، جس نے ان سے محبت رکھی اس نے میری محبت کے سبب اُنسے محبت رکھی جس نے اُنسے بُغض رکھا اس نے میرے ساتھ بغض کے سبب اُنسے بغض رکھا، جس نے انہیں اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ رب العزت کو اذیت دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی، قریب ہے کہ اللہ تعالےٰ اسے اپنی گرفت میں لے لے "

حضرتِ جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ، فرماتے ہیں کہ میں نے حضرتِ اعلم الخلق صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے سنا :۔

" لوگ زیادہ ہوں گے اور میرے صحابہ کم ہوں گے تم انہیں گالی نہ دینا اللہ تعالےٰ انہیں گالی دینے والے پر لعنت فرمائے "۔

حضرتِ ابنِ عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما فرماتے ہیں، محبوبِ خدا صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

" قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس شخص کو ہوگا جس نے انبیاء کو گالی دی، پھر اس شخص کو جس نے میرے صحابہ کو گالی دی پھر جس نے مسلمانوں کو گالی دی "۔

سیدِ ہر دو سرا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

" جب اللہ تعالےٰ میرے کسی امتی کی بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے دل میں میرے صحابہ کی محبت ڈال دیتا ہے "۔

حضورِ پُرنور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

" جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو گالیاں دیتے ہوں تو کہا کرو، تمہارے شر پر خدا کی لعنت "۔

نبیِ بشیر و نذیر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

" میری امت کے شریر ترین لوگ وہ ہیں جو میرے صحابہ پر بہت جری ہیں "

رحمتِ عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

" میں نے اپنے بعد اپنے اصحاب کے اختلافات کے بارے میں اللہ کریم جل مجدہ سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی فرمائی کہ اے حبیب! تمہارے اصحاب میری بارگاہ میں آسمانی ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے بعض، بعض سے روشن تر ہیں، جس شخص نے ان کے کسی طریقے کو اپنا لیا وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے "۔

حبیبِ رب العالمین صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

" میری شفاعت جائز ہے سوائے اس شخص کے جس نے میرے صحابہ کو گالی دی "

صاحبِ شفاعتِ عظمےٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

" میرا کوئی صحابی جس خطے میں وفات پائے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انہیں انکا قائد اور ان کیلئے نُور بنا کر اٹھائے گا "

وسیلۂ دارین صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا :-

" جب میرے صحابہ کا ذکر کیا جائے تو رُک جاؤ (یعنی نکتہ چینی اور حرف گیری نہ کرو) "

علقمی فرماتے ہیں :-

" یہ ان علوم میں سے ایک علم ہے جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا کئے گئے، آپ نے ہم پر واجب فرمایا کہ ہم صحابہ کرام کے اختلافات کے بارے میں اپنی زبان بند رکھیں، ان کے درمیان جو لڑائیاں اور اختلافات واقع ہوئے، جن کے سبب بہت سے صحابہ شہید ہوئے تو یہ ایسے خون ہیں جن سے اللہ تعالےٰ نے ہمارے ہاتھوں کو محفوظ رکھا لہذا ہم اپنی زبانوں کو ان سے ملوث نہیں کرتے، ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ سب اس بارے میں ماجور ہیں کیونکہ ان سے جو کچھ صادر ہوا وہ ان کے اجتہاد پر مبنی تھا اور ظنی مسئلہ پر مجتہد اگر خطا بھی کر جائے مستحقِ ثواب ہے "

حدیث شریف میں ہے :-

اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیۡ اَصۡحَابِیۡ لَا تَتَّخِذُوۡھُمۡ غَرَضًا مِّنۡ بَعۡدِیۡ

" میرے اصحاب کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا! میرے بعد انہیں نشانۂ اعتراض نہ بنانا ۔"

علامہ مناوی اس کی شرح میں فرماتے ہیں :۔

" نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وعید کو بعد کے ساتھ اس لئے خاص فرمایا کہ آپ کو اطلاع دی گئی تھی کہ آپ کے بعد بدعتیں ظاہر ہوں گی اور بعض لوگ بعض صحابہ کرام کو اس گمان کی بنا پر اذیت دیں گے کہ ہمیں بعض دیگر صحابہ سے محبت ہے ۔

یہ نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا روشن معجزہ ہے۔ آپ اپنی ظاہری حیات میں ان کے تحفظ کا بڑا خیال رکھتے تھے اور بے حد شفقت فرماتے تھے ۔

امامِ بیہقی حضرتِ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں کہ نبیِ اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

خبردار! میرے پاس تم میں سے کوئی ایک، دوسرے صحابی کی شکایت نہ کرے کیونکہ مجھے یہ پسند ہے کہ جب میں تمہارے پاس آؤں تو میرے دل میں کسی کی طرف سے ملال نہ ہو ۔"

علامہ مناوی فرماتے ہیں :۔

" اگر کوئی ملحد ان کے درپے ہو اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جو انعامات عطا فرمائے ہیں ان کا انکار کرے تو یہ اس کی جہالت، محرومیت، ناسمجھی اور ایمان کی کمی ہے کیونکہ اگر صحابہ کرام میں کوئی عیب پایا جائے تو دین کی بنیاد قائم نہیں رہے گی اس لئے کہ وہ ہم تک دین کے پہنچانے والے ہیں، جب ناقلین ہی مجروح ہو گئے تو آیات واحادیث بھی محلِ طعن بن جائیں گی

اور اس میں لوگوں کی تباہی اور دین کی بربادی ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے اور مبلغ کی تبلیغ کے صحیح ہونے کے لئے اس کا عادل ہونا ضروری ہے۔

علامہ ابن حجر مکی ہیتمی اپنی تصنیف "اسنی المطالب فی صلۃ الاقارب" میں فرماتے ہیں:-

"مسلمان پر لازم ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے صحابہ اور اہل بیت کا ادب و احترام کرے، ان سے راضی ہو، ان کے فضائل و حقوق پہچانے اور ان کے اختلافات سے زبان روکے کیونکہ ان میں کسی نے بھی ایسے امر کا ارتکاب نہیں کیا جسے وہ حرام سمجھتے ہوں بلکہ ان میں سے ہر ایک مجتہد ہے، پس وہ سب ایسے مجتہد ہیں کہ ان کے لئے ثواب ہے حق تک پہنچنے والے کیلئے دس ثواب اور خطا کرنے والے کے لئے ایک ثواب ہے، عتاب، ملامت اور نقص ان سب سے مرفوع ہے، یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لے ورنہ تو پھسل جائے گا اور تیری ہلاکت و ندامت میں کوئی کسر نہ رہ جائیگی۔"

علامہ تفتازانی نے جوہرہ کی شرح کبیر میں فرمایا:-

ان لڑائیوں کا سبب یہ تھا کہ معاملات مشتبہ تھے، ان کے شدید اشتباہ کی بنا پر ان میں اجتہادی اختلاف پیدا ہو گیا اور ان کی تین قسمیں ہو گئیں ایک قسم پر اجتہاد سے یہ ظاہر ہوا کہ حق اس طرف ہے اور مخالف باغی ہے لہٰذا ان پر واجب تھا کہ ان کے عقیدے میں جو حق تھا اس کی امداد کرتے اور باغی سے جنگ کرتے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جس شخص کا یہ حال ہو اسے روا نہیں کہ اس کے عقیدے میں جو لوگ باغی ہیں ان کے ساتھ جنگ کے موقع پر امام عادل کی امداد سے کنارہ کش ہو۔ دوسری قسم تمام

امور میں پہلی قسم کے برعکس تھی، تیسری قسم وہ تھی جن پر معاملہ مشتبہ ہو گیا اور وہ حیرت میں مبتلا ہو گئے، ان پر کسی جانب کی ترجیح واضح نہ ہوئی تو وہ دونوں فریقوں سے الگ ہو گئے، ان کے لئے یہ علیحدگی ہی واجب تھی کیونکہ کسی مسلمان سے جنگ اس وقت تک جائز نہیں جب تک یہ ظاہر نہ ہو جائے کہ وہ اس کا مستحق ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ وہ سب معذور اور ماجور ہیں، اسی لئے اہلِ حق اور وہ حضرات جو قابلِ اعتماد ہیں اس بات پر متفق ہیں کہ تمام صحابہ عادل ہیں اور ان کی شہادت اور روایت مقبول ہے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی نے فرمایا:-

" اہلِ حق کا اتفاق ہے کہ ان تمام امور میں حضرتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر تھے اور تحقیق یہ ہے کہ تمام صحابہ عادل ہیں اور تمام جنگیں اور اختلافات تاویل پر مبنی ہیں، ان کے سبب کوئی بھی عدالت سے خارج نہیں کیونکہ وہ مجتہد ہیں "۔

تنبیہ

میں نے علامہ سیوطی کا رسالہ " اِلقام الحجر لمن زکّٰی سابَّ ابی بکر و عُمَر " (شیخین کریمین کو گالی دینے والے کی تعریف کرنے والے کے منہ میں پتھر دینا) دیکھا انہوں نے اس میں اتفاق نقل کیا ہے کہ کسی بھی صحابی کو گالی دینے والا فاسق ہے اگر وہ اسے حلال نہ جانے اور اگر وہ حلال جانے تو کافر ہے کیونکہ اس توہین کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ یہ حرام اور فسق ہے اور حرام کو حلال جاننا کفر ہے جبکہ دین میں اس کا حرام ہونا بداہۃً معلوم ہو اور صحابہ کرام کو گالی دینے کی حرمت اسی طرح ہے۔

علامہ سیوطی نے مزید فرمایا، صحابہ کرام کو گالی دینا گناہِ کبیرہ ہے کیونکہ

متاخرین کے نزدیک مختار یہ ہے کہ گناہِ کبیرہ وہ جرم ہے جو دلالت کرے کہ اس کا مرتکب دین کی کم پروا کرتا ہے اور دیانت میں کمزور ہے۔

ابنِ سبکی نے جمع الجوامع میں اس تعریف کو صحیح قرار دیا، صحابہ کرام کو گالی دینا ایسا ہی ہے، اس کا مرتکب اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیبِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کس قدر جری ہے اور دین کی کتنی کم پروا کرتا ہے، کیا اس خبیث نے، اس پر خدا کی لعنت ہو، یہ گمان کیا ہے کہ ایسے حضرات گالی کے مستحق ہیں اور وہ پاک صاف اور تعریف کا مستحق ہے؟ ہرگز نہیں، بخدا! اس کے منہ میں پتھر ہونا چاہیئے بلکہ جب اس کا یہ گمان ہو کہ یہ حضرات گالی کے مستحق ہیں تو ہمارا عقیدہ اس کے بارے میں یہ ہے کہ وہ جلائے جانے بلکہ اس سے زیادہ سزا کا مستحق ہے۔

حدیث شریف میں ہے:-

"جس نے میرے صحابہ کو گالی دی اس پر اللہ تعالیٰ، تمام فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔"

اس کی شرح میں امامِ مناوی فرماتے ہیں:-

"یہ حکم ان صحابہ کو بھی شامل ہے جو قتل و قتال میں شامل ہوئے کیونکہ وہ ان لڑائیوں میں مجتہد اور تاویل کرنے والے ہیں لہٰذا انہیں گالی دینا گناہِ کبیرہ اور ان (سب) کی نسبت گمراہی یا کفر کی طرف کرنا کفر ہے۔"

حضرتِ قاضی عیاض شفا شریف میں فرماتے ہیں:-

"صحابہ کرام کو گالی دینا اور ان کی تنقیص حرام ہے، اس کا مرتکب ملعون ہے"، امامِ مالک فرماتے ہیں، جس شخص نے کہا کہ ان میں سے کوئی ایک گمراہی پر تھا، قتل کیا جائے گا اور جس نے اس کے علاوہ انہیں گالی دی، اسے سخت سزا دی جائیگی۔"

یہ مطلق صحابہ کے بارے میں حکم ہے، شیخین کریمین حضرت ابوبکر اور حضرت عمر یا کسی ایک داماد حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہم کو گالی دینے کا حکم امام سبکی کی اس عبارت سے معلوم ہو جائے گا جو علامہ سیوطی نے اپنے رسالہ مذکورہ میں نقل کی ہے، علامہ سیوطی فرماتے ہیں :-

" میں نے شیخ تقی الدین سبکی کی تصنیف 'غیرۃ الایمان الجلی لابی بکر وعمر وعثمان وعلی' دیکھی جو انہوں نے ایک رافضی کے سبب لکھی، اس نے ایک مجلس میں کھڑے ہو کر خلفاء ثلاثہ اور صحابہ کی ایک جماعت کو گالیاں دیں، اسے توبہ کرنے کو کہا گیا مگر اس نے توبہ نہ کی، ایک مالکی عالم نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا، امام سبکی نے اس کے اس فتوے کی تصدیق کی اور اس کی تائید میں کتاب مذکور لکھی، اس میں قاضی حسین شافعی سے اس شخص کے بارے میں دو قول نقل کیے جو خلفاء راشدین میں سے کسی ایک کو گالی دے، (۱) اسے کافر قرار دیا جائے گا اگرچہ اسے حلال نہ جانے کیونکہ ان کی امامت پر امت کا اجماع ہے (۲) اسے فاسق قرار دیا جائے گا نہ کہ کافر، پھر احناف کی بہت سی روایات نقل کیں، بعض میں اسے کافر قرار دیا گیا ہے اور بعض میں گمراہ۔ پھر امام سبکی نے اسے کافر قرار دینے کی توثیق کی اور اس پر دلائل دئے پھر حضرات مالکیہ اور حنابلہ کی متعدد روایات نقل کی ہیں۔"

اس جگہ ہم اسی پر اکتفاء کرتے ہیں اور اب خلفاء راشدین رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے کچھ فضائل ترتیب وار بیان کرتے ہیں، ان کی یہ ترتیب اتفاقی نہیں بلکہ ان کے استحقاق کے مطابق ہے۔

خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ ۔

"اگر تم میرے حبیب کی امداد نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی امداد کی جب کافروں نے انہیں نکالا اس حال میں کہ وہ دو میں سے دوسرے تھے جب کہ وہ دونوں غار میں تھے اور وہ اپنے صاحب کو کہہ رہے تھے کہ غمگین نہ ہو، بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے، پس اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص سکون نازل فرمایا۔"

مفسرین فرماتے ہیں صاحب ابوبکر صدیق تھے اور ان پر ہی سکون نازل کیا گیا تھا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو پرسکون ہی رہے تھے حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ تمام زمین والوں پر عتاب فرمایا اور ارشاد فرمایا:۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ، الآیۃ

ارشاد ربانی ہے:۔

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى

وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۔

"اور آگ سے بچے گا وہ بہت متقی جو اپنا مال خرچ کرتا ہے اور کسی کا اس پر احسان نہیں ہے جس کا بدلہ دیا جائے مگر رب اعلیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اور وہ عنقریب راضی ہو جائے گا۔"

تفاسیر میں ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان سے روایت ہے کہ میں نے غار میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا اگر ان کافروں میں سے کوئی اپنے قدموں کے نیچے دیکھے تو ہمیں دیکھ لے، آپ نے فرمایا: ابوبکر! تمہارا ان دو کے بارے میں کیا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا ثالث ہے۔ (بخاری و مسلم)

امام بخاری و مسلم راوی ہیں کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو تمام انسانوں سے زیادہ کون محبوب ہے؟ فرمایا عائشہ! میں نے عرض کیا مردوں سے؟ فرمایا ان کے والد، میں نے عرض کیا پھر کون؟ فرمایا عمر بن خطاب! بے شک اللہ تعالےٰ آسمان کے اوپر اس بات کو پسند نہیں فرماتا کہ ابوبکر صدیق زمین میں خطا کریں۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے مرض میں فرمایا:۔

"میرے پاس اپنے باپ اور بھائی کو بلاؤ تاکہ میں کتاب لکھ دوں کیونکہ مجھے خوف ہے کہ کوئی آرزو کرنے والا آرزو کرے اور کہنے والا کہے کہ میں زیادہ حقدار ہوں اللہ تعالےٰ اور ایمان والے ابوبکر کے ماسوا کا انکار کرتے ہیں۔" (مسلم شریف)

حضرتِ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں :۔

"نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم علیل تھے آپ کا مرض شدت اختیار کر گیا تو آپ نے فرمایا : ابو بکر کو کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں ، حضرتِ عائشہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ! ابو بکر رقیق القلب ہیں جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو نماز نہیں پڑھا سکیں گے ، آپ نے فرمایا : ابو بکر کو کہو لوگوں کو نماز پڑھائیں ، انہوں نے دوبارہ وہی گزارش کی تو آپ نے فرمایا ابو بکر کو کہو لوگوں کو نماز پڑھائیں تم تو حضرتِ یوسف علیہ السلام کے زمانے کی عورتوں جیسی ہو ، چنانچہ کسی شخص نے حضرتِ ابو بکر صدیق کو پیغام پہنچایا تو انہوں نے نبیِ اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں لوگوں کو نماز پڑھائی ۔" (بخاری و مسلم شریف)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

"میرے پاس ابھی حضرتِ جبرائیل امین تشریف لائے تو میں نے کہا جبرائیل مجھے عمر بن خطاب کے فضائل بیان کرو ، انہوں نے کہا یا رسول اللہ ! اگر میں آپ کو اتنا عرصہ عمر فاروق کے فضائل بیان کروں جتنا عرصہ حضرتِ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم میں قیام فرمایا یعنی ساڑھے نو سو سال تو عمر کے فضائل ختم نہیں ہوں گے اور عمر ، ابو بکر کی نیکیوں میں سے ایک نیکی ہے ۔"

حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

"ابو بکر ! میری امت سے جنت میں پہلے جانے والے تم ہو گے ۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰے عنہ فرماتے ہیں :۔

"ابوبکر ہمارے سردار تھے ہم میں سے بہتر تھے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کو ہم سب سے زیادہ محبوب تھے" (ترمذی شریف)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا :۔

"جس نے بھی ہماری خدمت کی ہم نے اسے بدلہ دے دیا سوائے ابوبکر کے کیونکہ انہوں نے ہماری ایسی خدمت کی ہے جس کا بدلہ اللہ تعالٰے انہیں قیامت کے دن عطا فرمائے گا اور مجھے ابوبکر کے مال جتنا کسی کے مال نے فائدہ نہیں دیا"

حضور سید عالم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

"اللہ تعالٰے نے مجھے تمہاری طرف مبعوث فرمایا تم نے مجھے جھٹلایا اور ابوبکر نے میری تصدیق کی اور جان و مال کے ساتھ میری خدمت کی" (بخاری شریف)

حضرت علی مرتضٰے شیر خدا رضی اللہ تعالٰے عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا :۔

"مجھے وہ شخص بتاؤ جو سب سے زیادہ بہادر ہے۔ حاضرین نے عرض کیا آپ سب سے زیادہ بہادر ہیں، آپ نے فرمایا میں نے ہمیشہ برابر کے جوڑ کا مقابلہ کیا ہے مجھے بتاؤ کہ سب سے زیادہ دلیر کون ہے؟ حاضرین نے کہا ہم نہیں جانتے آپ بتلائیں۔ آپ نے فرمایا: وہ ابوبکر ہیں۔ بدر کے دن ہم نے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے لئے چھپر تیار کیا تو ہم نے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ کون ہوگا؟ تاکہ کوئی مشرک اس طرف رخ نہ کر سکے بخدا ! ہم میں سے کوئی آگے نہیں بڑھا سوائے ابوبکر صدیق کے، وہ تلوار سونت کر نبی اکرم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کی حفاظت کر رہے تھے جو کافر اس طرف آگے بڑھتا اس پر حملہ آور ہوتے اس لئے آپ سب سے زیادہ دلیر ہیں۔ یہ روایت علامہ سیوطی نے رسالہ مذکورہ میں بیان کی"

علامہ سیوطی کے رسالہ مذکورہ اور علامہ ابن حجر مکی کی تصنیف "اسنی المطالب" میں ہے کہ امام بزار اور ابو نعیم فضائلِ صحابہ میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔

"لوگو! مجھے بتاؤ کہ سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟ انہوں نے کہا ہم نہیں جانتے۔ آپ بتائیں۔ آپ نے فرمایا: ابو بکر صدیق۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا قریش نے آپ کو پکڑا ہوا تھا ایک شخص آپ پر غالب آنے کی کوشش کر رہا تھا دوسرا آپ کو گرانا چاہتا تھا اور وہ کہہ رہے تھے تم ہی وہ ہو جس نے کئی خداؤں کو ایک بنا دیا ہے۔ حضرت علی مرتضےٰ فرماتے ہیں بخدا! ہم میں سے کوئی قریب نہیں گیا سوائے ابو بکر کے کہ وہ ایک کو مارتے ہوئے اور دوسرے کو دھکیلتے ہوئے آگے بڑھے اور فرمایا: تمہارے لئے ہلاکت ہو تم اس ذاتِ کریم کو اس لئے شہید کرنا چاہتے ہو کہ وہ فرماتے ہیں میرا رب اللہ تعالیٰ ہے پھر حضرت علی نے جو چادر اوڑھی ہوئی تھی اٹھائی اور رو دیئے اور اتنا روئے کہ آپ کی داڑھی مبارک تر ہو گئی، پھر فرمایا: میں تم سے پوچھتا ہوں کہ آلِ فرعون کا مومن بہتر تھا یا ابو بکر؟ لوگ چپ رہے تو فرمایا: تم جواب کیوں نہیں دیتے؟ بخدا! ابو بکر کی ایک ساعت آلِ فرعون کے مومن جیسے سے بہتر ہے۔ اس نے اپنا ایمان چھپایا تھا اور انہوں نے اپنے ایمان کا اعلان کیا" (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

امام بزار حضرت اسید بن صفوان سے روایت کرتے ہیں:۔

"جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا وصال ہوا تو آپ کا جسدِ مبارک کپڑے سے ڈھانپ دیا گیا، مدینہ طیبہ آہ و بکا سے گونج اٹھا اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روز وصال کی طرح لوگوں پر دہشت چھا گئی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیزی سے چلتے ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے تشریف لائے کہ آج خلافتِ نبوت (کا ایک دور) ختم ہوگیا حتیٰ کہ اس مکان کے دروازے پر کھڑے ہوگئے جس میں حضرت ابوبکر صدیق تھے اور فرمایا: اے ابوبکر اللہ تعالےٰ آپ پر رحم فرمائے، آپ اسلام لانے میں سب سے پہلے، ایمان میں سب سے زیادہ مخلص، یقین میں سب سے زیادہ مضبوط، سب سے زیادہ اللہ تعالےٰ کا خوف رکھنے والے، سب سے زیادہ مشقت اٹھانے والے، نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ حفاظت کرنے والے، راہِ اسلام پر سب سے تیز، صحابہ کرام پر سب سے زیادہ امین، صحبت میں سب سے بہتر، مناقب میں سب سے افضل، نیکیوں میں سب سے سبقت والے، درجے میں سب سے بلند، نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ قریب، سیرت، اخلاق اور عمل میں آپ کے سب سے زیادہ مشابہ، آپ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ معتمد، مرتبے کے اعتبار سے سب سے اشرف اور سب سے زیادہ مکرم تھے اللہ تعالےٰ آپ کو اسلام، نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے"۔

خلیفۂ دوم امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

امام ترمذی حضرتِ عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا :

" اگر (بالفرض) میرے بعد نبی ہوتا تو عمر بن خطاب ہوتے "

حضرتِ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :-

" اللہ تعالےٰ نے عمر کی زبان اور دل پر حق رکھ دیا ہے "

حضرتِ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں :-

" جب بھی لوگوں کو کوئی مسئلہ پیش آتا تو حضرتِ فاروقِ اعظم سے گزارش کرتے ، ابنِ عمر فرماتے ہیں کیا قرآنِ پاک کی آیات اس طرح نازل نہیں ہوئیں جس طرح حضرتِ عمر نے کہا ؟ "

حضرتِ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں :-

" جب عمرِ فاروق اسلام لائے تو حضرتِ جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ! آسمان والے عمر کے اسلام پر خوش

لہ اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی رحمہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں ؎

وہ عمر جس کے اعدا پہ شیدا سقر — اس خدا دوست حضرت پہ لاکھوں سلام

فارقِ حق و باطل امام الہدیٰ — تیغِ مسلولِ شدت پہ لاکھوں سلام

ہوئے ہیں"۔ (ابن ماجہ شریف)

انہی سے روایت ہے :-

" جب عمر فاروق اسلام لائے تو مشرکوں نے کہا آج یہ لوگ ہمارے برابر ہو گئے ہیں اور اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :

یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

" اے غیب کی خبر دینے والے ! تمہارے لئے اللہ تعالےٰ کافی ہے اور تمہارے متبعین ایماندار "

حضرتِ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا :-

" یہ فتنے کے لئے رکاوٹ ہے اور دستِ اقدس سے حضرتِ عمر کی طرف اشارہ فرمایا ، تمہارے اور فتنے کے درمیان مضبوطی سے بند ہونیوالا دروازہ رہے گا جب تک یہ تمہارے درمیان موجود رہیں گے "۔

(امام بزار)

ہادیٔ اعظم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا :-

" عمر جب سے اسلام لائے میں شیطان جب بھی ان کے سامنے آیا منہ کے بل گر پڑا "

حضرتِ فخرِ دو عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

" عمر ! بتحقیق شیطان تم سے ڈرتا ہے "

امام الانبیاء صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

" عمر بن خطاب اہلِ جنت کے سراج ہیں "

حضرتِ آقائے دو جہان صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں، مجھے جبریلِ امین علیہ السلام نے کہا :۔

" عمر کی وفات پر اسلام کو رونا چاہیئے "

امام ترمذی حضرتِ جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے راوی ہیں :۔

" حضرتِ عمر نے حضرتِ ابوبکر صدیق سے کہا، اے تمام لوگوں سے افضل! رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے بعد صدیقِ اکبر نے فرمایا اگر تم نے یہ بات کہی ہے تو میں نے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ عمر سے بہتر (بعد از انبیاء) کسی شخص پر سورج طلوع نہیں ہوا "

شبِ اسریٰ کے دولہا صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

" آسمان کا ہر فرشتہ عمر کی تعظیم کرتا ہے "

حضرتِ علیِ مرتضےٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں :۔

" ہم صحابہ کرام اس میں شک نہیں کرتے تھے کہ وقار عمرِ فاروق کی زبان پر بولتا ہے " کئی محدثین نے یہ روایت بیان کی ،

حضرتِ اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ تعالےٰ عنہا (حضرتِ صدیقِ اکبر کی اہلیہ) فرماتی ہیں :

" مہاجرین میں سے ایک صحابی حضرتِ ابوبکر کے پاس آئے اس وقت آپ علیل تھے، اس صحابی نے کہا آپ ہم پر عمر کو خلیفہ بناتے ہیں حالانکہ انہوں نے حاکم نہ ہوتے ہوئے ہم پر سختی کی ہے، اگر وہ ہمارے حاکم بن گئے تو کیا حال ہوگا، پھر تو وہ اور بھی سخت ہو جائیں گے، بہت ہی سخت، آپ بارگاہِ الٰہی میں کیا جواب دیں گے ؟

حضرتِ ابوبکر نے فرمایا مجھے اٹھا کر بٹھاؤ، جب انہیں بٹھایا گیا تو

فرمایا کیا تم مجھے اللہ تعالےٰ کی معرفت کا سبق دیتے ہو ؟ جب میں بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوا تو عرض کروں گا، میں نے تیرے بندوں میں سے بہترین آدمی کو خلیفہ بنایا ہے۔"

حضرتِ امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے صعصعہ بن صوحان کو فرمایا مجھے عمر بن خطاب کے اوصاف سناؤ، انہوں نے کہا :-

" وہ اپنی رعایا سے باخبر تھے، ان کے مزاج میں عدل وانصاف لبچالبا تھا، تکبر نام کو نہ تھا، جلد عذر قبول کرتے تھے، ان کا دروازہ کھلا رہتا، ان تک رسائی آسان تھی، وہ حق وصواب کے متلاشی رہتے، ایذا رسانی سے دور رہتے، کمزور کے دوست تھے، سخت مزاج نہ تھے، اکثر خاموش رہتے، بے فائدہ کام سے دور رہتے تھے۔"

طبقات ابنِ سبکی میں حضرتِ ابوجزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے :-

" ایک اعرابی، امیر المؤمنین حضرتِ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض پرداز ہوا :

اے خیر و برکت والے عمر! آپ کو جنت عطا کی جائے، میری بیٹیوں اور ان کی ماں کو لباس پہنائیے، میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ میری درخواست پوری فرمائیے۔"

حضرتِ عمر نے فرمایا اگر میں پوری نہ کروں تو کیا ہو گا ؟ اعرابی نے کہا تب پھر میں ابوحفص عمر کو اپنے ساتھ چلاؤں گا، آپ نے فرمایا اگر میں چل پڑا تو کیا ہو گا ؟ اعرابی نے کہا بخدا! میری بیوی اور بچیوں کے بارے میں آپ سے ضرور پوچھا جائے گا جس دن کہ عطیات وہاں سامنے ہوں گے اور جس سے سوال کیا جائے گا وہ ان کے درمیان کھڑا ہو گا،

اس وقت پھر جنت کی طرف یا دوزخ کی طرف، حضرت عمر رو پڑے یہاں تک کہ آپ کی داڑھی مبارک تر ہو گئی، آپ نے اپنے غلام کو فرمایا اسے میرا کرتا دیدو، اس کے شعر کے لیے نہیں بلکہ اس دن کے لیے پھر فرمایا بخدا! میں اس کے سوا کا مالک نہیں ہوں"

امام ابو بکر خرائطی فرماتے ہیں :-

"حضرت عمر پر اللہ تعالےٰ رحم فرمائے وہ اللہ تعالےٰ کے نور سے ذات باری تعالیٰ کے مشاہدے میں کتنے محو تھے اور کس قدر معرفت رکھتے تھے، بخدا! وہ اس شعر کے مصداق تھے :-

وہ اپنی رائے سے امور کے نتائج دیکھنے والے ہیں گویا کہ آج ان کی آنکھ آنے والے کل پر ہے"

حضور فخر انسانیت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے شیخین کریمین کے متعلق فرمایا :-

"قیامت کے روز منادی ندا کرے گا کہ اس امت کا کوئی فرد ابو بکر و عمر سے پہلے اپنا نامۂ اعمال نہ اٹھائے"

کائنات کے مالک و مختار صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

"اللہ تعالےٰ نے مجھے چار وزیروں سے تقویت دی ہے دو آسمان والوں سے جبریل و میکائیل اور دو زمین والوں سے، ابو بکر و عمر"

حضور جان نور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

"ہر نبی کے ساتھیوں میں کچھ خواص ہوتے ہیں اور میرے اصحاب میں سے خواص ابو بکر و عمر ہیں"

حضرت سید المرسلین صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

"ابو بکر و عمر کی محبت ایمان ہے اور ان کا بغض منافقت ہے"

حبیبِ کردگار سید الشافعین صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

" میری امت میں سب سے بہتر ابوبکر و عمر ہیں "

رحمتِ عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

" ابوبکر و عمر جنتی بوڑھوں کے سردار ہیں "

خلیفۃ اللہ الاعظم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

" ابوبکر و عمر کو میں نے مقدم نہیں کیا بلکہ اللہ تعالےٰ نے انہیں مقدم کیا ہے "

حضرتِ اول الخلق صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

" قیامت کے دن ، ابوبکر و عمر اس طرح اٹھائے جائیں گے " اور آپ نے انگشتِ شہادت ، درمیانی انگلی اور چھنگلی سے اشارہ فرمایا ۔

خلیفہ سوم حضرت سیدنا عثمانِ غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

امام الانبیاء حضرتِ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں، فرماتے ہیں :-

- عثمان بن عفان دنیا و آخرت میں میرے دوست ہیں
- عثمانِ غنی اتنے حیا والے ہیں کہ ان سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں
- ہر نبی کا جنت میں ایک رفیق ہے اور جنت میں میرے رفیق عثمان ہیں
- عثمانِ غنی کی شفاعت سے ایسے ستر ہزار افراد بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے جو جہنم کے مستحق ہو چکے ہوں گے
- میری امت کے ایک مرد کی شفاعت سے بنو تمیم سے زیادہ افراد جنت میں داخل ہوں گے

  امام مناوی فرماتے ہیں، کہتے ہیں کہ وہ حضرتِ عثمانِ غنی ہیں

- اے اللہ! عثمانِ غنی سے راضی ہو کہ میں ان سے راضی ہوں

ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ حضرتِ عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیش العسرۃ[2] کے موقع پر بے شمار خرچ کیا، اتنا کسی اور نے خرچ نہیں کیا۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیش العسرۃ کے موقع پر ایک ہزار اونٹ اور ستر گھوڑے اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے۔

لہ فاضلِ بریلوی کا ارشادِ مبارک سنئے ؎ نور کی سرکار سے پایا دوشالہ نور کا ، ہو مبارک تم کو ذوالنورین جوڑا نور کا

لہ اس سلسلے میں فرماتے ہیں ؎ زاہدِ مسجدِ احمد (ص) پہ درود ، دولتِ جیشِ عسرت پہ لاکھوں سلام

حضرتِ حذیفہ بن یمان فرماتے ہیں، حضرتِ عثمانِ غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ اس دن دس ہزار دینار لائے اور بارگاہِ رسالت میں پیش کر دیئے۔ آپ دستِ اقدس سے انہیں الٹ پلٹ رہے تھے اور فرما رہے تھے اے عثمان تمہارے ظاہر، مخفی اور قیامت تک ہونے والے امور کی اللہ تعالےٰ مغفرت فرمائے، عثمانِ غنی کو اس کے بعد کی فکر نہیں ہے۔

امامِ بیہقی حضرتِ عبدالرحمٰن بن خباب رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے راوی ہیں :۔

"نبیِ اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا اور جیش العسرۃ کی امداد کی ترغیب دلائی تو حضرتِ عثمانِ غنی نے عرض کیا میرے ذمہ سو اونٹ مع ان کے ساز و سامان کے ہیں، نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم منبر شریف کی ایک سیڑھی نیچے اترے اور پھر رغبت دلائی، حضرتِ عثمانِ غنی نے عرض کیا میرے ذمہ مزید ایک سو اونٹ ساز و سامان سمیت ہیں، پھر آپ ایک زینہ نیچے اترے اور رغبت دلائی حضرتِ عثمانِ غنی نے عرض کیا میرے ذمہ مزید ایک سو اونٹ مع ساز و سامان ہیں، حضرتِ عبدالرحمٰن بن خباب فرماتے ہیں میں نے نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اپنے دستِ مبارک کو متعجب کی طرح حرکت دے رہے تھے اور فرمایا اس دن کے بعد عثمان پر کوئی گناہ نہیں۔"

حضراتِ خلفاءِ ثلاثہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے بارے میں یہ ارشاد وارد ہے :۔

"جب ابوبکر، عمر اور عثمان وفات پا جائیں تو اگر ہو سکے تو مر جا!"

خلیفۂ چہارم مولائے مشکلکشا شیرِ خدا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سراپا رحمت نازش شفاعت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

- جس کا میں دوست ہوں، علی مرتضٰے اس کے دوست ہیں
- میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں، جو شخص علم حاصل کرنا چاہے اسے دروازے کے پاس آنا چاہیئے
- میرے بہترین بھائی علی مرتضٰے اور بہترین چچا حمزہ ہیں
- علی مرتضٰے دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہیں
- جس نے علی مرتضٰے کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی
- جس نے علی مرتضیٰ کو گالی دی اس نے مجھے گالی دی اور جس نے مجھے گالی دی اس نے اللہ تعالےٰ کو گالی دی
- جب غزوۂ تبوک کے دن نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے آپ کو مدینۂ طیبہ میں اپنا خلیفہ مقرر کیا تو منافقین نے از راہِ فتنہ پروری مشہور کر دیا کہ آپ نے انہیں بوجھ جانتے ہوئے پیچھے چھوڑا ہے حضرت علی نے اپنے ہتھیار سنبھالے اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر ماجرا عرض کیا تو حضور انور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

"انہوں نے جھوٹ کہا، میں نے تمہیں پسماندگان میں خلیفہ بنایا ہے میرے اور اپنے اہل میں جاؤ، اے علی! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تمہارا مجھ سے وہی مرتبہ ہو جو حضرت ہارون کا حضرت موسیٰ سے مرتبہ تھا مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں حضرت علی نے عرض کیا میں راضی ہوں پھر راضی ہوں پھر راضی ہوں "

حضرت سید احمد زینی دحلان (مفتی مکہ) اپنی سیرت میں فرماتے ہیں :۔

"اہل سنت کہتے ہیں کہ حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ظاہری حیات میں خلیفہ تھے، جب وہ کوہ طور پر تشریف لے گئے اس سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے اہل میں حضرت علی مرتضیٰ کی خلافت صرف اس وقت تک کے لئے تھی جب تک آپ تبوک تشریف لے گئے تھے جیسے کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان کی قوم میں اس وقت تک خلیفہ تھے جب تک آپ مناجات کے لئے تشریف لے گئے تھے، نبی اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے متعدد مواقع پر حضرت علی مرتضیٰ کے علاوہ دیگر صحابہ کو خلیفہ بنایا تو کیا اس سے یہ لازم آجائے گا کہ وہ خلافت کے مستحق ہوں :

جب حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے آپ کے زمانۂ خلافت میں پوچھا گیا کہ کیا نبی اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کی خلافت کی وصیت فرمائی تھی؟ تو آپ نے فرمایا: نہیں اگر آپ نے میرے لئے خلافت کی وصیت فرمائی ہوتی تو میں اس کے لئے جنگ کرتا اگرچہ میرے پاس میری تلوار اور چادر کے علاوہ کچھ نہ ہوتا۔

اگر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے لئے خلافت کی وصیت فرمائی ہوتی تو وہ حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان غنی کی بیعت نہ کرتے، روافض کا یہ کہنا کہ یہ ان کا تقیہ تھا جھوٹ اور بہتان ہے کیونکہ حضرت علی مرتضٰے رضی اللہ تعالےٰ عنہ صاحب قوت وشجاعت تھے، بنو ہاشم میں سے ان کے قبیلے کے افراد بکثرت تھے، وہ صاحب قوت و

شوکت تھے، روافض پر لازم ہے کہ وہ آپ کی طرف بزدلی اور کمزوری کی نسبت کریں، حالانکہ معاذ اللہ ایسا نہیں تھا“

حافظ محب الدین ابن نجار تاریخِ بغداد میں ابن معتمر مسلم بن اوس اور حارثہ ابنِ قدامہ سعدی سے راوی ہیں کہ وہ دونوں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر تھے جبکہ آپ خطبہ دے رہے تھے اور فرما رہے تھے:-

”مجھ سے پوچھ لو پہلے اس سے کہ مجھے نہ پاؤ، کیونکہ عرش کے نیچے سے جس چیز کے بارے میں مجھ سے پوچھا جائے گا میں اس کی خبر دوں گا“

ابونعیم حلیۃ الاولیاء میں حضرتِ علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:-

”بخدا! جو آیت بھی نازل ہوئی مجھے علم ہے کہ وہ کس بارے میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی مجھے اللہ تعالیٰ نے بہت سمجھنے والا دل اور بہت سوال کرنے والی زبان عطا فرمائی ہے“

صحیح مسلم میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:-

”اس ذات اقدس کی قسم جس نے دانے کو چیرا اور روح کو پیدا فرمایا نبیِ اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ مومن ہی مجھ سے محبت رکھے گا اور منافق ہی مجھ سے بغض رکھے گا“

ابن ابی شیبہ اور ابونعیم حضرت شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ آپ نے برسرِ منبر فرمایا:-

”میں نے فتنے کا چشمہ بند کر دیا ہے اور بخدا اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ تم بھروسہ کر جاؤ گے اور عمل چھوڑ دو گے تو میں تمہیں وہ بات بیان کر دیتا جو تمہارے نبی صلی اللہ

تعالے علیہ وسلم کی زبانِ اطہر پر جاری ہوئی، پھر فرمایا: مجھ سے پوچھ لو، اس وقت سے قیامت تک جس چیز کے بارے میں مجھ سے پوچھو گے میں تمہیں بتا دوں گا۔"

ابنِ ابی شیبہ سے حضرت زید بن ربیع سے روایت کرتے ہیں:۔

"حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالے عنہ کو یہ اطلاع پہنچی کہ بعض لوگ آپ کے بارے میں چہ میگوئیاں کرتے ہیں تو آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا: میں تمہیں اللہ تعالے کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ جس نے نبی اکرم صلی اللہ تعالے علیہ وسلم سے کوئی ارشاد سنا ہے تو اٹھ کر کھڑا ہو جائے، ایک جماعت نے اٹھ کر کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس کا میں دوست ہوں علی مرتضیٰ اس کے دوست ہیں، اے اللہ! جو انہیں دوست رکھے تو اسے دوست رکھ اور جو ان سے دشمنی کرے تو اسے دشمن قرار دے۔"

نبیِ اکرم صلے اللہ تعالے علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"تم میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علی مرتضیٰ ہیں۔"

حاکم نے یہ حدیث بیان کی اور اسے صحیح قرار دیا کہ حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ تعالے عنہ فرماتے ہیں:۔

"مجھے رسول اللہ صلے اللہ تعالے علیہ وسلم نے یمن کی طرف بھیجا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے مجھے بھیجا ہے حالانکہ میں نوجوان ہوں تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کروں اور مجھے معلوم نہیں کہ فیصلہ کیسے کئے جاتے ہیں، آپ نے میرے سینے پر دستِ اقدس پھیرا، پھر کہا اے اللہ! اس کے دل کو ہدایت اور اس کی زبان کو مضبوطی عطا فرما، اس ذاتِ اقدس

کی قسم جس نے دانے کو چیرا مجھے کبھی دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرتے ہوئے شک واقع نہیں ہوئی۔

نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علی مرتضیٰ ہیں، اس کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم صحابہ کرام کی جماعت کے ساتھ تشریف فرما تھے اتنے میں دو مدِمقابل آئے ایک نے کہا یا رسول اللہ! میرا گدھا ہے اور اس کی گائے ہے، اس کی گائے نے میرے گدھے کو ہلاک کر دیا ہے، حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا چوپایوں پر ضمانت نہیں ہے، نبی اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی! تم ان کے درمیان فیصلہ کرو، حضرت علی نے ان سے پوچھا کہ کیا دونوں کھلے ہوئے تھے یا بندھے ہوئے تھے یا ایک کھلا ہوا اور دوسرا بندھا ہوا تھا، انہوں نے کہا گدھا بندھا ہوا تھا اور گائے کھلی ہوئی تھی اور اس کا مالک اس کے ساتھ تھا، حضرت علی مرتضیٰ نے فرمایا گائے کے مالک پر گدھے کی ضمانت ہے، نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ان کے فیصلے کو برقرار رکھا اور ان کا فیصلہ نافذ فرما دیا۔

جب نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم جلال میں ہوتے تو حضرت علی مرتضیٰ کے سوا کسی کو گفتگو کی جرأت نہیں ہوتی تھی

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔

"علی مرتضےٰ کی طرف دیکھنا عبادت ہے"

خلفاء اربعہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

"میری امت میں سے میری امت پر سب سے زیادہ مہربان ابوبکر

ہیں اور اللہ تعالےٰ کے دین میں سب سے سخت عمر ہیں اور سب سے زیادہ حیادار عثمان غنی ہیں اور سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علی مرتضیٰ ہیں، رضی اللہ تعالےٰ عنہم "

حضور شافعِ یوم النشور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :-

" اللہ تعالےٰ ابوبکر پر رحم فرمائے انہوں نے اپنی صاحبزادی کا نکاح مجھ سے کیا، مجھے دارِ ہجرت (مدینہ طیبہ) کی طرف سوار کرایا، بلال کو اپنے مال سے آزاد کیا، اسلام میں کسی کے مال نے اتنا فائدہ نہیں دیا؛ اللہ تعالےٰ عمر پر رحم فرمائے کہ وہ حق کہتے ہیں اگرچہ تلخ ہی ہو، حق نے انہیں اس حال کو پہنچا دیا کہ ان کا کوئی دوست نہیں (جسے ان کی حق گوئی سے شکایت نہ ہو)۔ اللہ تعالےٰ عثمانِ غنی پر رحم فرمائے ان سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں، انہوں نے جیش العسرۃ کو تیار کیا اور ہماری مسجد میں اضافہ کیا حتیٰ کہ اللہ تعالےٰ نے ہمیں وسعت عطا فرمائی، اللہ تعالیٰ علی مرتضیٰ پر رحم فرمائے، اے اللہ! جس طرف وہ جائیں اس طرف حق کو پھیر دے۔

خلفاءِ راشدین میں سے ہر ایک کے فضائل میں آیاتِ قرآنیہ، احادیث اور ائمۂ دین کے ارشادات وارد ہیں، تاریخ، سیرت، تفسیر اور حدیث کی کتابوں میں ان کے بہترین اقوال، افعال، اخلاق اور احوال جمع کئے گئے ہیں، اگر ان کا احاطہ کیا جائے تو کئی جلدیں تیار ہو جائیں اور پھر بھی ان کے اکثر فضائل بیان کرنے رہ جائیں۔

علامہ لقانی ہدایۃ المرید لجوہرۃ التوحید میں فرماتے ہیں :-

" تمام صحابہ کرام سے افضل اہلِ حدیبیہ ہیں اور اہلِ حدیبیہ سے

افضل وہ حضرات ہیں جو جنگِ احد میں شامل ہوئے، ان میں سے افضل اہل بدر ہیں، اہلِ بدر میں سے عشرہ مبشرہ افضل ہیں، عشرہ مبشرہ میں سے افضل خلفاءِ اربعہ اور خلفاءِ اربعہ میں سے افضل حضرتِ ابوبکر صدیق ہیں (رضی اللہ تعالےٰ عنہ)

افضلیت سے مراد ثواب کی زیادتی ہے، یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے کہ تمام صحابہ میں سے افضل خلفاءِ راشدین جو نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے بعد مسند آرائے خلافت ہوئے۔ نبیِ اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے خلافت کی مدت بیان کی اور فرمایا: میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی، اس کے بعد بادشاہی ہوگی، شدت ہوگی،

نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے کلام سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ خلفاءِ راشدین تمام صحابہ سے افضل ہیں کیونکہ یہ مدت ان کی خلافت کا زمانہ ہے، فضیلت میں ان کی وہی ترتیب ہے جو ترتیب خلافت میں ہے۔

اہلِ سنت اور ان کے دو اماموں ابوالحسن اشعری اور ابو منصور ماتریدی کے نزدیک خلیفۂ اول سب سے افضل ہیں، پھر وہ جو اُن کے بعد ہیں، پھر جو اُن کے بعد ہیں، پس سب سے افضل حضرتِ ابوبکر صدیق ہیں پھر حضرتِ عمر پھر حضرتِ عثمان پھر حضرتِ علی (رضی اللہ تعالےٰ عنہم)

امام غزالی فرماتے ہیں :-

"اصل فضیلت وہ ہے جو اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں ہے اور اس پر صرف رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ہی مطلع ہو سکتے ہیں، احادیثِ کثیرہ میں خلفاءِ راشدین کی تعریف وارد ہے فضیلت اس کی

ترتیب کو حالات کے قرائن سے صرف وہی حضرات جان سکتے ہیں جن کے سامنے وحی نازل ہوتی رہی اور قرآنِ پاک نازل ہوتا رہا، اگر وہ اس ترتیب کو نہ پہچانتے تو خلافت کو اصح ترتیب دیتے کیونکہ انہیں راہِ خداوندی میں کسی ملامت گر کی ملامت متأثر نہ کر سکتی تھی، اور انہیں کوئی حق سے روک نہ سکتا تھا۔

اسی طرح علامہ تفتازانی نے کہا کہ ہم نے سلف اور خلف کو اسی طریقے پر پایا (یعنی وہ ترتیبِ خلافت کے مطابق فضیلت کے قائل تھے) ظاہر ہے کہ اگر ان کے پاس اس کی دلیل نہ ہوتی تو وہ اس کا قول نہ کرتے۔

علامہ تفتازانی شرحِ مقاصد میں فرماتے ہیں، ہمارے پاس اجمالی دلیل یہ ہے کہ جمہور اکابرِ ملت اور علماءِ امت اس پر متفق ہیں، ان کے بارے میں حسنِ ظن یہ کہتا ہے کہ اگر وہ دلائل اور علامات سے اسے نہ پہچان لیتے تو اس پر متفق نہ ہوتے۔"

(امامِ لقانی کا کلامِ ملخص ختم ہوا)

میں کہتا ہوں کہ علامہ تفتازانی کا یہ کہنا کہ جمہور اکابرِ ملت کا یہ قول ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اجماعی مسئلہ نہیں ہے، حضرتِ عثمانِ غنی اور حضرتِ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی افضلیت میں یہی صورت ہے کیونکہ بعض اکابرِ اہلِ سنت قائل ہیں کہ حضرتِ علی مرتضیٰ، حضرتِ عثمانِ غنی سے افضل ہیں۔ حضرتِ سفیانِ ثوری کا یہی قول ہے، امامِ مالک پہلے اسی کے قائل تھے، پھر انہوں نے اس سے رجوع کر لیا اور فرمایا کہ حضرتِ عثمانِ غنی، حضرتِ علی مرتضیٰ سے افضل ہیں۔ امامِ نووی نے فرمایا یہی صحیح ہے، امامِ لقانی فرماتے ہیں یہی اصح ہے، حضرتِ ابوبکر کی فضیلت باقی تینوں خلفاء پر

اور حضرتِ عمر کی فضیلت باقی دو خلفاء پر اجماعی ہے، جیسے علامہ ابنِ حجر نے خاتمۂ فتاویٰ میں فرمایا، ان کی عبارت یہ ہے :-

" خود حضرتِ علی مرتضےٰ سے روایتِ صحیحہ ہے کہ نبیِ اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے بعد تمام لوگوں سے افضل ابوبکر ہیں پھر ایک اور مرد، آپ کے صاحبزادے حضرتِ محمد رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے عرض کیا پھر آپ؟ فرمایا تمہارا باپ تو مسلمانوں میں سے ایک مرد ہے" (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

اسی لئے اہلِ سنت یعنی صحابہ، تابعین اور ان کے بعد والے اس بات پر متفق ہیں کہ تمام صحابہ سے افضل حضرتِ ابوبکر ہیں، پھر حضرتِ عمر۔

خاتمۂ فتاوے میں ایک اور جگہ ہے کہ علامہ ابنِ حجر سے پوچھا گیا:

خلفاءِ اربعہ میں افضیلت قطعی ہے یا اجتہادی؟ کیونکہ کوئی عقلی دلیل ایسی نہیں جس کی بناء پر بعض کے بعض سے افضل ہونے کا یقین ہو اور ان کے فضائل میں وارد احادیث مختلف ہیں۔

حضرت علامہ ابنِ حجر نے جواب دیا کہ حضرتِ ابوبکر کی فضیلت خلفاءِ ثلاثہ پر، پھر حضرتِ عمر کی فضیلت باقی دو خلفاء پر اہلِ سنت کے نزدیک اجماعی ہے، اس مسئلے میں ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور اجماع یقین کا فائدہ دیتا ہے البتہ حضرتِ عثمانِ غنی کا حضرتِ علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے افضل ہونا ظنی ہے کیونکہ بعض اکابر اہلِ سنت مثلاً حضرتِ سفیانِ ثوری، حضرتِ علی مرتضیٰ کو حضرتِ عثمان سے افضل مانتے ہیں اور جس مسئلے میں اہلِ سنت کا آپس میں اختلاف ہو، وہ ظنی ہے، احادیث اس بارے میں بہت ہی متعارض ہیں بلکہ حضرتِ علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ کی فضیلت میں اتنی حدیثیں وارد ہیں کہ خلفاءِ ثلاثہ کی

فضیلت میں بھی وارد نہیں ہیں۔

بعض ائمہ نے اس کا سبب یہ بیان کیا کہ حضرتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتنوں تک اس دنیا میں رہے، آپ کے دشمن بکثرت تھے جنہوں نے آپ پر نکتہ چینی کی اور اپنے باطل نظریات کی بنا پر آپ کے مقام و منصب کو کم دکھانے کی کوشش کی، اس لئے حفاظ صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم نے ان بے دین فاسقوں اور ذلیل خارجیوں کے رد کے لئے کوشش کی اور آپ کے جو فضائل ان کے علم میں تھے، سب بیان کر دیئے، باقی خلفاءِ ثلاثہ کے لئے ایسی صورت پیش نہیں آئی کہ ان کے فضائل کا احاطہ کیا جاتا۔

امامِ شعرانی یمنِ کبرے میں فرماتے ہیں :-

حضرت ابوبکر عیاش نے فرمایا اگر میرے پاس حضرتِ ابوبکر، حضرت عمر اور حضرتِ علی رضی اللہ تعالےٰ عنہم کسی کام کے لئے تشریف لائیں تو نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریبی رشتے کی بنا پر پہلے حضرتِ علی کا کام کروں گا اور حضرتِ علی کو شیخین کریمین سے افضل قرار دینے سے مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ آسمان سے گر پڑوں "

امامِ لقانی نے فرمایا :-

" علم، شجاعت، دانئے کی عمدگی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیبِ پاک صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے قرب اور محبت و محبوبیت کے اسباب کے پیشِ نظر حضرتِ علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی فضیلت شک و شبہ سے ماوراء ہے "

لطیفہ

میں نے طبقاتِ ابنِ سبکی میں حارث بن شریح کے حالات میں پڑھا کہ داؤد

بن علی اصفہانی کہتے ہیں، میں نے حارث بن سریج سے سنا وہ فرماتے تھے میں نے ابراہیم بن عبداللہ حجبی سے سنا، وہ امام شافعی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے کہہ رہے تھے کہ میں نے آپ کے علاوہ کسی ہاشمی کو نہیں دیکھا جو حضرتِ ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما کو حضرتِ علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ پر فضیلت دیتا ہو۔

امامِ شافعی نے فرمایا حضرتِ علی میرے چچا اور میری خالہ کے صاحبزادے ہیں میں بنی عبدِ مناف سے ہوں اور تم بنی عبدالدار سے ہو، اگر حضرتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو افضل ماننے میں فضیلت ہوتی تو میں تم سے اس فضیلت کا زیادہ حقدار تھا لیکن معاملہ اس طرح نہیں جسطرح گمان کیا جاتا ہے۔

حضرتِ امامِ شافعی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے :-

" رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام سخت پریشان تھے، انہیں آسمان کی نیلی چھت کے نیچے حضرت ابوبکر سے افضل کوئی آدمی نہیں ملا، اس لئے انہوں نے انہیں خلیفہ بنا دیا رضی اللہ تعالیٰ عنہم "

تنبیہ

میرے قاصر ذہن میں صحابہ اور اہلِ بیت کی محبت کے جامع اہلِ سنت کے مذہب کی تائید اور ان میں فرق کرنے والے گمراہ روافض کے مذہب کی تردید کے لئے ایک عمدہ مطلب اور قوی دلیل آئی ہے اور وہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے تمام فضائل درحقیقت اہلِ بیت کرام کے فضائل ہیں اور یہ فضیلت اس فضیلت کے علاوہ ہے جو انہیں بارگاہِ رسالت کی نسبت سے حاصل ہوئی ہے کیونکہ وہ اہلِ بیتِ کرام کے جدِ اعظم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں کسی اور نبی کے تو صحابہ نہیں ہیں اور صحابہ کرام اگرچہ اپنی جگہ عالم و فاضل ہوں اور ہر اچھے وصف کی روح کے حامل ہوں لیکن وہ امت کے دوسرے افراد سے اس لئے افضل ہیں کہ انہیں

بارگاہِ رسالت کی ایسی صحبتِ شریفہ حاصل ہوئی کہ کسی عامل کا عمل اور کسی مجتہد کا اجتہاد اس کا ہم پلہ نہیں، انہوں نے بارگاہِ اقدس سے انوار و اسرار حاصل کئے اور حتی الامکان جان، مال، باپ اور بیٹے نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر فدا کئے، ان میں سے کثیر تعداد آپ کے سامنے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر لڑائیوں میں کود گئی یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ کا دینِ مبین غالب ہوا اور تمام جہانوں میں دین کے جھنڈے بلند ہو گئے ورنہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض کم عمر صحابہ جنہیں نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی طویل صحبت حاصل نہیں ہوئی اور وہ بہت سے مقاماتِ شریفہ اور فتح وظفر والے غزوات میں آپ کے ہمراہ شریک نہیں ہو سکے، ان کے بعد تابعین میں ایسے حضرات بھی تھے جو علم، عبادات، زہد و تقوےٰ اور جہاد و قتال میں ان سے بڑھ کر تھے، اس کے باوجود ادنیٰ درجے کا صحابی، تمام تابعین اور قیامت تک آنے والے لوگوں سے افضل ہے۔ معلوم ہوا کہ نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم وہ اصل ہیں کہ تمام صحابہ کی فضیلت آپ سے مستفاد ہے۔

اسی طرح اہلِ بیتِ کرام کے تمام فضائل و محامد، صحابہ کرام کے فضائل ہیں اور یہ فضائل اسی فضیلت اور فخر کے علاوہ ہیں جو انہیں نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی صحبت کی بدولت حاصل ہوئی کیونکہ اہلِ بیت نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد ہیں اور حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ہی نے صحابہ کو شرک کی تاریکیوں سے نکالا انوارِ توحید تک پہنچایا اور آپ ہی کے طفیل انہیں دنیاوی سیادت اور ابدی سعادت حاصل ہوئی۔ نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی اولاد آپ کا حصہ ہیں تو جس طرح نبیِ اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی فضیلت، صحابہ کرام کی فضیلت میں اضافے کا موجب ہے اور صحابہ کی فضیلت آپ ہی سے مستفاد ہے، اسی طرح آپ کی ذریتِ طاہرہ جو آپ کا بعض ہے ان کی فضیلت بھی آپ ہی کا فیض ہے۔

معلوم ہوا کہ ذریتِ مبارکہ اور صحابہ کرام کی فضیلتوں کی اصل، نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں اور وہ دونوں ایک اصل کی شاخیں ہیں لہٰذا جو مدح یا ذم ایک کو حاصل ہو گی، لازماً دوسرے کو بھی پہنچے گی، خدا کی لعنت ہو اس شخص پر جو ان دونوں حضرات میں تفریق کرے اور ایک سے محبت اور دوسرے سے دشمنی رکھے کیونکہ جو شخص ان میں سے ایک سے دشمنی رکھے گا اسے دوسرے کی محبت فائدہ نہ دیگی، اور وہ اللہ تعالٰی، نبی اکرم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم اور آپ کے محبین کا دشمن ہو گا۔

حضرتِ امامِ زین العابدین کے صاحبزادے سیدنا زید رضی اللہ تعالٰی عنہما کو دیکھو کہ جب انہوں نے ہشام بن عبد الملک کے خلاف خروج کیا تو اس وقت بہت سے کوفیوں نے آپ کی بیعت کی اور ان سے مطالبہ کیا کہ شیخین کریمین حضرتِ ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالٰے عنہما سے برارت کا اعلان کریں تب ہم آپ کی امداد کریں گے، آپ نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں، کوفیوں نے کہا تب پھر ہم آپ کو چھوڑ دیں گے، آپ نے فرمایا جاؤ تم رافضی (چھوڑنے والے) ہو اسی لئے اس وقت سے ان کا نام رافضی ہوا، ایک اور جماعت آئی، اس نے کہا ہم شیخین کریمین سے محبت رکھتے ہیں اور جو ان سے برارت کا اظہار کرے، ہم اس سے بری ہیں تو آپ نے انہیں قبول فرمایا، اس جماعت نے آپ کے ساتھ جنگ میں حصہ لیا، ان کا نام (حضرتِ زید کی نسبت سے) زیدیہ رکھا گیا لیکن ان کی ناخلف اولاد نے حضرتِ زید کا مذہب چھوڑ دیا اور برائے نام زیدیہ رہ گئے۔

جو شخص دنیا و آخرت کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہے اسے لازم ہے کہ صحابہ و اہلِ بیت کا محب ہو اور اس سلسلے میں طریق شرعی پر کاربند ہو اور سلف و خلف کے طریقے سے نہ ہٹے، یہ اہلِ سنت اور راہنمایانِ ملت کا مذہب ہے۔

اللہ تعالےٰ ہمیں اسی مذہب پر موت عطا فرمائے ۔ ایسا نہ ہو کہ ہم تغیر و تبدل کریں اور خود فتنہ میں واقع ہوں اور دوسروں کو فتنہ میں ڈالیں ،

ابنِ سبکی طبقات میں فرماتے ہیں کہ حضرتِ امام عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا :- (ترجمہ اشعار)

۱- میں وہ شخص ہوں کہ معترض میرے دین میں نرمی نہیں پائے گا اور میں دینِ اسلام پر طعن کرنے والا نہیں ہوں ۔

۲- میں نہ تو حضرتِ ابوبکر و عمر کو گالی دیتا ہوں اور خدا کی پناہ ! نہ ہی حضرتِ عثمان کو گالی دوں گا ۔

۳- نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے حواری حضرتِ زبیر کو برا بھلا نہیں کہتا اور حضرتِ طلحہ کو نہ گالی دیتا ہوں اور نہ ان کی توہین کرتا ہوں ۔

۴- میں اس کا قائل نہیں ہوں کہ حضرتِ علی بادل میں ہیں اگر ایسا کہوں تو بخدا ! یہ ظلم اور تعدی ہوگی ۔

یہ طویل قصیدہ ہے جس کے دو شعر یہ ہیں :-

۱- اللہ تعالےٰ اپنی رحمت اور رضا سے بادشاہ کے ذریعے دین کی مشکلات کو دور فرماتا ہے ۔

۲- اگر ائمہ نہ ہوتے تو ہمارے لئے راستے پر امن نہ ہوتے اور ہم میں سے کمزور آدمی طاقتور کا شکار ہو جاتا ۔

کہتے ہیں کہ ہارون الرشید کو یہ شعر بہت پسند آئے اور جب انہیں حضرت عبداللہ بن مبارک کے وصال کی اطلاع ملی تو انہوں نے لوگوں کو اجازت دی کہ ان کی وفات پر میرے پاس تعزیت کرو اور کہا کیا انہوں نے یہ دو شعر نہیں کہے ؟

سوال :- آپ کا یہ کہنا کہ اہلِ بیت اور صحابہ ایک ہی اصل یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کی دو شاخیں ہیں، اسے آپ نے جس انداز میں بیان کیا ہے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ذریتِ طاہرہ تمام صحابہ کرام سے افضل ہے۔

جواب:- ہاں اولادِ پاک ہر حیثیت سے نہیں بلکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذریتِ طیبہ ہونے کے اعتبار سے اسی طرح ہے اور یہ ایسی حقیقت ہے جس میں کسی صاحبِ عقل کو شبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ ذریتِ طیبہ اس اعتبار سے تمام جہان (یعنی امتیوں) سے علی الاطلاق افضل ہے اس لئے کہ اس کا مآل نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فضیلت ہے۔ کسی ایماندار کو اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام مخلوق سے افضل ہیں اور اولادِ امجاد کی بحیثیت اولاد ہونے کے فضیلت کا مطلب گویا یہ ہے کہ ان کے جدِ امجد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر جد سے افضل ہیں، کیا کوئی مومن اس میں شک کر سکتا ہے؟ اسی لئے امام سبکی وغیرہ نے حضرتِ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں فرمایا :-

"ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لختِ جگر پر کسی کو فضیلت نہیں دیتے"

دیکھو انہوں نے حضرتِ خاتونِ جنت کی جزئیت کا ذکر کیا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں ان کی والدہ ماجدہ حضرتِ خدیجۃ الکبریٰ، حضرتِ مریم اور حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن پر بھی فضیلت دی جائے۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ حضرتِ علی کی زوجۂ محترمہ یا حسنین کریمین کی والدہ ماجدہ یا ایسے ہی دیگر اوصافِ شریفہ کی مالکہ پر ہم کسی کو فضیلت نہیں دیتے اور جزئیت تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تمام اولاد اور دوسری صاحبزادیوں میں بھی پائی جاتی ہے، اولادِ حضرتِ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خصوصی نسبت ہے۔ پس وہ اس حیثیت سے تمام لوگوں سے افضل ہیں۔ حضرتِ فاطمہ زہرا کے تمام صحابہ اور شیخین کریمین سے افضل ہونے کی تصریح علامہ شمس الدین علقمی

نے کی، امام مناوی نے فرمایا بحیثیت جزئیت کے افضل ہیں۔

امام مناوی فرماتے ہیں :-

"شیخین کریمین بلکہ خلفاء اربعہ علم و معرفت اور دین اسلام کی سربلندی کے لئے خدمات کے اعتبار سے حضرت فاطمہ زہرا سے افضل ہیں اسی لئے علامہ لقانی نے شرح جوہرہ میں خلفاء اربعہ راشدین کے تمام لوگوں سے افضل ہونے کا ذکر کر کے فرمایا کہ حکم مذکور ذریت طیبہ کے لحاظ سے مشکل نہ جانا جائے کیونکہ یہ افضلیت جزئیت کے اعتبار سے نہیں ہے یعنی جزئیت کے لحاظ سے ذریت طاہرہ افضل ہے، اسے اچھی طرح جان لو اور اہل بیت کے مقام، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ فضیلت اور ان کے خصوصی شرف قربت کو پہچان لو۔"

(ترجمہ اشعار) یہ وہ حضرات ہیں کہ جس نے ان کی مخلصانہ محبت اپنائی اس نے آخرت میں مضبوط وسیلے کا سہارا لیا ہے۔

۲- یہ وہ حضرات ہیں جو مناقب کے اعتبار سے تمام جہان سے بلند ہیں، ان کے محاسن بیان کئے جاتے ہیں اور ان کی علامتیں روایت کی جاتی ہیں۔

۳- ان کی محبت فرض اور ہدایت ہے، ان کی فرمانبرداری محبت ہے اور ان کی محبت تقویٰ ہے۔

اسعاف میں فرمایا :-

" محبت جو قابل تعریف اور معتبر ہے یہ ہے کہ ان کے پسندیدہ طریقوں کی پیروی کی جائے کیونکہ ان کے طریقے کی پیروی کے بغیر محض ان کی محبت جیسے کہ شیعہ اور روافض گمان کرتے ہیں کہ دعویٰ ان کی محبت کا ہے اور ان کے طریقے سے اعراض ہے محبت کے مدعی کے لئے کسی خیر کا فائدہ نہیں دیتی بلکہ اس پر

وبال اور دنیا و آخرت میں عذاب ہوگی، علاوہ ازیں یہ محبت درحقیقت محبت ہی نہیں ہے کیونکہ محبت کی حقیقت یہ ہے کہ محبوب کی طرف رغبت ہو، اس کی محبوب اور پسندیدہ چیزوں کو اپنے نفس کی پسندیدہ چیزوں پر ترجیح دیجائے، اس کے اخلاق و آداب کو اپنایا جائے، اسی لئے حضرتِ علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا میری محبت اور ابوبکر وعمر کی عداوت جمع نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ دونوں ضدیں ہیں جو جمع نہیں ہوسکتیں۔

امامِ دارقطنی مرفوعاً (یعنی نبیِ اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کا ارشاد) بیان کرتے ہیں، اے ابوالحسن! تم اور تمہارے اہلِ محبت جنت میں ہیں اور کچھ لوگ گمان کریں گے کہ وہ تم سے محبت رکھتے ہیں، وہ اسلام کی تحقیر کریں گے پھر اسے چھوڑ دیں گے، وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے، ان کا ایک قبیح لقب ہے، انہیں رافضی کہا جائے گا۔ جب تم انہیں پاؤ تو ان سے جہاد کرو کیونکہ وہ مشرک ہیں۔ امامِ دارقطنی فرماتے ہیں یہ روایت ہم تک متعدد سندوں سے پہنچی ہے۔"

علامہ صبان (مصنفِ اسعاف) کا یہ کہنا کہ شیعہ اور رفض سے ان کی مراد غالی شیعہ ہیں لہذا یہ ایک مرادف کا دوسرے مرادف (ہم معنی) پر عطف ہے یا عطفِ تفسیری ہے، وہ شیعہ اور محبین جو اہلِ بیت کے طریقے یعنی صحابہ کرام کی محبت و فضیلت میں ان کے مراتب کی پہچان سے الگ نہیں ہوئے تو یہ بہترین لوگ ہیں اور ہر عیب اور عار سے محفوظ ہیں، نبیِ اکرم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے اپنے ارشاد "اے ابوالحسن! تم اور تمہارے شیعہ و محبین جنت میں ہیں" سے انہی لوگوں کا ارادہ فرمایا ہے۔

حضرتِ موسٰے بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ تعالٰے عنہم صاحبِ فضیلت بزرگ تھے، اپنے والد حضرتِ امام زین العابدین سے اور وہ ان کے جدِ امجد حضرتِ امامِ حسین

رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں :۔

" ہمارے شیعہ اور محب وہ ہیں جو اللہ تعالےٰ کی فرمانبرداری کریں اور ہمارے اعمال اپنائیں جیسے کہ مدتِ خلافت میں حضرتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھی اور تمام وہ حضرات جنہوں نے آپ کی امداد کی اور آپ کے ساتھ تمام واقعات میں جنگوں کی خوفناکیوں میں کود گئے ۔ مثلاً جنگِ جمل، جنگِ صفین اور جنگِ نہروان، کیونکہ ان تمام جنگوں میں حضرتِ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ مصیب تھے اور دوسرے حضرات اجتہادی خطا پر تھے، خوارج کے علاوہ باقی سب ہدایت پر تھے کیونکہ انہوں نے طلبِ حق کیلئے کوشش کی تھی، رہے خوارج کہ ان میں اہلِ نہروان بھی تھے وہ کافر و فاجر تھے کیونکہ خدا کی پناہ وہ تحکیم[1] کی بنا پر حضرتِ علی اور بہت سے صحابہ اور مسلمانوں کو کافر جانتے تھے جنہوں نے تحکیم پر رضامندی ظاہر کی تھی ۔"

اس جگہ شیعہ کا ایک گروہ ہے جنہیں تفضیلی شیعہ کہا جاتا ہے یہ گروہ حضرتِ علی کرم اللہ وجہہ کو تمام صحابہ سے افضل مانتا ہے اور اس کے ساتھ صحابہ کرام کی فضیلت، عدالت اور ان کے لیے اللہ تعالےٰ کی عطا کردہ شرافت اور بلندی مرتبہ کو مانتا ہے، یہ لوگ اگرچہ اس اجماع کے مخالف ہیں کہ حضراتِ شیخین کریمین حضرتِ علی سے افضل ہیں لیکن ان کی بدعت ہلکے درجے کی ہے جس سے اصل دین میں خلل نہیں آتا، حافظ سیوطی نے ان کا ذکر کیا لیکن ان کے عقیدے پر طعن نہیں کیا، حافظ ذہبی وغیرہ سے منقول ہے

---

[1] حضرتِ علی اور حضرتِ امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے اس پر صلح کی کہ فریقین سے ایک ایک آدمی منتخب کیا جائے اور انہیں حکم تسلیم کیا جائے، جو وہ فیصلہ کریں دونوں کو منظور ہوگا، خارجیوں نے اس بنا پر فریقین کو کافر قرار دیا۔

(شرف قادری)

کہ یہ عادل اور ثقہ ہیں، ان کی روایت مقبول ہے اور ان کی شہادت علت سے خالی ہے، حالانکہ امام ذہبی نے رجالِ حدیث میں اس قدر باریک بینی سے کام لیا ہے کہ انہوں نے بعض ایسے حضرات پر طعن کیا ہے جن کی دوسرے محدثین نے توثیق کی ہے۔ علامہ ذہبی نے فرمایا بہت سے سلف وخلف اسی گروہ سے تعلق رکھتے تھے، کتابوں میں جب شیعہ کا لفظ بغیر کسی قید کے بولا جائے تو اس سے یہی لوگ مراد ہوں گے جب تک یہ نہ کہا جائے کہ فلاں غالی شیعہ ہے یا غالی شیعوں میں سے ہے۔

باقی رہے روافض تو ان میں سے کچھ کافر ہیں اور کچھ فاسق، کیونکہ انہوں نے بہت سے صحابہ کی محبت ترک کردی ہے، جو شخص ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ پر طعن کرے اور آپ کے والد ماجد حضرتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی صحابیت کا انکار کرے کافر ہے۔

علامہ شعرانی کی آئندہ عبارت سے تمہیں شبہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ انہوں نے روافض سے تفضیلی شیعہ مراد لئے ہیں جیسا کہ ان کی عبارت سے صاف ظاہر ہے، عارفِ شعرانی فرماتے ہیں :-

> "ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ ہم ان روافض کو گالی نہ دیں، جو محبت میں حضرتِ علی مرتضیٰ کو حضرتِ ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہم پر ترجیح دیتا ہے، ان روافض کی بات نہیں جو شیخین کریمین کو گالیاں بکتے ہیں خصوصاً جبکہ تفضیل کے قائل حضرتِ فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی اولاد میں سے ہوں یا اہلِ قرآن (مسلمانوں) میں سے ہوں، جانِ برادر! یوں نہ کہو کہ فلاں رافضی کتا ہے کیونکہ یہ نامناسب ہے، ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ حضرتِ علی مرتضیٰ اور حسنین کریمین رضی اللہ تعالےٰ عنہم اور ان کی اولاد کی محبت کاملہ نصِ قرآنی سے مطلوب ہے :

قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی

اور وُدّ کا معنیٰ ہے محبت پر ثابت قدمی اور ہمیشگی لہٰذا ہم اس شخص کو گالی دینے سے زبان روک رکھیں گے جو اپنے جدِ امجد (حضرتِ علی مرتضیٰ) کو دوسروں پر محبت میں ترجیح دے، جب تک کہ نصوص کی مخالفت نہ کرے کیونکہ انسان کا اپنے اجداد کی محبت میں غلو بہت سے اہلِ علم میں واقع ہے چہ جائیکہ سادات کا ایک عام فرد، خاص طور پر اجداد بھی ایسے ہوں جن کی بدولت انسان کو شرافت حاصل ہوئی ہو اسی لئے کہتے ہیں کہ ایسے سید سنی کم ہوتے ہیں جو حضرتِ ابوبکر و عمر کو اپنے جدِ امجد حضرتِ علی رضی اللہ تعالےٰ عنہم پر ترجیح دیں ، امامِ شافعی فرمایا کرتے تھے :

" اگر حضورِ انور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی آلِ پاک کی محبت رفض ہے تو جن و انس گواہ ہو جائیں کہ میں رافضی ہوں "

اے بھائی! ہر اس شخص کو معذور جان جس کے حق میں ایسا شبہہ قائم ہو جو دین کے اصولِ صریحہ کے متصادم نہ ہو، مثلاً حضرتِ ابوبکر صدیق کے صحابیٔ رسول ہونے یا ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی برارت کا انکار (دین کے اصولِ صریحہ سے متصادم ہے) اور روافض کا معاملہ اللہ تعالےٰ کے سپرد کر دے اللہ تعالےٰ قیامت کے دن ان میں فیصلہ فرمائے گا۔

یہ عارفِ کبیر اور منصف عالم کا کلام ہے، اللہ تعالےٰ ان سے راضی ہو اور ہمیں اس کلام سے فائدہ دے۔

حضرتِ علامہ شعرانی کا یہ ارشاد کہ :

" سنی سید شاذ و نادر ہوتا ہے "

یہ حقیقی رافضی کے مقابل نہیں ہے بلکہ تفضیلی شیعہ کے مقابل ہے، اسی لئے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ :

"جو حضرتِ ابوبکر و عمر کو اپنے جد حضرتِ علی رضی اللہ تعالےٰ عنہم پر ترجیح دے۔"

رافضی تو حضرتِ ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی کسی حیثیت سے فضیلت نہیں مانتا نہ مقدم ہونے کے اعتبار سے اور نہ مؤخر ہونے کے اعتبار سے اور انہیں نامناسب اوصاف سے متصف قرار دیتا ہے اور خدا کی پناہ کہ کوئی ایسا شخص جس کی نسبت نبیِ اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے ثابت و صحیح ہو ایسی باتیں کہے۔

خلاصۂ عبارت یہ ہے کہ ایسا سُنّی سیّد نوادر سے ہے جو حضرتِ ابوبکر و عمر کو اپنے جدِ امجد حضرتِ علی رضی اللہ تعالےٰ عنہم پر ترجیح دیتا ہو اور اکثر سُنّی سادات، شیخین کریمین اور تمام صحابہ کی محبت اور ان کی فضیلت کے اعتراف کے باوجود شیخین کی ترجیح کے قائل نہیں ہیں اور یہ ان کے دین میں کچھ نقصان دہ نہیں ہے، خصوصاً جب کہ وہ حضرتِ علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی محبت میں ترجیح دیں نہ کہ فضیلت میں، عبارت کو اسی معنی پر محمول کرنا چاہیئے۔ واللہ تعالےٰ سبحانہٗ اعلم۔

جامعِ کتاب کہتا ہے یہ وہ کچھ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اس عبدِ ضعیف کے ہاتھ پر ظاہر کرنے کا ارادہ فرمایا، اس کا مسوّدہ گیارہ سال تک میرے پاس رہا، اس کی تبییض اور طباعت ماہِ شوال ۱۳۰۹ھ/ ۱۸۹۹ء میں بیروت میں ہوئی، اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ اسے مجھ سے قبول فرمائے اور اس کے سبب مجھ سے راضی ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمارے آقا و مولیٰ محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ اور تمام انبیاء و مرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم اور ان کے تمام اہل بیت اور اصحاب پر رحمت و سلامتی نازل فرمائے، مخلوق کی تعداد اپنی رضا، عرش کے وزن اور کلمات کی سیاہی کے مطابق، جب تک کہ ذکر کرنے والے اس کا ذکر کریں اور اس کے ذکر سے غافل رہنے والے غافل رہیں،

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

(بحمدہٖ تعالیٰ ترجمہ تمام ہوا)